ہوچی منہ

ہوچی منہ

مُصنّف : ژاں لاکوتیور

ترجمہ : بشیر احمد چشتی

نگارشات

۱۷۶ — انارکلی — لاہور

اشاعت اوّل ــــ فرانس

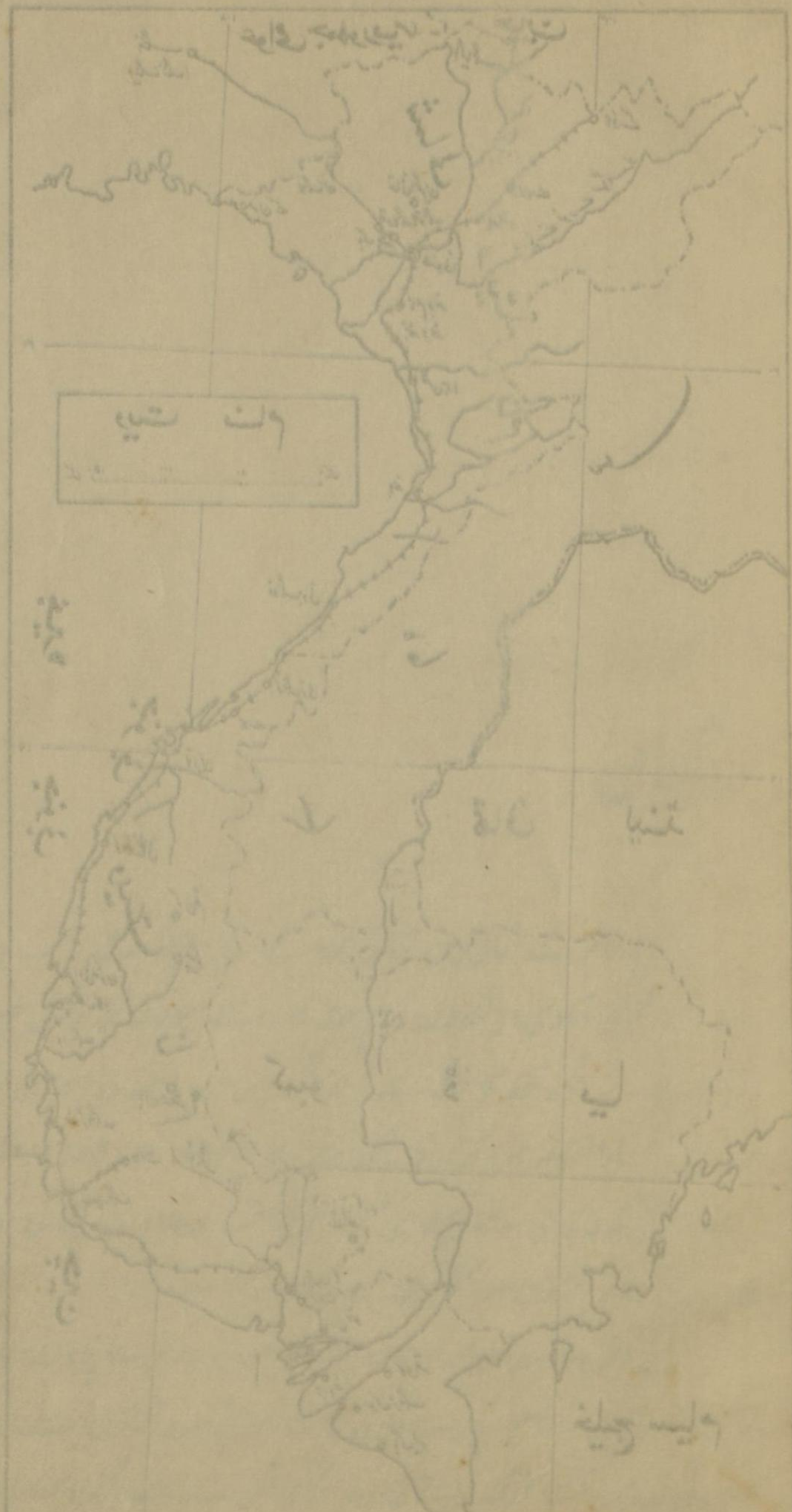
طبع اوّل : ــــ اگست ۱۹۷۰ء

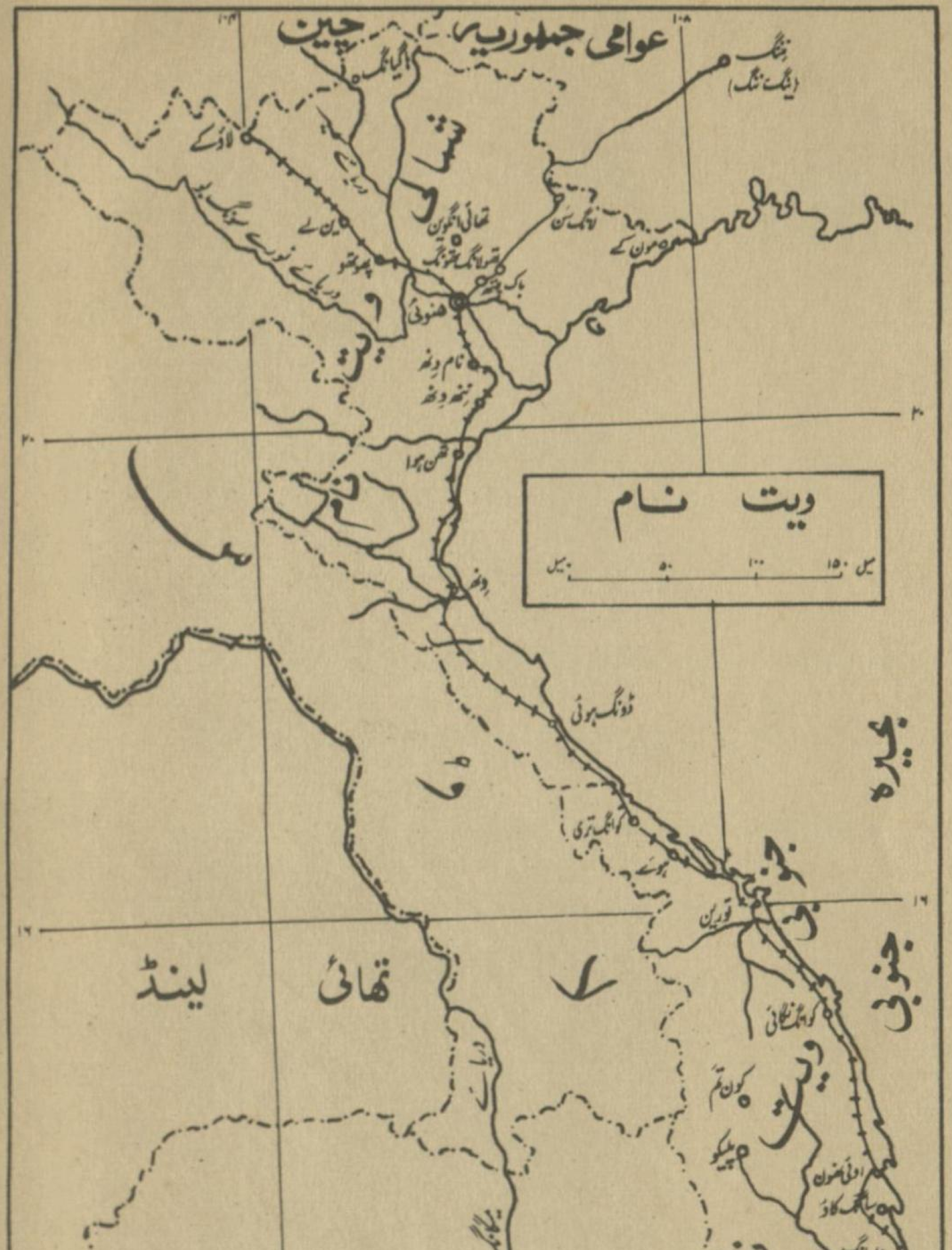
ناشر : ــــ نگارشات پبلشرز

مطبع : ــــ علمی پرنٹنگ پریس لاہور

قیمت : ــــ ۱۵ روپے

فہرست





عوامی جمہوریہ چین
ویت نام
تھائی لینڈ
کمبو ڈ یا
خلیج سیام

۱۔ کِسان

قدیم انام کے شمال میں تھائی ہوا کے سر سبز ڈیلٹا کے قریب ہی ایک ایسا علاقہ ہے، جو گنجان آبادی، باشندوں کی غربت اور اپنے سپوتوں کی سرکش طبیعت کے لئے مشہور ہے۔ یہ انگھ تنھ کا خطہ ہے، جو انگھ این اور ہاتنھ دو صوبوں پر مشتمل ہے۔ ونھ اس کا دارالخلافہ ہوا کرتا تھا لیکن ونھ، جو ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۴ء کے درمیان فرانسیسی توپ خانہ کی گولہ باری سے پہلے ہی مسمار ہو چکا تھا، ۱۹۶۵ء کے بعد کی امریکی ہوائی فوج کی بمباری سے روڑوں اور کنکروں میں تبدیل ہو چکا ہے۔

اس افسردہ میدان پر بھورے پرندے اور بڑے بڑے پروں والے جنگلی ہنس اڑانیں لگاتے ہیں۔ساحل پار سے ان کی کرخت اور پُر درد تمناؤں سے لبریز چیخیں، خوفزدگی اور ہمہ وقت متحرک رہنے کی بے سکون لگن کے مِلے جُلے احساسات اُجاگر کرتی ہیں۔سمندر کی موجودگی کو ہر جگہ محسوس کیا جاتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگھ تنھ نے اس بڑے سمندر سے اپنا منہ موڑ لیا ہے۔یہاں کبھی ملاح پیدا نہیں

ہوئے، لیس نمک کے باعث کھردرے ہاتھوں والے کسان پیدا ہوتے ہیں۔
اس کے چمکتے ہوئے ساحل اور دھان کے کھیت ایک آئینے کا تصور پیش کرتے ہیں —— موتی کے رنگ کے ایک ایسے وسیع و عریض آئینے کا۔ جو سلسلہ کوہ انام کی ابتدائی پہاڑیوں کو منعکس کرتا ہے۔ یہ اسپنج جیسا خطّہ جفاکش ٹانکن اور رئیسانہ انام کے درمیان سمندر اور کوہستانی خطّے کے درمیان، شمال اور جنوب کے درمیان اور اگلے وقتوں میں) افسر شاہی علماً اور درباری افسر شاہی کے درمیان مدار کا کام دیتا ہے۔
"سبز سمندروں اور نیلے پہاڑوں کی زمین ....." ایک عوامی گیت کے بول ہیں۔ لیکن زمین سوکھی ہوئی ہے اور گرمیوں میں لاؤس سے نہایت گرم ہوا چلتی ہے، جو زمین میں شگاف ڈال دیتی ہے اور پودوں کو جھلس دیتی ہے۔ طوفان عام ہیں اور بارش ہوتی ہے تو موسلا دھار۔ اس علاقے کے قدرتی احوال سے زیادہ خُوب صورت یا کم شفیق اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ یہ عقیدہ کہ قدرتی مناظر کردار کا تعیّن کرتے ہیں واضح فریب ہے اور یہ کہنا کہ اگر ہوبین ٹرے کے چھوٹے سے پُرسکون جزیرے میں پیدا ہوتا تو وہ درمیان کی راہ اختیار کرنے والا قدامت پسند ہو جاتا مہمل بات ہوگی۔ تاہم اس چیلنج کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو انگھ تنھ کے ہر باشندے کو جنم ہی سے قبول کرنا پڑتا ہے۔
ویت نام کے دوسرے صوبوں کے لوگ کہتے ہیں کہ "یہ لکڑی کی مچھلی کی زمین ہے۔" انگھ تنھ کے لوگ اتنے مفلس ہیں کہ ابھی زیادہ عرصے کی بات نہیں کہ سفر پہ روانہ ہونے سے پیشتر انگھ تنھ کا رہنے والا لکڑی کی ایک مچھلی چپکے سے جیب میں ڈال لیا کرتا تھا۔ وہ گاؤں کے چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں سے چاول کا ایک پیالہ اور اس علاقے کے خاص اچار، نوک مام، کی ایک پلیٹ ہی خرید سکتا تھا۔ اپنی مفلسی پہ پردہ ڈالنے کے لئے وہ چپکے سے اس مچھلی کو نوک مام میں ڈال لیتا اور اس طرح یہ تاثر دیتا کہ وہ واقعی کھانا کھا رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ چھوٹی سی مچھلی اچار کا کچھ حصہ جذب کر لیتی اور بعد میں سڑک پہ چلتے ہوئے چاٹنے میں مزا دیتی۔

قدیم زمانے میں، ہُوائے کے تمام علمی اور ادبی انعام حاصل کرنے والے لوگ انگھ تنھ میں ہی پیدا ہوتے تھے۔ اتنے گنجان آباد علاقے میں، جہاں ایک ایکڑ کے آٹھویں حِصّے کے برابر دھان کے ایک کھیت کی کمائی پہ چند خاندانوں کو گذارہ کرنا پڑتا، ایک ہوشیار بچہ ایک منشی، ایک مُعلّم یا پھر ایک دن ایک دو۔ پھوبا تونگ دوک بننے کی اُمیّد میں سوائے پڑھائی کے کر بھی کیا سکتا تھا کیونکہ ضلعی اور صوبائی گورنروں کی آسامیاں صرف رشوت، سانہ بازی یا شاہی عنایت ہی کے ذریعہ حاصل نہیں کی جاتی تھیں۔ بعض اوقات یہ آسامیاں ذہنی کمالات کی بنا پہ بھی پُر کی جاتی تھیں۔

اسی طرح صدیوں سے سوائے چند ایک کے ملک کے تمام انقلابی بھی انگھ تنھ نے ہی مہیّا کئے ہیں۔ کثیر آبادی اور دانشوروں کی بھرمار کے باعث یہ بات عجیب بھی نہیں ہے۔ علم و فضل، محرومی، غربت، ذہنی چوکسی اور سمندر کے اُس پار مختلف قسم کی دنیا کا احساس ..... ان تمام باتوں نے فاقہ زدہ علماؑ کی بڑی تعداد کی موجودگی میں انگھ تنھ کو بغاوت کا اڈا بنانے میں مدد دی۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں باغی طبیعتوں کو مستقبل کے عمل کے واسطے فولاد کی طرح سخت بنایا جاتا تھا۔ در اصل ہوائے کے دربار کا یہ بے لکھا قانون تھا کہ اس خطّے کی افسر شاہی کو مرکزی حکومت کی آسامیوں پہ کبھی مامور نہ کیا جائے۔ انھیں پیدائشی طور پہ شرانگیز تصور کیا جاتا تھا۔

اس نامسعود خطۂ ارض پہ تخلیقی تحریک رکھنے والے لوگ پیدا ہوتے ہیں، اس قسم کے لوگ جو تاریخ بناتے ہیں یا تاریخ لکھتے ہیں۔ اس قسم کا ایک شخص ہائے ہاک دے تھا، جس نے اٹھارہویں صدی میں کسانوں کی بغاوت کے لیڈر کی حیثیت سے چینی حکمرانوں کو وہاں سے نکال بھگایا اور اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ایک اور شخص انگوین ڈُو تھا، جس نے ویت نامی ادب کا ممتاز شاہکار 'کِم وان کیو' تصنیف کیا۔

ملک کے طویل ماضی نے ویت نام کے کسی اور حِصّے کے رگ و ریشے میں خود کو اس طرح سرایت نہیں کیا۔ پندرھویں صدی کے اوائل میں بادشاہ لولوانے چینی حملہ آوروں کے خلاف اسی جگہ سے 'جنگِ آزادی' کا آغاز کیا۔ میدان کے سامنے ایک

سیدھے ڈھلان، روتھاھ، سے ایک چینی قلعے کے نشانات، جس کی تاریخ اُس زمانے سے جا ملتی ہے، اب بھی نظر آتے ہیں۔ یہ تاریخ کا دورہ آفریں واقعہ ہے، کیونکہ بولوا شاید سب سے پہلا آدمی ہے جس نے کوہستانی راستوں کو فوجی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ انہی راستوں کو استعمال کرکے اس نے میدان میں پھیلے ہوتے چینی محافظ دستوں پر فتح حاصل کی اور بعض مبصروں کے خیال میں عین ممکن ہے کہ ۱۹۴۶ء سے اب تک فرانسیسیوں اور امریکیوں کے خلاف مزاحمت میں استعمال کئے جانے والے طریقے اسی کے فنِ جنگ کا نمونہ ہوں۔ اور فی الواقع، اس گھر سے چند ہی میل کے فاصلے پر جہاں ہو پیدا ہُوا تھا، ایک مندر ہے، جو اس گوریلا بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک کے نام معنون ہے۔ اِس سے اِس قدرتی منظر کی سحرانگیز اور تخلیقی تحریک پیدا کرنے والی طاقتوں اور اس کے اُن داغوں کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے جو ویت نام کی تاریخ نے اس کے سینے پر چھوڑے ہیں۔

ماضی کے نشان روزمرہ زندگی کے بہت چھوٹے چھوٹے پہلوؤں میں بھی ملتے ہیں۔ شمالی حملہ آور کے خلاف مہم آرائی نے ایک ایسی ہتھ گاڑی کو جنم دیا جو اب بھی چوں چوں اور کھڑکھڑ کرتی سڑکوں پر ملتی ہے۔ اس گاڑی کے درمیان میں لکڑی کا بنا ہُوا ایک مضبوط پہیہ ہوتا ہے اور گاڑی پر بوجھ اس پہیے کے دونوں طرف مساوی طور پر تقسیم کرکے لادا جاتا ہے۔ پورے ویت نام میں ان گاڑیوں کو 'انگھ این ہتھ گاڑی' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پھر، یہی ایک خطہ رہ گیا تھا جہاں کے دیہاتی مرد اس صدی کے شروع تک شاہی احکام کی نافرمانی کرتے ہوئے بھورے کپڑے کا گھگرا پہنتے تھے۔ مرکزی حکومت نے اس رواج کو آخر کار ناشائستگی کی بنا پر ختم کیا۔ عورتوں کو بھی قانونی طور پر مجبور کیا گیا کہ پتلونیں پہنیں۔ انگھ تنھ میں ہر سطح پر اور ہر قسم کا دباؤ اور تشدد موجود تھا......

نوآبادیاتی راج کا دور دورہ ہُوا تو اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ یہ خطہ انقلاب

کا مستقل گہوارہ ہے۔ ۱۸۸۵ء میں ہام انگھی پہ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اس معاہدے کی توثیق کر دے، جس کی رُو سے انام کو فرانس کی حفاظت میں دے دیا گیا تھا۔ اس پہ دستخط کرنے کی بجائے نوجوان بادشاہ بھاگ گیا۔ قوم پرست افسر شاہی کی اپیل پہ ایک بغاوت ہو گئی، جسے 'علما کی بغاوت' کا نام دیا گیا۔ اس کی اصلی پرورش گاہ اور مرکزی قلعہ انگھ تھھ تھا اور اس کا لیڈر ــــ فان دنھ فونگ ــــ اسی صوبے کا باشندہ تھا۔ پمفلٹ باز فان بوا چو اور اصلاح کا پرچار کرنے والے فان چُو ترنھ سے لے کر ہند چینی کمیونسٹ پارٹی کے پہلے دو جنرل سیکرٹریوں تران فو اور لوہونگ فانگ تک تقریباً سب کے سب لوگ جنہوں نے بعد میں ویت نام کو فرانس کے نوآبادیاتی راج کے خلاف اُکسایا اسی صوبے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے علاوہ ایک شخص انگوین تات تھانھ تھا، جس نے بعد میں بہت سے اور نام اختیار کئے اور اپنے ہموطنوں میں انگوین اے کوک اور تمام دنیا میں ہوچی منھ کے نام سے شہرت پائی۔

یہ بات فوری طور پر ماننی پڑتی ہے کہ اس کی زندگی کی ۱۹۴۱ء سے پہلے کی کہانی غیر مکمل، مشتبہ اور سچ کے محض لگ بھگ ہی ہے۔ اس کی زندگی کے کچھ حصّوں کے حالات اچھے طریقے سے احاطۂ تحریر میں آچکے ہیں۔ اور اس کے دوستوں نے گذرے ہوئے واقعات دہرانے میں کبھی سستی نہیں برتی ہے۔ لیکن درمیان میں اتنے خلاء اور اتنے سائے ہیں کہ اس کہانی کے اجزا کو اکٹھا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ بہت عرصے تک شبہات کا باقاعدہ اظہار کیا جاتا رہا کہ آیا ہوچی منھ واقعی انگوین اے کوک ہے، جس نے ہند چینی کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی تھی، وہی انقلابی، جس کی کہانی نے بیس سال تک نوجوان قوم پرستوں کے تخیّل کو جلا بخشی اور جس کا نام ہنوئی کی فرانسیسی سیکوریٹی پولیس کی فائیلوں میں اکثر آتا رہا۔

اگر اس قسم کے شبہات ۱۹۶۰ء تک بھی رہے تو وہ ایک سرکاری پمفلٹ کے ذریعے، جو اُس وقت ہنوئی کی حکومت نے چھاپا، دور کر دیئے گئے۔ اس کے شروع

کے الفاظ یہ ہیں: "جنوری ۱۹۱۹ء ..... ہوچی منھ، جو ان دنوں فرانس میں رہتے تھے اور انگوین اسے کوک کے نام سے مشہور تھے، ورسائی کانفرنس کو ایک عرضداشت بھیجتے ہیں[1]۔"

لیکن دوسرے شبہات اب بھی اس کی شروع کی زندگی پر منڈلا رہے ہیں۔ ایک چیز جس کے متعلق ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں وہ اس کی پیدائش کے وقت ملک کی عام فضا ہے۔ اسے ہم ایک لفظ "تلخی" کے ذریعے بیان کر سکتے ہیں۔ بہت عرصے تک اس کی تمام قوتیں فرانس کے خلاف جدوجہد کرنے میں صرف ہوئیں۔ کیوں؟ وجہ سادہ ہے: انیسویں صدی کے آخر میں جو فرانسیسی نوآبادیاتی نظام عمل میں آیا وہ بالکل غیر تسلی بخش تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نظام پر محض تخریبی اور ظالمانہ ہونے کا الزام لگایا جا سکتا تھا: تقریباً اسی زمانے میں منتظمین کی جماعتوں کا قیام عمل میں آ رہا تھا کہ افسر شاہی کی برائیاں روکیں۔ سول انجینئر سڑکیں اور پل تعمیر کر رہے تھے۔ چند مخلص مجسٹریٹ حقیقی انصاف کرنے میں مشغول تھے۔ سکول کھولے جا رہے تھے اور امراض کی روک تھام کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔

اکثر چیدہ شخصیتوں اور چند عام لوگوں کے نزدیک فرانس کی نوآبادیاتی موجودگی غیر ملکی اور ظالمانہ فوجی قبضے کے مترادف تھی، جس سے ان کی ملکی سالمیت ٹوٹتی تھی اور ان کی تہذیب کی، جس پر وہ بہت فخر کرتے تھے، جڑیں کھوکھلی ہو رہی تھیں۔ "علما کی بغاوت" کے بعد ۱۹۰۸ء میں نے فو کی بغاوت ہوئی اور ۱۹۱۶ء میں دوئی تان نے شورش کرائی۔ دراصل ویت نامی قومی آزادی کی تحریک شاید ہی کبھی جامد رہی ہو۔ نہایت غیر معمولی حالت میں یہ تحریک فوک کوک ایسی بہت سی خفیہ انجمنوں کی شکل میں رونما ہوئی، جس کے لیڈر ملک سے باہر رہتے اور چیلے خاص طور پر ہوائے اور ونھ

---

[1] ویت نامی ورکرز پارٹی کی عظیم تواریخ - ہنوئی ۱۹۶۰ء

کے درمیانی علاقے میں، فرانسیسیوں سے بدلہ لینے کے لئے ہمیشہ خوفناک کاموں کے منصوبے بناتے رہتے۔

ہوچی منھ کی پیدائش کے وقت ۱۸۹۰ء میں بھی نو آبادیاتی راج اپنے تشدد کے اوّلین دور سے گذر رہا تھا۔ یہ اُس قسم کے استحکام سے ابھی بہت دور تھا جو اسے بیسویں صدی کے آغاز اور پہلی جنگِ عظیم کے بعد حاصل ہوا۔ سوائے چند دانش وروں کے فرانس کو یقیناً" کوئی بھی نئی تہذیب کا پیغمبر نہیں گردانتا تھا اس کے بجائے اسے ایک غارت گر سمجھا جاتا تھا، جس نے ویتنام کی شخصیت کو دوبارہ ڈھالنے اور اس کی زمین، انسان اور بادشاہ میں صدیوں پرانی ہم آہنگی کو تباہ کرنے کی لگاتار کوشش میں چین کی جگہ لے لی تھی۔

نتیجۃً مقابلہ اور بغاوت کرنے کی لہر ویت نامی معاشرے کی ہر سطح پر، خاص طور پر انگھ تنھ کے آتش گیر خطے میں، عام تھی۔ فان دنھ فونگ کی 'علماء کی بغاوت' (وان تھان یا شاہ کی حامی تحریک) کے بعد فان بو اچو نے 'مشرق کی سیاحت' تحریک (دونگ دو) شروع کی۔ اس کی بنیادی وجہ تخت کا دعویدار کواونگ دو تھا جو بھاگ کر جاپان چلا گیا تھا۔ ٹانکن میں ہوانگ ہوا تھام (جو فرانس میں دوتھام کے نام سے مشہور تھا) فرانسیسی فوجوں کے خلاف گوریلا جنگ میں مصروف تھا جبکہ 'وطن دوستی کی تعلیم کے لئے ٹانکن تنظیم' (دونگ کنھ انگھیا تھوک) قومی ثقافت کو فرانسیسیوں کے نجس اثرات سے بچانے کا تہیہ کر چکی تھی۔ اور فان چُوترنھ اصلاح کی ایک مہم چلا رہا تھا، جو فرانس کی ثقافتی اور تکنیکی مدد کو سازگار سمجھتا تھا، لیکن جس نے بعد میں ہو کی اس وقت عملی حمایت کی جب اسے موت کی سزا مل چکی تھی۔

انیسویں صدی کے آخری حصے کا ویت نام غم و غصہ سے اور اپنی کھوئی ہوئی حکومت کو دوبارہ حاصل کرنے کی لگن سے پھٹا جا رہا تھا۔ نو آبادیاتی راج نے شہری متوسط طبقے کو ابھی جنم نہیں دیا تھا اور روائتی معاشرہ ایسے محسوس کر رہا تھا جیسے اسے جھنجھوڑ دیا گیا ہو، خطرے میں ڈال دیا گیا ہو اور دھوکا دیا گیا ہو۔ ہو کے ملک کو مغلوب کیا جا

سکتا ہے لیکن شکست نے اسے بے حس کبھی نہیں کیا اور نہ ہی اس نے اپنے کمتر درجے پر تسلیم ورضا کا انداز اختیار کیا۔

اس عام فضا کی بنا پر لوگ فرانسیسی راج کے صرف قابلِ اعتراض پہلوؤں ہی کو دیکھنے کے لئے تیار تھے ــــ کوچن چین کی جاگیروں اور کاشت کرنے کی زمینوں پر مزدور مہیا کرنے کے لئے شمالی حصے کے قلیوں کی کثیر تعداد میں جبری بھرتی، شراب کی فروخت میں اضافہ، افیون کھانے کے مسئلہ میں چشم پوشی، فرانس میں نوکری کے لئے فوجی بھرتی کی کوشش، ہوائے اور کانتھو کی دوشیزاؤں سے 'فائدہ اٹھانے' کا کھلا رجحان.... فرانس نے اپنی نو آبادی میں جو اپنا روزمرہ کا ٹیکہ پیش کیا اس سے اس کی ساکھ کو بہت دھکا لگا۔ اسے ٹیکس جمع کرنے والوں، کسٹم کے آدمیوں، بھرتی کرنے والے حوالداروں اور پولیس کے سپاہیوں کی قوم خیال کیا جاتا تھا۔ اس عام تاثر کے اوپر پولو کوندور کا نام ہیبت ناک طور سے منڈلا رہا تھا، جو بحیرہ ہند میں سزا یافتہ مجرموں کی بستی تھی، جہاں جنگ جو قوم پرستوں کو، جو بدقسمتی سے پکڑے جاتے یا کسی لالچی جاسوس یا سنگدل افسر کا محض نشانہ بن جاتے، موت سے بدتر سزائیں دی جاتی تھیں۔ پھر کیا عجب ہے کہ ایسے ماحول میں پیدا ہونے والا با ہمت شخص فرانس سے نفرت اور اپنے ملک کو فرانسیسی قبضہ سے نجات دلانے کی لگن سے ہی زندگی کے سفر پر روانہ ہو۔

ہوچی منھ کی پیدائش، خاندان اور لڑکپن کے متعلق ٹھوس معلومات اتنی کم ہیں کہ ہمیں اس کے لئے مختلف سیاسی دوستوں اور دشمنوں کے حافظے پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ اس قسم کا ایک 'دشمن' لوئی آرنو ہے، جس نے ہو کی سرگرمیوں کو پابہ زنجیر کرنے کی کوشش میں بیس سال گذارے۔ کچھ عرصہ پیرس میں تارک وطن انامیوں پر پہرہ دینے کے بعد اس نے ہند چینی سلامتی انجمن قائم کی اور آخر میں آدمیرال دوکو کے تحت پولیس کا انٹنڈنٹ جنرل ہوگیا۔ اسے ہو کے وہ خاندانی حالات جنھوں نے اس کے نقطۂ نظر کو متشکل کیا ہوگا، اچھی طرح یاد ہیں :-

"جب میں ۱۹۰۷ء میں پہلی مرتبہ انام گیا تو ہوائے کے پرانے علماً نے ایک بہت پڑھے لکھے شخص کے متعلق باتیں کیں، جو ہاتنھ کے صوبے کی افسر شاہی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ چینی زبان کے حروف ویت نام میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہے — یہ اس وقت کی بات ہے جب یہ ہنر بہت عام تھا.... اس کا نام انگوین سنھ ہوئی تھا...."

"چند ماہ بعد اس آدمی کو دفتر سے برخاست کر دیا گیا۔ پولیس کی چند رپورٹوں میں اس پہ شراب خوری کا الزام لگایا گیا تھا اور چند دوسری رپورٹوں میں غبن کا۔ انتظامیہ میں یہ دو خامیاں عام تھیں۔ انھیں معمولی جرم گردانا جاتا تھا اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کو اس وقت تک مسکرا کے نظر انداز کر دیا جاتا تھا جب تک وہ سیاسی اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھیں۔ در اصل اسے قوم پرستوں کے ساتھ ہمدردی رکھنے اور اناميوں کے اس گروہ میں شامل ہونے کی وجہ سے نوکری سے علیحدہ کر دیا گیا تھا جو فرانسیسی زبان پڑھنے سے اس لئے انکار کر رہے تھے کہ وہ کثرتِ اغلاط سے ایک 'مشکل' زبان کو مسخ نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ اُن جیسی لیاقت اور ذہانت رکھنے والے علماً کے لئے کمزور بہانہ تھا۔ اس کے ایک بیٹے کا نام انگوین تات تھانھ تھا، جو بعد میں انگوین اے کوک اور اس کے بعد ہوچی منھ ہو گیا..... اس طرح ہو کی زندگی کا آغاز فرانس کی نسبت ناانصافی، غم و غصہ، تلخی اور نفرت کے ماحول میں ہوا....."

مزید برآں، نو آبادیاتی راج کے بارے میں اس کے والد کا اندازِ فکر اس کی برطرفی سے پہلے کی بات ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے ۱۸۸۵ء کی 'علماً کی بغاوت' میں حصہ لیا تھا اور اپنے حلقے کے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ وہ فان بواچو کی مدح سرائی کریں، جس کے فرانس کے خلاف پمفلٹ —— خاص طور پہ مشہور پمفلٹ 'پردیس سے خون سے لکھا ہوا خط' —— اس صدی کے ابتدائی برسوں میں محدود تعداد میں شائع ہوتے تھے اور ٹانکن اور انام میں وطن دوستی کے شعلوں کو ہوا دیتے تھے۔

انگوین تات تھانھ ضلع نان دان کے ایک چھوٹے سے گاؤں کِم لیاں میں ۱۹ مئی ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوا —— آج کل ہنوئی میں بہر حال سرکاری طور پر یہی تاریخ منائی جاتی ہے۔ سونگ لام کی وادی، جہاں کِم لیاں آباد ہے (ویت نام کے اکثر گاؤں کی طرح یہ بھی لمبے لمبے بانسوں سے گھرا ہوا ہے) دھان کے کھیتوں کی آماجگاہ ہے۔ ان کھیتوں کے درمیان شہتوت، مکئی اور گنے کے دوسرے چھوٹے چھوٹے کھیت بھی بکھرے ہوئے ہیں۔ صدر نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال جس گھر میں گذارے اسے محفوظ کر لیا گیا ہے —— یہ کسانوں کے عام گھروں کی طرح کی پھوس کی ایک لمبی سی جھونپڑی ہے۔

ہوائے تھانھ اور تھانھ تنھ نے ان ابتدائی برسوں کا ذکر، کچھ زیادہ ہی احترام و تعظیم کے ساتھ، اپنی کتاب "ہوچی منھ کا تذکرہ"[1] میں کیا ہے اور ان کی کتاب ہی میرا سب سے بڑا ماخذ ہے، حالانکہ یہ دریافت میرے لئے کسی قدر پریشان کن ہوئی کہ انہوں نے ہو کے والد کا نام انگوین سنھ ہوئی کی بجائے، جس پر ان دونوں کے علاوہ سبھی متفق ہیں، انگوین سنھ ساک بتایا ہے۔

لیکن بہر حال جدی نام انگوین سنھ کے متعلق کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہو کے بہت سے ناموں میں سے سب سے پہلا نام انگوین سنھ کنگ تھا اور دس سال کی عمر تک یہی رہا، جب کہ اس کے باپ نے کافی عام روایت کے مطابق اس کے لئے ایک نیا نام تجویز کیا۔ ہنوئی کے سرکاری مورخ یہی دوسرا نام، انگوین تات تھانھ، استعمال کرتے ہیں۔

انگوین سنھ ہوئی (یا ساک) کوئی معمولی آدمی نہیں تھا اور اس کی خوبیاں کئی لحاظ سے اس کے ممتاز شخصیت کے مالک بیٹے کی خوبیوں کا نقشِ اول تھیں۔ وہ ایک کسان باپ اور "ادنی درجے کی عورت" ماں کا بیٹا تھا اور اس نے اپنی کاروباری زندگی کا آغاز بھینسوں کی دیکھ بھال اور کھیت پر چھوٹے موٹے کاموں سے کیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس کے کھیت کے مالک کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کے جہیز میں دھان

---

[1] بدیشی زبانوں کا پبلشنگ ہاؤس۔ ہنوئی۔ ۱۹۶۲ء

کا ایک چھوٹا سا کھیت اور پھوس کی ایک جھونپڑی شامل تھی، جہاں ان کے تینوں بچے، بشمول ہو، پیدا ہوئے۔ اس کے خاوند نے چینی ادب کا مطالعہ کیا اور مقابلے کے امتحان میں بیٹھ کر سند حاصل کی۔ اس نے پہلے ہولئے اور پھر تھانھ ہوا میں معلم کے فرائض انجام دیئے۔ آخرکار ۱۹۰۵ء میں، اپنی بیوی اور سب سے چھوٹے بچے کی وفات کے تھوڑی ہی مدت بعد، وہ ہولئے کے شاہی محل میں امور تشریفات کے دفتر میں سیکرٹری مقرر ہو گیا۔

لیکن اپنے کام کی نوعیت سے اسے نفرت تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ افسر شاہی سب سے پرلے درجے کی غلامی ہے۔ اس کے بعد وہ بنھ کھ کے مقام پر ڈپٹی پریفیکٹ مقرر ہو گیا لیکن وہاں اس نے اپنے فرائضِ منصبی کے متعلق اتنی حقارت کا اظہار کیا کہ فرانسیسی حکام نے اسے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد وہ تمام زندگی مارا مارا پھرتا رہا۔ جب اس کا بچہ انقلاب کی مشعل لئے دنیا میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا اس وقت بوڑھا انگوین سنھ ہوئی سائیگان سے نوم پینھ اور وہاں سے انگور تک پہنچ گیا اور اس دوران میں وہ ہڈیاں جوڑ کر، داستان گوئی کر کے اور دوسروں کے خطوط لکھ کر بمشکل روزی کماتا رہا۔ وہ بیس سال سے زیادہ عرصے تک مارا مارا پھرتا رہا، مفلس اور محترم — ایک آزاد انسان

۱۹۲۵ء میں ایک شخص نوما تھ تہ تھ کی سائیگان میں اس بوڑھے آدمی سے ملاقات ہوئی — پتلا دبلا، دھوپ سی متغیر رنگت کا جسم، ساٹھ اور ستر سال کے درمیان عمر، گال کی ہڈیاں نمایاں، چھدری داڑھی اور ہمیشہ ایک ہی کالا سوٹ، ایک ایسا آدمی جو قوت اور توانائی بکھیرتا تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت نوجوانوں میں گذارتا تھا اور ہمیں اسے 'چچا'[1] کے نام سے پکارنے کی عادت پڑ گئی تھی ...... ' اس نے ۱۹۳۰ کے لگ بھگ مغربی کوچین چین میں ایک مندر میں وفات پائی۔

اس کے بچوں نے بہت محنت کی تھی اور اپنے ایک چچا کے زیرِ اثر، جو اُن

---

۱ ایسا باپ، ایسا بیٹا ..... اس فقرے کی اہمیت بعد میں ظاہر ہو گی۔

کے والد کی نسبت دو تھام کا زیادہ سرگرم حامی تھا، وہ کٹر قوم پرست ہو گئے تھے۔ ہو کی بڑی بہن تھانھ بنے مشرقی طِبّ کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ ونھ میں چھوٹے فوجی افسروں کی میس میں مینجر کی آسامی پر فائز ہو گئی اور وہاں سے اس نے گوریلوں کے لئے اسلحہ اور بارود چرانا شروع کر دیا۔ صوبے کے ایک افسر نے اس سے کہا کہ "دوسری عورتیں بچے پیدا کرتی ہیں، تم رائفلیں پیدا کرتی ہو، اور اسے قید خانے بھیج دیا"۔ جہاں وہ کئی سال تک رہی۔ اس نے کبھی شادی نہیں کی۔ ۱۹۴۵ء میں اسے نئے صدرِ مملکت اور اپنے چھوٹے بھائی کی فوٹو میں بہت مشابہت نظر آئی۔ اس نے بطخوں کا جوڑا اور دو درجن انڈے ٹوکری میں ڈالے اور ہنوئی کے لئے روانہ ہو گئی۔ ہو نے اس کا پُرجوش استقبال کیا۔ اس کے بعد وہ واپس اپنے گاؤں چلی گئی، جہاں وہ ۱۹۵۴ء میں وفات پا گئی۔

ہو کا بھائی کھیم بھی جنگ جُو قوم پرست تھا۔ ایک دفعہ اس نے موسیو سارو کو، جو ان دنوں گورنر جنرل تھا، ایک خط لکھا جس میں انگھ این کے رہنے والوں کی انتہائی مفلسی کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کی تنک مزاجی نے، جو ظاہری طور پر شراب نوشی سے اور بھی شدید ہو گئی تھی، کوک انگو (انگریزی حروف میں لکھی جانے والی ویت نامی زبان جو ان کی قومی زبان ہو گئی ہے) پڑھانے کے علاوہ سیاسی سرگرمیوں میں متواتر حصّہ لینا ناممکن بنا دیا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں اس کی وفات کے موقعہ پر ہو کی طرف سے گاؤں کے لوگوں کو مندرجہ ذیل متن کا تار موصول ہُوا:۔

"قومی معاملات[1] کی ذمہ داری کے سبب میں اس کی علالت کے دوران اس کی دیکھ بھال نہ کر سکا اور نہ ہی آج اس کے جنازے میں شریک ہو سکا۔ برادرانہ خلوص میں اس فروگذاشت کے لئے میں عاجزی سے معذرت چاہتا ہوں اور آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ قومی معاملات کو خاندانی جذبات پر ترجیح دینے والے اس سپوت کو معاف کر دیں۔ چی منھ"

---

[1] ان دنوں فرانس کے خلاف جنگ جاری تھی اور ہو ٹانکن میں زیرِ زمین لڑ رہا تھا۔

ہو نے اپنا بچپن اسی طرح گذارا جیسے ویت نام کے دیہات کے بہت سے دوسرے لوگ گذارتے ہیں۔ پھوس کی جھونپڑی سے تالاب تک، جہاں وہ مچھلیاں پکڑنا بہت پسند کرتا تھا اور سکول سے نکل کر ہوائے کو جانے والی لمبی سڑک کا سفر، جہاں وہ اپنے والد کے ساتھ گیا تھا۔ وہ ابھی دس ہی سال کا تھا کہ اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ وہ اس وقت تک ویت نام کے اس حصّے کے تمام بچوں کی طرح اپنے بالوں کو دو گرہوں میں باندھ کر رکھتا تھا۔ اس زمانے میں اس کے باپ نے اس کا نام تبدیل کر کے انگوین تات تھاتھ تجویز کیا۔ ہو نے جس ماحول میں تعلیم پائی وہ نو آبادیاتی حاکموں کے جبری مزدوری کے نظام کے باعث، جو انھوں نے ہوائے اور ونہ کے درمیان سڑک کی تعمیر کے مقصد کے لئے وضع کیا تھا، پہلے سے بھی زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ قلی کام چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور ان میں سے بہتوں نے اس کے خاندان والوں کے پاس پناہ لی۔

بغاوتیں یکے بعد دیگرے ناکام ہو رہی تھیں۔ فان دنھ فونگ کو شکست ہو چکی تھی۔ دو تھام لڑائی ترک کر دینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ فان بوا چو انگھ این کے قلعے پر قبضہ کرنے کی کوشش میں ناکام ہو چکا تھا۔ انہی واقعات کے دوران میں اس عظیم پمفلٹ باز نے انگوین سنھ ہوئی اور اس کے بچوں سے دوستی گانٹھ لی تھی۔ اس نے انھیں اپنے ساتھ جاپان لے جانے کی پیش کش کی، جہاں وہ ایک کٹر قوم پرست شاہی سلسلے کی بحالی کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ لیکن بوڑھے ہوئی نے اپنے بچوں کو تاکید کی کہ فرانسیسی پڑھیں، اس لئے نہیں کہ وہ نو آبادیاتی حاکموں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا بلکہ اس لئے کہ وہ محسوس کرتا تھا کہ ملک کے مستقبل کا مفاد اسی میں مضمر ہے کہ اس کی ثقافت کا پیمانہ وسیع تر کیا جائے۔ تاہم جہاں تک ہو کا تعلق تھا سرکش فان بوا چو کی تعلیم رائیگاں نہیں گئی وہ قوم پرست رہنما کی اس نصیحت کو کبھی نہ بھولا کہ "جو لوگ ملک کو آزادی دلانا چاہتے ہیں انھیں ایک مضبوط پارٹی کی تشکیل کرنی ہوگی"۔

پندرہ سال کی عمر میں اس نے کوک ہوک سیکنڈری سکول جانا شروع کر دیا، جہاں

ویت نامی اور فرانسیسی دونوں کی تعلیم دی جاتی تھی - وہاں کا ہیڈ ماسٹر کچھ عرصہ فورن لیجین میں رہا تھا، جہاں وہ ۱۹۰۸ء کی باغیانہ تحریکوں میں شامل ہوا - چار تکلیف دہ اور مایوس کن سالوں کی تعلیم کے بعد یہ نوجوان فان تھیٹ کی طرف روانہ ہوا، جو بندرگاہ کے نزدیک چھوٹا سا قصبہ ہے اور اس علاقے کے خاص اچار نوک مام تیار کرنے کے لئے، جس کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے، بہت مشہور ہے - یہاں ہو نے ایک چھوٹے سے مدرسے میں، جو نوک مام کی ایک فیکٹری کے سرمائے سے چل رہا تھا، جنوری سے ستمبر ۱۹۱۱ء تک کوک انگو اور فرانسیسی پڑھائی - ایک دن وہ غائب ہو گیا۔

وہ سائیگان کے لئے روانہ ہوا تھا - وہاں پہنچتے ہی اس نے پرانی مارکیٹ کے نزدیک ایک پیشہ ورانہ تعلیم کے سکول میں داخلہ لیا - اس نے فن جہاز رانی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہاں اپنا نام درج کرا لیا۔

۲۔ تارکِ وطن

آئرلینڈ، سسلی اور جنوبی یونان کے باشندوں کی طرح صوبہ انگھ این کے لوگ ملک سے باہر جانے اور نئی زندگی کا آغاز کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہ عسرت کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ ہو کے معاملے میں معاشی احتیاج کے ساتھ دو اور باتوں کا بھی تعلق تھا:۔ نوآبادیاتی حکومت کے تحت زندگی گذارنے کا ناقابلِ برداشت کام اور اپنی شخصیت کو اجنبی ثقافتوں کی سان پر تیز کرنے کی لگن۔ ۱۹۱۱ء کے آخری دنوں میں وہ لاتوش تریوِل جہاز کے عملے میں شامل ہو گیا، جو ہائی فانگ اور مارسیلز کے درمیان آمد و رفت میں مدد دیتا تھا۔ اب اس نے اپنا نام با بتایا۔ اس کی عمر ۲۱ سال تھی اور اس کا موڈ تلخی اور رجائیت کا ایسا مرکب تھا، جس کی پیش گوئی کی جا سکتی تھی۔

جہاز کے اکثر مسافر نوآبادکار ہوتے تھے، جو چھٹی گذارنے جاتے یا چھٹی گذار کر واپس آتے اور ان کے لئے باورچی خانے میں کام کرنے سے فرانسیسیوں کے متعلق

ہو کی اس رائے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ معاشرتی حیوان ہوتے ہیں۔ اس نے دو سال سمندر پہ گذارے اور اسے افریقہ اور بحیرہ روم کی بڑی بڑی بندگاہوں اوران، ڈاکر، دیاگوسوارسے، پورٹ سعید، سکندریہ ..... جانے کا موقع ملا۔ یہاں اس نے ایسے حالات کا مشاہدہ کیا، جو ویت نام کے حالات سے بہت مشابہہ تھے۔ اور وہ نتائج، جو اس نے یہاں سے اخذ کئے، اس کی پہلی کتاب 'فرانسیسی نوآبادکاری کا عمل' کی حقیقی بنیاد بنے۔ یہ کتاب فرانس کے پورے نوآبادیاتی اعمال نامے کی فردجرم ہے۔ مارسے ای میں اسے زندگی میں پہلی مرتبہ موسیو کے خطاب سے پکارے جانے کا تجربہ ہُوا۔ ایک پہلی سوانح عمری میں دلفریب برشیت مُصر ہے کہ ہوکو اس بات کا قائل کرنے کے لئے کہ فرانس کے رہنے والے 'فرانسیسی سمندر پار کے آبادکاروں سے بہت مختلف ہیں —— اور یہ خیال پارٹی[1] کے اعترافات میں مستقل طور پہ شامل ہے —— یہ سیاحت کافی تھی۔

۱۹۱۴ء–۱۸ء کی جنگ کے موقع پہ لوہاور میں اس نوجوان ویت نامی نے ملاحی کے پیشے کو خیرباد کہا۔ وہ اس وقت تک بوسٹن اور نیویارک ہو آیا تھا۔ کچھ عرصے کے لئے اس نے سینٹ آدریس میں مالی کی حیثیت سے کام کیا۔ اُس کے بعد وہ پیرس جانے کے بجائے خلافِ توقع لندن منتقل ہو گیا۔ شاید وہ ابھی تک اس قوم کی تواضع قبول کرنے پہ رضامند نہیں تھا جسے اس کے نزدیک کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ اس کے ملک پہ حکومت کرے۔

تجربے نے کم لیاں سے آئے ہوئے اس تپلے دبلے نوجوان دانشور کو پہلے ہی جفاکش بنا دیا تھا۔ تاہم وہ لندن کی تاریکی، کثافت اور وسعت سے تنگ آیا ہوگا۔ وہ برتن دھو کر اور برف صاف کر کے بہت مشکل سے روزی کماتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آخر میں اس نے پرانے کارلٹن ہوٹل کے باورچی خانوں میں ایسکوفیے کے تحت کام کیا۔ یہ امر اہم نہیں کہ

---

[1] سترھویں خطِ متوازی کے شمال میں (دہلی۔ پیپلز پبلشنگ ہاؤس ۱۹۵۶ء)

یہ بات سچ ہے یا جھوٹ، حالانکہ ایک فن کی حیثیت میں کھانا پکانے کے تجربے نے اسے اکسایا ہوگا کہ وہ فرانس کے متعلق زیادہ سہمدردی سے غور کرے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس نے مشرق کے جلا وطنوں کے ایک خفیہ گروہ، لاؤ ددنگ ہے انگوائے (سمندر پار کے مزدور) میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے آئرلینڈ والوں کی بغاوت میں گہری دل چسپی لی، فیبیز کے ساتھ راہ و رسم رکھی، سیاسی مصنفوں کی تصانیف پڑھیں اور لفظ 'انقلاب' کے پورے معانی سے آگہی حاصل کی۔

لیکن جلد ہی فرانس میں رہنے کی ضرورت اور اہمیت کا احساس اس کے وسوسوں پر غالب آگیا۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ لندن میں کچھ ہی کیوں نہ کرے اُس کے ملک کے مستقبل پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور وہ جنگ کے باوجود اور اس امر کے باوجود کہ اناامیوں کو فوج میں بھرتی ہونے کا حکم دیا جا سکتا تھا۔ ۱۹۱۷ء کے تاریک ترین زمانے میں پیرس روانہ ہوگیا ـــــ اس واقعہ کے چند ہی ہفتے بعد بولشویکیوں نے پیٹروگراڈ کے ونٹر پیلس پر قبضہ کیا اور پرولتاری آمریت قائم کر لی۔

۱۹۱۷ء کے اواخر کا فرانس اُس فرانس سے بالکل مختلف نظر آتا تھا، جس کی تصویر اس نے اپنے مشرق کے قیام کے دَوران ذہن نشین کی تھی۔ اس قوم کو اب مستقل خطرے کا سامنا تھا اور انقلاب کے طاقتور دھارے اسے اپنے سیلاب میں بہائے لئے جا رہے تھے۔ اس قوم کے غیور، مصیبت زدہ عوام اسے کئی لحاظ سے اپنے ملک کے عوام کی مانند نظر آ رہے تھے۔

تو فرانسیسی دراصل پولیس اور کسٹم کے عملے کی نسل ہی نہیں تھے۔ ان کی بڑی تعداد مخلص، غیر محفوظ اور حاجت مند اشخاص پر مشتمل تھی اور وہ ایک لاکھ کے قریب دوسرے اناامیوں کی طرح، جو جنگ کی وجہ سے فوجی سپاہی یا مزدور بن کر فرانس آئے تھے، ان لوگوں میں گھُل مِل گیا۔ ان اناامیوں کو اس اجنبی ماحول میں اپنے میزبانوں کی ہمدردی اور انسان فہمی سے تسکین ملی۔ کثیر تعداد میں اس قسم کی نقل و حمل پر وہ بجا طور پر برہم تھا، تاہم وہ تسلیم کرتا تھا

کہ اس سے فرانسیسیوں اور انامیوں کے درمیان حقیقی دوستی کے رشتے استوار کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ایک نوجوان انامی محبِ وطن کی حیثیت میں اپنا جائزہ لینے سے پہلے ہی اسے نوآبادیوں کے ان عوام میں جن کا استحصال عام تھا اور یورپی مزدوروں میں ایک مماثلت نظر آگئی تھی۔ اور ہم دیکھیں گے کہ اس کی سب سے پہلی تصنیف کا موضوع یہی مماثلت ہے۔ اس لئے منظم مزدور جماعت اور بائیں بازو کی پارٹیوں کی طرف اس کا رجحان ایک قدرتی بات تھی۔ اگر وہ گھر پہ ہی رہتا تو وطن دوستی کے اندھیارے اور انتہا پسند جذبے سے کبھی آگے نہ بڑھ سکتا، ایک ایسا جذبہ جو نظریاتی حوالوں سے عاری اور محض بیرونی حملہ آور کو ملک سے باہر نکالنے کے درپے ہوتا۔ وطن دوستی کے اس قسم کے جذبات میں اکثر نسل پرستی کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔ اس سلسلے میں فوک کوک تحریک کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

کچھ عرصہ ایک صنعتی، طبقاتی معاشرے میں ڈوب کر رہنے کی وجہ سے اس کے نظریات کو وسعت ملی اور اندازِ فکر میں سیاسی رجحانات نظر آنے لگے۔ فرانس کے بائیں بازو کے ساتھ اس کے تعلق نے ایک غضب ناک محب وطن کو جدید انقلابی بنا دیا۔ نوآبادیاتی نظام نے اسے اپنے ہی ملک میں بے خاناں کر دیا تھا۔ اور فرانس کے لوگ اسے اپنے ملک کا شہری بنا رہے تھے۔

آئندہ پانچ سال کے دوران میں پیرس میں ہو کے تجربات بہت صبر آزما ثابت ہوئے لیکن اس کے باوجود وہ اس ملک کے ساتھ ایسا دلی تعلق محسوس کرتا تھا کہ اس سے گریز ممکن نہیں تھا۔ اس نے انتہائی مفلسی برداشت کی، دوسروں کی تکلیف میں حصہ بٹایا، پولیس کے ساتھ اس کے تعلقات ناخوشگوار رہے، سیاسی اختلافات میں ملوث رہا اور بتدریج اس نے ایسی تہذیب کو دریافت کیا، جس کے صریحی انحطاط کے نشانات اسے پر فریب رعنائی بخشتے تھے۔ یورپی تصادم اختتام کے قریب پہنچا اور کبھی نہ ختم ہونے والے مذاکرات شروع ہوئے تو ہو نے زندگی، سیاست اور انقلاب کے سلسلے میں اپنی شاگردی کا زمانہ ختم کر لیا۔

نوجوان انگوین تات تھانھ اپنا نام ایک دفعہ پہلے ہی تبدیل کر چکا تھا۔ دو سال تک وہ با تھا یعنی لاتوش ترےوِل پر ُبواتے'۔ لیکن زیادہ دیر تک نوکر کا نام اپنے اوپر مُسلّط رکھنا مہمل بات تھی اور جب نام بدلنا ٹھہرا تو اس نے سوچا کہ نام ایسا ہو جس کی گونج متاثر کر سکے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس کا نام انگوین اے کوک ہو گا۔ انام میں انگوین بہت عام جدّی نام تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شاہی سِلسلے کا خاندانی نام بھی تھا۔ اے ایسا لقب ہے جو محبت ظاہر کرتا ہے۔ کوک کا مطلب ہے 'ملک'۔ اس طرح اب وہ 'مُحبِّ وطن انگوین' ہو گیا۔ 'پولیس' اس کے بیشمار مضامین کے قاری، کامنٹرن اور اس کے وطن ویت نام کے عوام اب اسے اسی نام سے جاننے لگے۔

وہ اور اس کا دوست فان وان ترونگ مارکادے میں ایک فرسودہ مکان میں رہتے تھے۔ پھر وہ ۶/ رودے گوبلن میں منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد وہ ۹/ ایں پاس کامپواں میں بہت سے دوسرے ہموطنوں کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ زیادہ تر فوٹو گرافی کا کام کرتا تھا۔ 'لاوی اوورِیر' کی ایک اشاعت میں مندرجہ ذیل اشتہار ملتا ہے :۔ 'اگر آپ اپنے خاندان کی یادگار تصویر بنوانا چاہتے ہیں تو اسے انگوین اے کوک کی مشاق انگلیوں کے سپرد کیجئے۔ ایک خوبصورت فریم میں ایک خوبصورت تصویر صرف ۴۵ فرانک میں'۔ چینی رسم الخط کی پیچیدگیوں نے اس کی انگلیوں کو مشاق بنا دیا ہو گا لیکن اس تجارت میں اسے کامیابی نہ ہوئی اور وہ اکثر بے کار ہی رہتا رہا۔

اس بیکاری کی وجہ سے اسے سیاسی شعور رکھنے والے لوگوں سے ملنے اور باتیں کرنے، سوشلزم کی راہ تلاش کرنے، پڑھنے اور بالآخر لکھنے کے لئے بہت وقت مِل گیا۔ اس نے چند اور انامی بھی اپنے گرد جمع کر لئے، مثلاً فان چو ترنھ، فان وان ترونگ، انگوین تھ ترویاں وغیرہ۔ اس نے سیاسی میل جول کا آغاز کے دوژناپ میں کتابوں کی ایک چھوٹی سی دکان میں کیا۔ کہتے ہیں کہ لیون ٹراٹسکی بھی یہاں آیا کرتا تھا۔ اس دکان کا مالک ایک پُرجوش کارکن اور مِل مالک ہیفلاڈ تھا۔ اس کی مزدوروں کی انجمنوں کے مشہور لیڈروں سے ملاقات ہو گئی، جو یا تو مونات اور بوردون کی

طرح اپنے اندازِ فکر میں انقلابی تھے، یا مارسل کاچی کی طرح امن پسند تھے۔ پال وایاں کوتوریر نے اس کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اس کے جریدے 'لومانیتے' کے لئے مضامین لکھے اور 'ایک جلا وطن کے وقائع' کے عنوان کے تحت چند مضامین شائع کرنے کے لئے قبول بھی کر لئے۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹا ڈرامہ 'بانس کا اژدھا' بھی لے لیا۔ کارل مارکس کے پوتے، ژاں لونگے، نے بھی اسے دعوت دی کہ اس کے جریدے 'لوپوپولیئر' کے لئے مضامین لکھے۔ انہی دنوں وہ 'نوجوانوں کی سوشلسٹ تحریک' کا پہلا انامی رکن بھی بن گیا۔

'پر اسرار ہوچی منہ' میں، جو ۱۹۵۳ء میں بی۔ ای۔ آئی۔ پی۔ آئی (کمیونسٹوں کے مخالف بلیٹن) نے شائع کیا، ہووان تاؤ ذاتی تجربے سے لکھتا ہے کہ ایک

"انسان کے ہم نژاد جیسی شکل، ہر وقت کتاب ہاتھ میں تھامے..... جس نے زولا، فرانس، شیکسپیئر، ڈکنز ہیوگو اور رومین رولان کو پڑھا تھا، ایک پرانے حکومت دشمن سنڈیکلسٹ نووارد ژولز راوو سے، جو سوئٹزرلینڈ میں لینن اور زنوفیف کے ساتھ کام کرتا تھا، دوستی گانٹھ رہا تھا...... یہ شخص سورل اور ماڈنیسٹ کروروسے کا مداح ہے اور بولشویکی گروہ سے بہت قریبی تعلق رکھتا ہے۔ اس نے معلومات، ہدایات اور واقعات سے آگاہ کرنے کے سلسلے میں ہو کی رہبری کی...... وہ اس نوجوان انامی کے لئے بہت عرصے تک مشیر کے فرائض انجام دیتا رہا جس کے نتیجے میں یہ نوجوان بیل ول کے علاقے میں، جو طاقتور انقلابی روایت کا حامی تھا، 'لاوی اوور یئر' کے ایڈیٹر کے چھوٹے سے کمرے میں پابندی سے جانے لگا۔ پیر لاشیز کے قبرستان کی گہرائیوں میں کمیون کے مردوں اور عورتوں کے کاٹے جانے کی داستانیں، اس کے اپنے ہموطنوں کی بغاوتوں کی یادوں کے ساتھ اس طرح گڈمڈ ہوئیں کہ دوبارہ علیحدہ نہ ہو سکیں....."

ہووان تاؤ ہو کی اس تصویر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو ژاک سترنل نے اسی زمانے میں کھینچی اور جو بعد میں "پرولتاری انقلاب" میں چھپی:۔

"اب تک وہ ایک گمنام فوٹوگرافر تھا، جو مشکل سے گذارہ کرتا...... ایک

چھوٹے قد کا تپلا دبلا نوجوان، سوکھا ہوُا چہرہ، جس سے انتہائی شرافت ظاہر ہوتی۔ اس کی آنکھوں میں وہ شعلہ جلتا ہوُا دکھائی دیتا، جو اکثر ان لوگوں میں پایا جاتا ہے جو ایک خیال کی رَو میں بہہ جاتے ہیں اور یہ شعلہ اس کے چہرے کو منور کرتا...... وہ بہت جذباتی تھا.....،،

ان دنوں اس کے کچھ دوست اسے 'چھوٹا موسیو فردیناند' کہہ کر پکارا کرتے تھے، حالانکہ اس کی وجوہ واضح نہیں ہیں۔

نوجوان سوشلسٹوں کی تحریک کا رکن اور تین بائیں بازو کے رسالوں میں مضمون نگار ہونے کی حیثیت میں تیسری انٹرنیشنل کے عملے کا ایک رکن ـــــ فرانسیسی بھائیوں میں سے ایک ـــ اس تک پہنچا۔ اور اس قطعی غیر معمولی شخصیت ـــــ جسے معلوم نہیں اب کیوں بھلا دیا گیا ہے ـــــ کے ساتھ یہ ملاقات ہو کے ان فیصلوں پر ضرور اثر انداز ہوئی ہوگی، جو اس نے کچھ عرصہ بعد کئے۔

۱۹۱۹ء میں ایک دن شام کے وقت نوجوان جاپانی مصنف کایوکوماتسو سال واگرام میں ایک اجتماع میں شرکت کر رہا تھا، جس کا ساکو اور وانزیٹی کی جانب سے انتظام کیا گیا تھا، کہ ساتھ میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے اس کے کندھے پر ٹھوکا دیا ـــ یہ شخص مشرق کا رہنے والا تھا، ایک دُبلا تپلا نوجوان، اترا ہوُا چہرہ اور جلتی ہوئی آنکھیں اجنبی نے سیدھا سوال کیا۔"آپ چینی ہیں یا انامی؟" کوماتسو نے کہا 'جاپانی' اور اس نے اپنا تعارف کرایا۔جنگل میں رہنے والے کی طرح کی سیاہ نیچے کو جھکی ہوئی مونچھوں والے ایک مقرر (یہ مارسل کاشیں تھا) کو سننے کے بعد وہ نزدیک ترین کافی ہاؤس میں چلے گئے، جہاں آنگوین اے کوک نے اپنے ملک کے مصائب کی کہانی جذباتی انداز میں سنانا شروع کر دی۔ اس کے بعد ان کی کئی دفعہ ملاقات ہوئی اور وہ ایشیا کے مستقبل کے بارے میں بحث کرتے پیرس میں گھومتے رہے۔

چند ماہ بعد ایک پولیس افسر موسیو لوئی آرنو، جو فرانسیسی دارالخلافے میں رہنے والے انامیوں کی نگرانی پر مامور تھا، سال دے ہورتیکلچر میں گیا۔ وہاں ایک لیکچرر فیلسیاں

شلے کی تقریر ہونے والی تھی، جو مشرقِ بعید کے سفر سے واپس آنے کے بعد سے ہند چینی کی آزادی کا پرچار کر رہا تھا۔ دروازے کے نزدیک ایک چوڑی پیشانی والا پتلا دُبلا نوجوان کھڑا تھا، جو ذرا جھٹکے کے ساتھ چلتے ہوئے اشتہار بانٹ رہا تھا۔ ان اشتہاروں میں نوآبادیاتی نظام کی بہت پُرزور الفاظ میں مذمت کی گئی تھی۔ آرنو اس سے پیشتر انگوین اے کوک کا نام سن چکا تھا۔ جب اس کے ایک جاسوس نے اسے اس نوجوان کا نام بتایا تو اس نے اس کے ساتھ ملاقات کا انتظام کرنے کے لئے کہا۔ ملاقات کا انتظام کیا گیا اور اس کے بعد اوپیرا کے نزدیک ایک چھوٹے سے کافی ہاؤس میں ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں بہت سی ملاقاتیں ہوئیں۔

اس بات کا ہمیں کوئی علم نہیں کہ موسیو آرنو کے متعلق ہو کا کیا خیال تھا۔ لیکن کم ازکم موسیو آرنو اس جوشیلے نوجوان کے متعلق، جو اپنے گاؤں، اپنے خاندان، اپنے ملک اور اپنے باپ انگوین سنھ ہوئی کے ساتھ ناانصافی کے سلسلے میں چبھتے ہوئے انداز میں گفتگو کرتا، احترام اور کسی قدر پسندیدگی کے ساتھ اظہارِ خیال کرتا ہے۔ وہ شعلے برساتی ہوئی آنکھیں دکھا کر پوچھتا: "میں ایسے جرائم کے ارتکاب کے سلسلے میں فرانس کو کیسے معاف کر سکتا ہوں؟"

آرنو وزیرِ نوآبادیات، آلبیر سارو، سے ملاقات کرنے کے لئے گیا اور اسے بتایا کہ اسے ہو سے ملنا چاہیے۔ وزیر کو یقین نہیں آتا تھا۔ وہ مُصر تھا کہ انگوین اے کوک کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ فان چو ترنھ کا فرضی نام ہے لیکن بالآخر ہو کی وزیر کے پرنسپل پرائیویٹ سیکرٹری سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات سے اگر اور کچھ نہیں تو ہو کا نام ونشان تسلیم کر لیا گیا اور پولیس کو بھی موقعہ مل گیا کہ اس کی پہلی تصویریں لیں اور اس کی فائل میں لگا دیں۔ اس تصویر میں اس نے ایک چھوٹا سا ہیٹ اپنے سر پر رکھا ہوا ہے۔ وہ پتلا دُبلا اور بے جہت معلوم ہوتا ہے، کچھ کھویا ہوا، کچھ زبوں حال، بالکل چیپلن کی طرح جب وہ پوری وضع میں ہو۔

اس کی سیاسی سرگرمیاں زیادہ واضح ہو رہی تھیں اور بہتر راستہ اختیار کر رہی تھیں۔

اب وہ کافی ہاؤسوں میں تیز مزاج گفتگو یا پولیس کی نگرانی میں اجلاس یا ہنگاموں سے پُر متعدد مباحثوں پر، جو وہ نو آبادیاتی حکومت کی برائیوں پہ کیا کرتا تھا، اکتفا نہیں کرتا تھا۔ جب امن کانفرنس نے اپنا کام شروع کیا تو ہو اور اس کے دوست فان وان تروَنگ نے اس ممتاز شخصیت فان چو ترنھ کی مدد سے اپنے ملک کی آزادی کے لئے آٹھ نکاتی پروگرام وضع کیا اور جنوری ۱۹۱۹ء میں کانفرنس کے سیکریٹریٹ کو بھیج دیا۔ اب یہ منصوبہ، جس کی تحریک پریزیڈنٹ ولسن کے 'چودہ نکات' نے کی تھی، انتہائی معتدل خیالات کا معلوم ہوتا ہے :- فرانسیسی پارلیمنٹ میں مستقل نمائندگی، پریس کی آزادی، جلسے کرنے اور انجمنیں بنانے کی آزادی، سیاسی قیدیوں کی عام معافی اور جیل سے رہائی، فرمان کے بجائے پارلیمانی قانون کے ذریعے حکومت، فرانسیسیوں اور اناميوں کے لئے مساوی قانونی حقوق وغیرہ.....

یہ مطالبات اتنے محدود تھے کہ وہ ہند چینی تارکانِ وطن کے چھوٹے سے گروہ کے لئے تشہیر حاصل نہ کر سکے۔ جب ہو نے اس سلسلے میں ولسن سے ذاتی طور پہ بحث کرنے کی کوشش کی تو اسے دروازے سے دھتکار دیا گیا۔ بہت سی دوسری اقلیتیں بین الاقوامی مدد کے لئے دہائی دے رہی تھیں : عرب، کرد، آرمینی...... یوں رکاوٹ پڑ جانے کے فوراً بعد جب ہو صوبوں کے دورے پر روانہ ہوا تو ویت نامی صنعتی مزدوروں نے اس کا پرجوش استقبال کیا، جس سے اسے کافی تسکین ہوئی۔ اسے فرانس میں کام کرنے والے ہموطنوں پر پہلے ہی کافی اختیار حاصل ہو چکا تھا۔ انیسویں صدی کی دوسری دہائی کے اوائل میں پیرس آنے والا ہر نوجوان ویت نامی نو وارد اپنے لائحہ عمل کی سمت متعین کرنے کے لئے اس پھٹے کپڑوں میں ملبوس لیکن خوش باش شخصیت سے مشورہ کرتا، جو شہر کی گندی صنعتی بستیوں میں گھومتا، کم کرائے کے کمروں میں رہتا اور ۳- رو دو مارشے دے پاتریارک کی پہلی منزل کے ایک کمرے میں رات کے ہر حصے میں ساتھیوں سے ملتا اور جب ممکن ہوتا مقالے لکھتا اور آرام کرتا۔ اس کے طور طریقے اور وضع قطع میں مسحور کرنے کی خصوصیت تھی۔ رو دو سومرار د میں طالب علموں کے ہوسٹل میں وہ اپنے نوجوان ہموطنوں سے کہتا :- 'تعلیم بعد میں بھی حاصل کی جا سکتی ہے ــــ آؤ اور ہمارے ساتھ کام

کرو،' اس کا لہجہ گو نرم ہوتا لیکن کسی میں انکار کی جرأت نہ ہوتی۔

ان میں سے ایک طالب علم، بوئی لام، نے 'ہو چی منھ کی داستان' میں اس زمانے کے اپنے تاثرات لکھے ہیں، جس کے حصے میں نے پہلے بھی نقل کئے ہیں۔ شاید وقت گذرنے کے ساتھ اس کی یادوں میں تبدیلی آگئی ہے۔

"ورسائی میں، جہاں نوآبادیاتی حکمران مالِ غنیمت بانٹنے میں مصروف تھے، انگوین اے کوک نامی ایک ویت نامی نے ڈھنڈورا پیٹے بغیر ویت نام کے حقِ خود ارادیت[1] کا مطالبہ کر دیا تھا۔ ہمارے لئے یہ مطالبہ بجلی کی چمک اور بہار کی پہلی گرج کے مترادف تھا...... آخر کار ایک ویت نامی اصرار کر رہا تھا کہ اس کے ہموطنوں کو ان کے حقوق دیئے جائیں۔ ہم نے اسے تسلیمات پیش کیں۔ اس کے بعد فرانس میں رہنے والے دو ویتنامی بھی اکٹھے ہوتے تو انگوین اے کوک کا ذکر ضرور کرتے ......"

اب بوئی لام نے اپنے ہیرو کے مقالے پڑھ لئے تھے، جو مختلف رسالوں میں چھپ چکے تھے۔ اس نے جاکر اس سے ملنے کا فیصلہ کیا۔

"میں ۶۔ رودے گوبلن گیا اور دروازے پر دستک دی۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ میرا استقبال کس طرح کرے گا.....؟ میرے سامنے چمکتے ہوئے گہرے رنگ کے سوٹ میں ملبوس، تیس یا تیئس سال کی عمر کا، پتلا دبلا، ہلکے رنگ کا، خوب صورت، خوش ادا آدمی کھڑا تھا۔ اس نے بڑی بڑی اور حیران کن حد تک چمکتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔"

ہو نے اس پر ویت نام کے متعلق سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور فرانس کے پرولتاریوں اور نوآبادیوں کے پرولتاریوں کے مشترک مفادات پر گفتگو کی۔ پھر وہ اسے جلد ہی آرٹ گیلری میں لے گیا۔ جس کے متعلق بوئی لام بھولے پن سے اس طرح مدح سرا ہوتا ہے:۔ 'یہاں وہ ہر ایک کو جانتا تھا اور وہاں بہت سے فرانسیسی اس کے

---

[1] ظاہر ہے کہ یہ بیان مبالغہ آمیز ہے۔

پاس آتے اور اس سے ہاتھ ملاتے . . . . . '

ہو کے فی الواقع بہت سے دوست تھے ۔ صرف فرانسیسی ہی نہیں، افریقی اور غرب الہند کے رہنے والے بھی ۔ ۱۹۲۰ء میں ایک رات ایک نوجوان ایک پُرجوش سوشلسٹ کارکن موسیو بابو کے گھر گیا، جس نے ہنوئی میں 'لاپاتریا اناما ئٹ' میں مضمون لکھے تھے اور جس نے اس کے دوست فان چو ترنھ کی ایسے وقت مدد کی تھی جب اسے موت کی سزا مل چکی تھی ۔ اسے یہ سزا اس رسالے میں ایک مضمون لکھنے کی بنا پہ دی گئی تھی، جس میں ویت نام کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا تھا ۔ اس نوجوان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ۔ اس نے پوچھا، 'موسیو بابو' تم ؟ اور پیشتر اس کے کہ بابو جواب دیتا ملاقاتی نے اپنے بازو اس کی گردن میں حمائل کر دیئے تھے، اور سسکیاں لے رہا تھا ۔ ان دنوں ہو کا یہ مخصوص انداز تھا ۔

۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۳ء کے درمیان فرانس میں اس کی سیاسی سرگرمیوں نے تین شکلیں اختیار کیں ۔ اس نے تور میں ہونے والی سوشلسٹ کانگریس میں پورا پارٹ ادا کیا اور اس کمیونسٹ جماعت میں شامل ہوا، جس کے سربراہ کاشیں اور فروسار تھے ۔ اس نے اپنی خوفناک کتاب 'فرانسیسی نوآبادکاری کا عمل' شائع کی اور اس نے 'انٹرکونویل یونین' قائم کی اور اس کے ترجمان 'کوپاریا' کا بانی، مدیر اور تقسیم کنندہ بن گیا ۔

بعد میں مارسل کاشیں نے لکھا :۔

" تور کانگریس میں ہند چینی کے ایک نمائندے کی موجودگی کو، جو اس وقت فرانس میں رہتا تھا، بھلایا نہیں جا سکتا ۔ اس نے اپنے دو کروڑ ہموطنوں کے ساتھ فرانسیسی نوآبادیاتی نظام کے شرمناک سلوک کی پُرزور مذمت کی اور سوشلسٹوں کو للکارا کہ ویت نام کی مظلوم آبادی کی مدد کریں، جنھیں ناحق قتل کیا جاتا ہے، زہر دیا جاتا ہے اور جن کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں ۔ مشرقِ بعید کا یہ نمائندہ کون تھا ؟ ہو چی منھ کے سوا کون ہو سکتا ہے[1] ۔ "

---

[1] ویت نامی ورکرز پارٹی کی عظیم تواریخ ۔

۲۸ دسمبر ۱۹۲۰ء کو 'لوما نیتے' نے ایک یادگار تصویر شائع کی، جو تور کانگریس کے موقع پر لی گئی تھی اور بعد میں کئی رسالوں اور دو تین کتابوں میں بھی چھپی۔ اس تصویر میں ہو یا انگوین اے کوک کے داڑھی نہیں ہے۔ بال پریشان ہیں۔ اس نے سخت کالر کی قمیض اور گہرے رنگ کا ڈھیلا ڈھالا سوٹ پہنا ہوا ہے، جو شاید اسی موقعہ کے لئے کرایہ پہ لیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ پال وایاں کو توریر ہے، جو ہو کی طرف دوستانہ نظروں سے تک رہا ہے۔ ہو ان موٹے تازے مونچھوں والے سوشلسٹوں میں بالکل اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ پال یونکور اجلاس میں موجود تھا اور اس نے بعد ازاں (کچھ تشویش کے ساتھ، جیسے پہلے خطرے کی یاد اسے پریشان کر رہی ہو) 'ہند چینی کے اس نوجوان' کے متعلق لکھا 'جو لوگوں کو بغاوت پر اکسا رہا تھا'۔ ہو نے اپنے آپ کو تنہا بلکہ گم سم محسوس کیا ہوگا۔ اس نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ لیون بلم اور پال وایاں کو توریر، سامیا اور کلارا زٹکن کے درمیان شاندار لفظی نیزہ بازی کی تاب نہ لا سکا۔

ہو نے جو کچھ تور کانگریس میں کہا وہ احاطۂ تحریر میں آچکا ہے۔ کاروائی کی رپورٹ میں، جو 'لوما نیتے' میں چھپی، اس کا نام انگوین اے کے بتایا گیا ہے۔ سرکاری مسودے میں (صفحے ۱۳۱-۳۳) وہ محض 'ہند چینی کا نمائندہ' ظاہر کیا گیا ہے۔ اس نے قدیم سال دومانیژ میں این اور تارن۔ اے۔ گارون کے نمائندوں کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۹۲۰ء کو تقریر کی۔

"صدر:۔ اب میں 'ہند چینی' کو دعوت دیتا ہوں۔"

"ہند چینی نمائندہ:۔ کامریڈو، کاش میں آج دُنیا میں انقلاب لانے کے کام میں آپ کے ساتھ تعاون کر سکتا۔ لیکن میری بدقسمتی ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں آج ایک سوشلسٹ کی حیثیت سے ان مکروہ جرائم کے خلاف آواز بلند کر رہا ہوں، جن کا میرے وطن میں ارتکاب کیا جا رہا ہے ('ہیئر۔ ہیئر!' کا شور)"

"جیسا کہ آپ جانتے ہیں فرانسیسی سرمایہ داری نظام تقریباً پچاس سال پیشتر ہند چینی میں وارد ہوا۔ اس نے بندوق کی باڑ کے زور پر ہم پہ فتح پائی اور سرمایہ داری کے نام پہ ہمیں زیر کیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک شرمناک مظالم اور مختلف اقسام کے استحصال

کے علاوہ ہمیں شہید کیا گیا ہے اور زہر دیا گیا ہے (میں 'زہر دیا گیا ہے' پر زور دیتا ہوں۔ افیون، شراب، وغیرہ سے) سرمایہ دار رہزنوں کے ہند چینی پر ڈھائے ہوئے مظالم کو چند منٹوں میں افشا کرنا ممکن نہیں ۔ قید خانے، جن کی تعداد سکولوں سے زیادہ ہے، ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اور ان میں اتنے قیدی بھرے ہیں کہ سما نہیں سکتے ہیں ۔ کوئی شہری، جس کے متعلق مشہور ہو کہ اس کے خیالات سوشلسٹوں کے ہیں، جیل میں بند کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات مقدمہ چلائے بغیر پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے ۔ یہ ہے ہند چینی کا نام نہاد انصاف کیونکہ وہاں پر انسانوں کو دو مختلف ترازوؤں میں تولا جاتا ہے ۔ انامیوں کو سلامتی کے وہ حقوق میسر نہیں ہیں جو یورپی باشندوں کو ہیں یا ان کو جنہوں نے یورپی طرز زندگی اختیار کر لیا ہے ۔"

"ہمارے لئے اخبارات اور رائے کی کوئی آزادی نہیں، نہ ہی ہم جلسے کر سکتے ہیں اور انجمنیں بنا سکتے ہیں ۔ ہمیں ترکِ وطن یا ملک سے باہر سفر کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ہم پرلے درجے کی جہالت کی زندگی گذار رہے ہیں کہ ہمیں تعلیم حاصل کرنے کی آزادی نہیں ہے ۔ ہند چینی میں ہمیں افیون سے مدہوش اور شراب سے بدمست کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے ۔ کئی ہزار انامیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور ان کے علاوہ کئی ہزار کو ان مفادات کی حفاظت کے لئے قتل کیا گیا ہے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔"

"کامریڈو، دو کروڑ سے زیادہ انامیوں سے، جو تعداد میں فرانس کی آبادی کے نصف سے زیادہ ہیں، یہ سلوک کیا جاتا ہے ۔ اور اس کے باوجود انامی فرانس کی خبر گیری اور حفاظت میں زندگی گذار رہے ہیں ۔ (تالیاں) اس لئے سوشلسٹ پارٹی کا فرضِ منصبی ہے کہ ویت نام کی آبادی کی خاطر مؤثر اقدام کرے ....."

"ژاں لونگے :۔ میں نے ویت نام کی آبادی کی جانب سے ایک تحریک کا نوٹس دیا ہے۔

ہند چینی نمائندہ :۔ میں نے تقریر کرنے سے پہلے خاموشی کی استدعا کی تھی ۔ (قہقہے)۔ پارٹی کا فرض ہے کہ تمام نوآبادیوں میں سوشلسٹ پروپگنڈا جاری رکھے ۔ ہم تیسری انٹرنیشنل میں شامل ہونے کے فیصلے کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ سوشلسٹ پارٹی آخرکار نوآبادیوں کے معاملات

کو اتنی اہمیت دے گی جو ان کا حق ہے۔"

"ہمیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ شمالی افریقہ کے لئے مندوبین کی ایک مستقل جماعت قائم کی گئی ہے۔ اور اگر پارٹی "ایک سوشلسٹ کامریڈ کو ہند چینی اس لئے بھیجے کہ وہ وہاں جاکر وہاں کے مسائل کا مطالعہ کرے اور ان کے حل کی تجاویز پیش کرے تو ہم اور بھی خوش ہوں گے۔"

"ایک نمائندہ :- کامریڈ انور پاشا کے ساتھ؟"

"ہند چینی کا نمائندہ :- اراکین صبر سے کام لیں۔ (تالیاں) بنی نوع انسان کے نام پر، تمام سوشلسٹوں کے نام پر، چاہے وہ دائیں بازو سے تعلق رکھتے ہوں یا بائیں بازو سے، ہم آپ سے مخاطب ہیں :- 'کامریڈز، ہمیں بچاؤ'۔ (تالیاں)"

"صدر :- تالیوں کی اس گونج سے ہند چینی نمائندے نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ بورژوازی کے جرائم کے خلاف آواز بلند کرنے میں ساری سوشلسٹ پارٹی ان کے ساتھ ہے۔"

ژاں لونگے نے ایک دفعہ پھر ان اقدام کا ذکر کیا جو اس نے مظلوموں کی حمایت میں پارلیمنٹ میں کئے تھے۔ اس پر وایاں کوتوریہ نے انھیں یوں جواب دیا: 'صرف پارلیمنٹ ہی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں مظلوم اقوام کی حمایت میں جدوجہد کی جائے۔'

یہ ایک پُر لطف نوک جھونک تھی، جو ان بڑے متنازع مسائل کی طرف اشارہ کرتی ہے جو ان دنوں سوشلسٹوں میں موجود تھے اور جو اینڈلر، روزا لگزمبرگ، لینن اور سٹالن کے درمیان اختلافات کا باعث بنے۔ انور پاشا کا ذکر اس بدگمانی کو ظاہر کرتا ہے، جو انقلابی رائے رکھنے والا ایک بڑا گروہ محسوس کرتا تھا۔ یہ بدگمانی اس چیز کے لئے محسوس کی جاتی جو ان ممالک کی شہری آبادی کے مفادات کے خلاف جہاں مزدور طبقہ کی تعداد زیادہ ہوئی وطن دوستی کی رجعت پسند اقسام کی حمایت کرتی تھی۔ وایاں کوتوریہ کے نزدیک مسئلہ اب یہ نہیں تھا کہ دیسی آبادیوں کے لئے انصاف کیسے حاصل کیا جائے (حالانکہ ہونے اپنا مسئلہ اسی صورت میں پیش کیا تھا) بلکہ یہ کہ اقوام کو آزادی کیسے دلائی جائے۔ ژاں لونگے کے نزدیک صورتِ حال یہ نہیں تھی۔ یہی تنازعات دوبارہ پیش ہونے والے تھے.....

اس طرح ہو نے جلد ہی فیصلہ کر لیا کہ اس کے لئے کونسی انٹرنیشنل بہتر ہے مزاج کی یکسانیت اور اس کی اپنی حساس طبیعت اسے ژاں لونگے اور پال فور ایسے تشدد کے مخالف لوگوں میں شامل ہونے پر آمادہ کر سکتی تھی۔ لیکن وہ دوسرے گروہ کے ساتھ پہلے ہی بہت رشتے جوڑ چکا تھا، بہت سے وعدے لے چکا تھا، بہت سے منصوبے بنا چکا تھا۔ اس عظیم انقلاب کی ابتدا، جو مظلوم اقوام سے فائدہ اٹھانے والی مشین کے کل پرزوں کو درہم برہم کرنے والا تھا، ماسکو سے ہوئی اور اسے کاشین اور فروسار کی پیروی کرنی تھی —— اور سب سے زیادہ وایاں کوتوریر کی، جس کی جذباتیت اور خطابت نے اسے مسحور کر دیا تھا۔

اس کے انتخاب کی وجوہ کا بہترین بیان ہو کے اپنے مقالے میں ملتا ہے، جو چالیس سال بعد اس کی سترویں سالگرہ کے موقع پر شائع ہوا۔ اس مقالے کا عنوان 'وہ راہ جس نے مجھے لیننزم کا پتہ دیا تھا' اور یہ 'ایکو دو ویت نام' کے جولائی ۱۹۶۰ء کے پرچے میں منظرِ عام پر آیا۔

"پہلی جنگِ عظیم کے فوراً بعد میں پیرس میں 'چینی قدیم اشیا'، (جو ایک فرانسیسی فرم تیار کرتی تھی) کے ڈیزائن بنا کر روزی کماتا تھا۔ میں اکثر اشتہار تقسیم کیا کرتا تھا، جن میں نو آبادیاتی نظام کی برائیوں کی مذمت ہوتی تھی۔ ان دنوں میں محض ایک قسم کی بے ساختہ ہمدردی کی بنا پر اکتوبر کے انقلاب کی حمایت کرتا تھا۔ ابھی مجھے اس کی تاریخی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ میں لینن سے، محض اس لئے کہ وہ ایک عظیم محبِّ وطن تھے جنھوں نے اپنے ہموطنوں کو آزادی دلائی تھی، محبت کرتا تھا اور ان کی عزت کرتا تھا۔ ابھی تک میں نے ان کی کوئی تصنیف نہیں پڑھی تھی۔"

"میں فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی میں محض اس لئے شامل ہو گیا تھا کہ یہ خواتین و حضرات (جیسے کہ میں پارٹی کے ان کامریڈوں کو کہا کرتا تھا) مظلوم اقوام کی جدوجہد سے ہمدردی رکھتے تھے۔ مجھے ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ پارٹی یا یونین کیا ہوتی ہے اور سوشلزم یا کمیونزم

کا کیا مطلب ہوتا ہے ۔"

"ان دنوں سوشلسٹ پارٹی کی مقامی شاخوں میں اس مسئلہ پر بڑے پُر جوش مباحثے ہوا کرتے تھے کہ دوسری انٹرنیشنل میں رہنا بہتر ہے یا 'انٹرنیشنل ۲½ ' یا لینن کی تیسری انٹرنیشنل میں شامل ہونا ، میں ہفتے میں دو یا تین دفعہ ان تمام جلسوں میں باقاعدہ شریک ہوتا میں وہاں پیش ہونے والے تمام دلائل کو بہت غور سے سنا کرتا تھا ۔ پہلے پہل میں یہ بالکل نہیں سمجھ سکتا تھا کہ جھگڑا کیا ہے ۔ یہ لوگ دلائل اتنے پُر جوش طریقے سے کیوں دیتے ہیں ؟ انقلاب دوسری انٹرنیشنل یا 'انٹرنیشنل ۲½ ' یا تیسری انٹرنیشنل کے تحت بہت مؤثر طریقے سے جاری رکھا جا سکتا ہے ، اس لئے یہ سب جھگڑے کیوں ؟ اور پھر پہلی انٹرنیشنل بھی تھی ۔ اسے کیا ہو گیا تھا ؟"

"مجھے جس سوال کا جواب سننے کی آرزو تھی ــــ اور ان جلسوں میں اسی سوال پر کبھی بحث نہیں ہوئی تھی ــــ وہ یہ تھا :۔ مظلوم اقوام کی جد و جہد کی کون سی انٹرنیشنل حمایت کرتی ہے ؟"

"ایک جلسے میں میں نے فی الواقع یہ سوال اٹھایا ، جو میرے لئے بہت اہمیت کا حامل تھا ۔ چند کامریڈوں نے جواب دیا :۔ 'تیسری انٹرنیشنل' دوسری نہیں' اور ایک کامریڈ نے مجھے قومیتوں اور نوآبادیاتی اقوام کے مسائل پر لینن کے مقالے پڑھنے کے لئے کہا ، جو 'لومانیتے' میں چھپ چکے تھے ۔"

"ان مقالوں میں ایسی سیاسی اصطلاحات تھیں جو میرے لئے سمجھنا مشکل تھیں ۔ تاہم کئی دفعہ پڑھنے سے میں ان کا لب لباب سمجھنے میں کامیاب ہو گیا ۔ لینن کے مقالوں نے مجھ میں بہت جوش ، بہت ولولہ ، بہت اعتماد پیدا کیا اور مسائل کو واضح طور پر جانچنے میں میری مدد کی ۔ میں اتنا خوش ہوا کہ کئی دفعہ میرے آنسو بہنے لگتے ۔ میں اپنے کمرے میں تنہا ایسے چلانے لگتا جیسے ایک بڑے ہجوم کے سامنے کھڑا ہوں :۔ 'میرے پیارے ، مظلوم ، بدنصیب ہموطنو ! اس چیز کی ہمیں ضرورت ہے ، یہ راستہ ہمیں آزادی سے ہمکنار کر سکتا ہے ۔'"

"اس کے بعد لینن اور تیسری انٹرنیشنل پر میرا اعتماد پختہ ہو گیا۔"

"پہلے میں صرف سنا کرتا تھا۔ ہر آدمی کے خیالات صحیح معلوم ہوتے تھے۔ میں ایک کے دلائل تسلیم یا دوسرے کے رد نہیں کر سکتا تھا۔ لینن کے مقالے پڑھنے کے بعد میں بھی بحث میں کود پڑا۔ میں نے بہت جوش میں تقریر کی۔ فرانسیسی زبان کے ناکافی علم کے باوجود، جس کی وجہ سے میں اپنے خیالات کا پوری طرح اظہار نہ کر سکتا تھا، میں نے لینن اور تیسری انٹرنیشنل کے مخالفین کی پوری شدومد سے مخالفت کی۔ میرے پاس صرف ایک دلیل تھی۔ میں نے کہا :۔ 'کامریڈو! اگر تم نو آبادیاتی نظام کی مذمت نہیں کرتے، اگر تم مظلوم اقوام کی حمایت نہیں کرتے تو تم کس قسم کا انقلاب لانے کا دعویٰ کر سکتے ہو؟'"

"اپنی مقامی شاخ کے جلسوں میں شریک ہونے سے تسلی نہ ہوتی تو میں اپنے خیالات کی حمایت کرنے کے لئے دوسری شاخوں کے اجلاس میں جایا کرتا تھا۔ یہ کہنا بالکل برحق ہو گا کہ بہت سی باتوں کی وضاحت کے سلسلے میں کامریڈ مارسل کاشین، کامریڈ وایاں کوتوریر، کامریڈ مونموسو اور بہت سے دوسرے کامریڈوں نے میری مدد کی۔ آخر میں تور کانگریس کے موقع پر میں نے ان تمام کامریڈوں کے ساتھ تیسری انٹرنیشنل میں شریک ہونے کی حمایت میں ووٹ دیا۔"

"شروع شروع میں کمیونزم نے نہیں بلکہ جذبۂ حب الوطنی نے مجھے لینن اور تیسری انٹرنیشنل پر اعتماد رکھنے پر اکسایا تھا۔ رفتہ رفتہ جدوجہد کے نشوونما پانے کے ساتھ ساتھ قدم بقدم بڑھتے ہوئے میں نے مارکسزم لینزم کے نظری مطالعے کو عملی کام کے ساتھ ہم آہنگ کر کے پوری طرح سمجھ لیا تھا کہ دنیا کے مزدوروں اور مظلوم لوگوں کو صرف سوشلزم اور کمیونزم ہی آزادی دلا سکتا ہے۔"

"چین کی طرح ویت نام میں بھی روایت جادو کے ایک تھیلے کے وجود کا پتہ دیتی ہے۔ مشکلات کا سامنا ہو تو اس تھیلے کو کھول دیجیے اور مشکلات حل ہو جائیں گی۔ انقلابیوں اور ویت نام کے عوام کے لئے مارکسزم لینزم صرف جادو کے ایک تھیلے کی حیثیت نہیں

رکھتا بلکہ یہ ایک حقیقی سورج کی مانند ہے ، جو آخری فتح ، سوشلزم اور کمیونزم ، حاصل کرنے کے لئے ہمارے راستے کو منوّر کر رہا ہے ۔"

چاہے یہ بالکل صحیح ہو یا ماضی سے متاثر ہو کر دیا گیا ہو ، یہ بیان ـــــ جو اس کے خیالات کو کھرے ، پُر خلوص لہجے میں ادا کرتا ہے کہ اس کا اندازِ بیان ہمیشہ یہی رہا ہے ـــــ ان وجوہات کو باور کراتا ہے جن کی بنا پر ہو نے فیصلہ کیا اور تیسری انٹرنیشنل کا پکا حامی بن گیا ـــــ

۳۔ جنگجو

ہو نے فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کے نویں سل میں نام درج کرایا، جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ دانشوروں کا سل ہے۔ اس کے جوشیلے سربرآوردہ ارکان میں، ژورژ پی اوش، جو بہت معرکے کا اخبار نویس تھا، اور بورس سووارین، جو پیرس میں اس وقت مارکسی نظریات کا سب سے زیادہ ممتاز ماہر تھا، شامل تھے۔ دسمبر ۱۹۲۱ء میں اُس نے مارسیلز میں ہونے والی پارٹی کانگریس میں انہی لوگوں کی معیت میں شرکت کی۔ اس موقعے پر 'لومانیتے' میں ایچ۔پی۔ گاسیئے کا تحریر کردہ ایک خاکہ چھپا، جس میں ہو کی یہ شکل دکھائی گئی تھی:۔ لمبا چہرہ، اندر دھنسے ہوئے گال، اور بالوں کی ایک بے ترتیب لٹ......

پیرس میں وہ کارو دو توپل کے نزدیک تیسرے ضلع کی میونسپل عمارت میں، جس کی حیثیت پارٹی کے سٹاف کالج کی تھی، پابندی سے جاتا تھا۔ یہ جگہ رادی نامی ایک پرانے کارکن کی نگرانی میں تھی، جس کے دو لڑکے تھے، وولیتیز اور روناں۔ دونوں نے بالخصوص وولیتیز نے، جو کمیونسٹ یوتھ مومنٹ کا انتہائی سرگرم کارکن تھا، ہو کے ساتھ دوستی کی۔

تاہم شائستہ اور لطف سے پیش آنے والے ژورژ پی اوش نے ہی اپنی مثال پیش کر کے ہو کو گفتگو اور عام جلسوں میں تقریر کرنے کے فن میں مہارت حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔ اس بات کے پیشِ نظر اس نے کلب دو فوبورگ میں، جس کی بنیاد حال ہی میں لیوپولڈ نے ڈالی تھی، جلسوں میں شرکت کرنا شروع کر دی۔ اس نے مباحثوں میں حصہ لیا اور سامعین کے سامنے پرزور الفاظ میں اس امر کی شہادت پیش کی کہ نوآبادیاتی حکمران زیردستوں سے ناجائز فائدے اٹھاتے ہیں۔ ہکلانے اور تتلانے سے بچنے کی اس نے بہت کوشش کی اور پہلے پہل اس نے اناڑیوں کی سی تقریر کی۔

اس نے فرانسیسی مزدور طبقہ، بلکہ اپنے کمیونسٹ ساتھیوں کے جذبات کا بھی احترام کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ۲۵ مئی ۱۹۲۲ء کے 'لومانیتے' میں اس نے لکھا:-

"فرانسیسی پارٹی نے خاص طور پر ٹیڑھے کام کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اس کی نوآبادیاتی پالیسی... ... نوآبادیوں کے سلسلے میں فرانس کے شہری پرولتاریوں کی بے اعتنائی کے بالکل اُلٹ ہے .... (اور) فرانسیسی مزدور کے تعصبات کے برعکس ہے، جن کے نزدیک نوآبادیوں کا باشندہ گھٹیا درجے کی مخلوق ہوتا ہے، جس کی کوئی اہمیت نہیں جب کہ نوآبادیوں کے باشندوں کے نزدیک ہر قسم کے فرانسیسی خون چوسنے والے ظالم ہوتے ہیں۔"

لیکن وہ ویت نامی فرمانرواؤں اور نوآبادیاتی حکمرانوں کے ساتھ تعاون کرنے والوں کے سلسلے میں قدرتی طور پر اور بھی درشت لہجہ اختیار کرتا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں انام کے شہنشاہ کھائے ونھ نے مارسیلز کا دورہ کیا، جہاں ایک 'نوآبادیاتی نمائش' کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس موقعے پر ہو نے ایک چھوٹا ڈرامہ 'بانس کا اژدھا' شائع کیا، جس میں ہوائے کے شاہی دربار کے رسوم و رواج کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے شہنشاہ کے نام ایک کھلا خط بھی لکھا، جس میں بشمول دوسری باتوں کے یہ بھی لکھا:-

"لونگ شاں میں ریس کے گھوڑوں اور اوپیرا میں خوبصورت فرانسیسی عورتوں کے علاوہ جلالت مآب نے فرانس کی شاعرانہ سرزمین کے اپنے پراز معلومات دورے کے دوران میں کیا کچھ دیکھنے کی زحمت کی؟"

"فرانسیسی لوگ انصاف، آزادی اور کام کے بہت دلدادہ ہیں - کیا جلالت مآب نے اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کی زحمت کی؟ کیا جلالت مآب نے بھائی چارے اور امن کے لئے گہری، عالی ظرفانہ محبت کے جذبے کا خفیف سا علم بھی حاصل کیا، جو فرانسیسی لوگوں کے اندر سرایت کر چکا ہے، وہ لوگ جنہوں نے بادشاہوں اور شہنشاہوں کا استبدادی جوا اتار پھینک کر انقلاب کے ذریعے آزادی حاصل کی تاکہ اپنی قسمت کے خود حکمران بن سکیں؟"

"جلالت مآب نے سرکاری تقریروں اور بھاڑے کی پریس کی اطاعت شعار تھپکیوں کے علاوہ کیا دیکھا اور سمجھا ہے؟ کیا پاستر، وولتیر، وکتور ہیوگو اور اناطول فرانس کا وجود اور ان کے کارہائے نمایاں آپ کی جلیل القدر توجہ کا، ایک ہی دفعہ سہی، کبھی مرکز بنے ہیں؟"

اس نے اپنے گھناؤنے ماضی سے سبق حاصل کر کے اپنے نئے انقلابی عقائد کی پرورش کا تہیہ کیا اور "فرانسیسی نوآبادکاری کا عمل"[1] لکھی - یہ چھوٹی سی کتاب، جس کے تقریباً صرف ایک سو صفحے تھے، لائبریری دو ترا وائی نے کے دو ژماپ سے شائع کی - سرورق پر کتاب کا نام تین زبانوں میں لکھا تھا — عربی، چینی، فرانسیسی - ویت نام کو سب سے زیادہ جگہ دی گئی تھی، لیکن اس کی وجہ سیدھی سادی تھی اور وہ یہ کہ مصنف کو وہاں کے مصائب کا زیادہ تجربہ تھا - وہ ہر برائی کا انتخاب ہند چینی سے کرتا اور داہومی، میڈغاسکر اور غرب الہند سے کوئی مثال دینے میں بڑی احتیاط برتتا۔

یہ احتجاج ایک قوم کی سطح پر نہیں تھا، جس میں ایک واحد مظلوم ملک کے معاملات پر بحث کی گئی ہو - بلکہ یہ ایک نظام کی فردِ جرم تھی، جو تمام دنیا میں رائج تھا - اور مصنف اسی طرح بین الاقوامی سطح پر اس نظام کے خلاف عوام کو اکسا رہا تھا - اس نے آخری باب سے پہلے کے باب کو "اتحاد مابین نوآبادیات" کے لئے ایک منشور کے ساتھ اور آخری باب کو کارل مارکس کے مشہور مقولے "دنیا کے مزدورو، متحد ہو جاؤ"..... پر ختم کیا ہے۔

اس نے اپنے طرزِ عمل کے متعلق فیصلہ کر لیا تھا — حالانکہ، جیسا کہ ہم دیکھیں گے،

---

1 ۱۹۶۲ء میں ہنوئی میں دوبارہ شائع ہوئی (بدیشی زبانوں کا پبلشنگ ہاؤس)

یہ کسی لحاظ سے بھی بے لوچ نہیں تھا۔ لیکن اسے ابھی تک اپنی صلاحیتوں پر قابو نہیں تھا۔ کتاب اتنی بے سلیقہ اور لہجے میں اکثر اتنی معمولی ہے کہ قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کہیں اس تمام کتاب کا مصنّف اس کتاب کے دیباچے کا مصنف، انگوین تھ تہ وبان، تو نہیں، جو ہو کا مستقل دوست اور شریکِ کار تھا۔ 'فرانسیسی نوآبادکاری کا عمل'، ایسے قصے کہانیوں اور عجلت میں کھینچے ہوئے معاشرتی خاکوں کا بے شکل سلسلہ ہے' جو نوآبادیاتی راج کی خصوصی برائیوں اور عام ہولناکیوں کو کسی قدر وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن مواد کے پیش پا افتادہ انتخاب اور اس کے پیش کرنے کے ناقص طریقے سے یہ پتہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب واقعی ہو چی منھ نے لکھی ہے۔

سب سے اچھی بات تو یہی ہے کہ قاری خود کسی نتیجے پر پہنچے۔ 'ناپاک کالوں اور ناپاک انامیوں' کو میدانِ جنگ میں بھیجنے کے دستور کی مذمت کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

"یہ سوچتے ہوئے کہ شاید مادرِ وطن ترکی حرم سرا میں چہیتی داشتہ کا رُتبہ چاہتی ہے، انہوں نے بلقان کے شاعرانہ صحرا میں جانیں تلف کیں، ورنہ وہ قتل ہونے کے لئے یہاں کیوں بھیجے گئے تھے؛ دوسرے لوگ مارن کے کنارے یا شامپانیہ کے دلدل میں بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے ہلاک ہو رہے تھے کہ ان کے کمانڈروں کے طرے ان کے لہو سے تابناک ہو سکیں اور ان کی ہڈیوں سے فیلڈ مارشلوں کے ڈنڈے بنائے جا سکیں....."

'لومانیتے' کے کیڑہ کھائے ہوئے اسلوب کو پوری طرح قائم رکھا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہو کو زبان پر اتنی ہی قدرت حاصل تھی جتنی اسے ورثے میں ملی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے ملک سے باہر رہنے سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا تھا... لیکن اس (بعض اوقات رقت انگیز) خلط ملط مجموعے میں نمایاں بات یہ تھی کہ اس میں مظلوم اقوام کے مسئلے کے اس تصور کو قائم رکھا گیا تھا کہ یہ تمام دُنیا کا مسئلہ ہے اور پورے عزم کے ساتھ یہ پیہم کوشش کی گئی تھی کہ اس ایک مسئلہ کو بہت سے نوآبادیاتی مسائل سے جدا نہ کیا جائے۔ 'لوپاریا' کی ہر اشاعت میں، جس کے لئے ہو نے اپنی زندگی کے دو سال وقف کر دیئے اور جس میں چند ایک وہ مقالے بھی چھپے، جو بعد میں 'فرانسیسی نوآبادکاری کا

عمل' کا حصّہ بنے، یہی اندازِ فکر کار فرما نظر آتا ہے۔

'لوپاریا' اپریل ۱۹۲۲ء سے اپریل ۱۹۲۶ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس کے کل اڑتیس شمارے چھپے۔ پہلے پہل یہ ماہنامے کی صورت میں شائع ہوتا رہا، پھر دو ماہ بعد اور بالآخر ۱۹۲۳ء کے اواخر میں ہُو کے ماسکو روانہ ہو جانے کے بعد زیادہ طویل عرصے کے بعد اور کم باقاعدگی کے ساتھ چھپنے لگا۔ اس کی قیمت ۲۵ سانتیم تھی اور شاید ہی کوئی اشاعت ہو جس میں نئے خریداروں کے لئے اپیل نہ کی گئی ہو اور چندہ دینے والوں کے نام نہ چھپے ہوں:- 'دو پور' چمڑہ رنگنے کے کارخانے کا مزدور، ۵ فرانک۔ میلوڈی، کیبل، ایک فرانک ......، مدیر مہتمم کا نام سٹیفانی اور ابتدائی پتہ ۱۶- رو ژاک- کالو دیا گیا تھا۔ لیکن 'لوپاریا' وہاں سے منتقل ہو گیا اور اس کی سب سے بڑی پناہ گاہ ۳- رو دو مار شے- دے- پاترپارک بنی- پہلے پہل اس کی سرخی کے الفاظ تھے:- 'نوآبادیاتی اقوام کا ترجمان'۔ جنوری ۱۹۲۴ء سے یہ، زیادہ معنی خیز، الفاظ استعمال ہونے لگے:- 'نوآبادیاتی مزدوروں کا ترجمان'۔

یہ صرف ایک ورق پر مشتمل تھا، جس کی طباعت صحیح اور ترتیب اچھی ہوتی۔ وضاحت کے لئے ایک یا دو تصویریں ہوتیں یا پھر چند خاکے۔ اکثر خاکے، خاص طور پر ہو کے اپنے بنائے ہوئے، بہت ناقص ہوتے ------ بیضوی پہیوں والی عجیب و غریب گاڑیوں کو کھینچتے ہوئے دھاگے کی مانند دبلے قلیوں اور پاؤں پسار کر لیٹے ہوئے موٹے تازے یورپی مسافروں کے خاکے۔ کچھ اشاعتوں میں بڑی سرخی کے عربی اور چینی ترجمے بھی ہوتے۔ یہ ہو کی اس خواہش کی ایک اور مثال تھی کہ نوآبادیاتی بغاوت کو تمام دنیا کی سطح پر پیش کرے۔ لیکن یہ بات نمایاں ہے کہ اس اشاعت کے حملوں کا نشانہ خاص طور پر فرانسیسی نوآبادیاتی نظام ہی تھا جبکہ دوسرے ممالک میں مظالم کی مثالوں کو نظر انداز کیا جاتا تھا۔

'لوپاریا' میں ہو کے علاوہ چند ہی مشہور لکھنے والوں کے مضامین چھپے ---- اس کے مضامین پر بھی انگوین اے کوک کی بجائے انگوین اے کواک کا نام ہوتا۔ لیکن کبھی کبھی شامی لیڈر رشید رضا اور مارسل کاشیں (ریف جنگ کے متعلق) کے مضامین بھی چھپتے۔ الجزائر

پر مضمون بھی چھپتے، جن پہ 'حاجی بخت'، 'علی بابا' اور 'الجزائری' نام ہوتے۔ ہو سکتا ہے یہ حاجی علی عبدالقادر کے لکھے ہوئے ہوں، جو الجزائری کمیونسٹ پارٹی کا بانی تھا۔ تاہم یہ مضامین میسالی حاجی کے نہیں تھے جیسا کہ بعض اوقات خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ الجزائر کے مضمون نگار کا انداز تحکمانہ، بلکہ تشدد آمیز ہوتا تھا، لیکن وہ آزادی کا مطالبہ نہیں کرتا تھا وہ محض ایک واحد انتخابی فہرست کا خواہاں تھا...... وہ اُن دنوں ملک میں یک جہتی کا زبردست حامی تھا۔ اس نے لکھا:۔ 'کریمیا کے فرمان کا اطلاق ملک کی تمام آبادی پر ہونا چاہیئے'۔

ہو نے 'لوپاریا' پہ بہت محنت کی اور آج اس کے مضامین بہت دل چسپ نظر آتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے 'فرانسیسی نوآبادکاری کا عمل' میں چند وہ مضامین بھی شامل ہیں، جو پہلے 'لوپاریا' میں چھپے ــــ جو بہت زیادہ پُر جوش تھے لیکن زیادہ اچھے نہیں۔ مثال کے طور پہ شمارہ نمبر۲ میں 'حیوانیات' کے تحت ایک عجیب طنزیہ مضمون ہے، جو 'بوفوں' کے انداز میں لکھا ہوا ہے۔ اس میں ڈارون کی تصنیفات میں سے اقتباسات دیئے ہوئے ہیں اور ایک ایسے عجیب جانور کا بیان شامل ہے، جو کسی حد تک 'تقلیدی ذہانت' کا حامل ہے۔ تاہم اس جانور کی نمایاں خصوصیت 'مسحور ہونے کی صلاحیت' ہے، جس کی ہو یوں تعریف کرتا ہے:۔

"اگر آپ گلّے کا سب سے بڑا اور سب سے مضبوط جانور لیں اور اس کے گلے میں کوئی چمک دار چیز باندھ دیں، یعنی سونے کا سکّہ یا کراس، تو یہ بالکل اطاعت شعار ہو جاتا ہے..... اس عجیب اور فوق الفطرت جانور کو 'نوآبادی کا باشندہ' کہتے ہیں، لیکن وہ خطے کے لحاظ سے انامی، مڈغاسکری، الجزائری، ہندوستانی..... کے نام سے پکارا جاتا ہے"۔

بعد میں مصنّف کہتا ہے:۔ 'مستقبل قریب میں ہم آپ کا ایک ایسی صنف سے تعارف کرائیں گے، جن کا ان سے بہت نزدیکی رشتہ ہے، یعنی پرولتاریوں سے'۔ یہ تمام باتیں کسی مناظرہ کے ماہر کے اسلوب اور جوش کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

'نوآبادیاتی معاملات کے وزیر آ ںبرو سارو کی خدمت میں کھلے خط' کی تحریر کا بھی یہی انداز ہے، جس نے حال ہی میں انامی تارکانِ وطن کی نگرانی کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا۔ (جس کے ارکان میں سے ایک موسیو آرنو تھا، جس کا ذکر اس سے پہلے باب میں ہو چکا ہے) 'لو پاریا' کے اگست ۱۹۲۲ء کے شمارے میں ہو نے وزیرِ موصوف کی تشویش کا شکریہ ادا کیا تھا، لیکن ساتھ ہی یہ لکھا:-

"عین اسی لمحے جب کہ پارلیمنٹ اخراجات کو کم کرنے کے ذرائع تلاش کر رہی ہے، جب کہ زراعت اور صنعت میں کام کرنے والوں کی کمی ہے، جبکہ آبادی کی از سرِ نو تعمیر کے کام میں تمام ممکن الحصول بار آور قوتوں کی مانگ ہے، تو ہمارے لئے یہ حُب الوطنی کے جذبات کے منافی ہو گا کہ اس قسم کی عنایات کو قبول کریں ..... جن سے قوم کو اتنے اخراجات کا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے ..... اگر فضیلت مآب یہ جاننے پر تلے ہوئے ہیں کہ ہم روزانہ کیا کرتے ہیں تو اس کا بہت آسانی سے انتظام کیا جا سکتا ہے :- ہر صبح ہم اپنی نقل و حرکت کا خلاصہ چھاپ دیا کریں گے اور فضیلت مآب کو صرف اسے پڑھنا ہو گا۔"

"اُس کے علاوہ، ہمارا روزانہ کا دستور العمل بالکل سادہ ہے اور شاید ہی اس میں کبھی تبدیلی واقع ہوتی ہو۔ صبح کو آٹھ سے بارہ بجے تک :- ورکشاپ۔ بعد از دوپہر:- اخبار کا دفتر (بے شک بائیں بازو کا) یا لائبریری۔ شام: مکان پر یا معلوماتی تقاریر پر۔ اور یہی ہمارا معمول ہے۔"

"ہم امید کرتے ہیں کہ اس سہولت اور عقل پر مبنی نظام سے فضیلت مآب کی تسلّی ہو جائے گی ....."

ہو کے بہت کم مقالے ایسے ہوتے، جن کے لہجے میں اس قسم کی زندہ دلی اور لاابالی پن کا اظہار پایا جاتا۔ فرانس کے نوآبادیاتی نظام کے خلاف ہو کے الزامات میں استعاروں کی جگہ اعداد و شمار اور انتقامی ہنسی کی جگہ پریشان کن رپورٹوں سے مدد لی جاتی۔ اپنے الفاظ اور اسلوب کے انتخاب میں وہ زیادہ پُر مذاق نہیں تھا اور معنی کی باریکیوں میں نہیں جاتا تھا۔ اس کے نزدیک کوئی نوآبادیاتی افسر مردم آزاری میں خوشی محسوس کرنے والے

بدمعاش کے علاوہ اور فرانس کا کوئی پیشہ ور سپاہی قابل نفرت جلاد کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم اس خیال کو ترجیح دی جا سکتی ہے کہ رباط سے مارشل لیوتی کے روانہ ہونے کے متعلق جو مختصر خبر چھپی تھی اس کے الفاظ ہونے نہیں لکھے ہوں گے :۔ "یہ ابتری پھیلانے والا بدنام شخص مراقش سے جا رہا ہے کہ وہ خاص فرانس میں اپنے خاص مرض کی پرورش کر سکے۔"

شمارہ نمبر ۹ — مورخہ دسمبر ۱۹۲۲ء — میں ایک مقالہ چھپا، جس کی امید نہیں کی جا سکتی تھی اور جو اس سے پیشتر "نوآبادیاتی مراسلہ" میں چھپ چکا تھا۔ اس کا عنوان "پیلا بالشویک" تھا اور اس میں ہو کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ "معاش کا متلاشی شخص ہے جس کی کوئی شخصیت نہیں اور جو کسی چیز یا شخص کی نمائندگی نہیں کرتا"۔ اس کے فوراً ہی بعد ہو کی حمایت میں ایک پرجوش مقالہ چھپا، جس پر انگوین تھ تردیاں کا نام تھا :۔ "...وہ اپنے ملک کے لوگوں کے درمیان بہت خوشی سے زندگی گذار رہا تھا۔ کم سنی میں اس نے ایک فرانسیسی کو اپنے ایک ہموطن کا سر کاٹتے ہوئے دیکھا۔ برہم ہو کر وہ وہاں سے چل دیا۔۔۔۔ ایک طویل عرصے کی جلاوطنی کے دوران ویت نام کے عوام کے دلوں میں ہو کے لئے کتنی محبت تھی اس کا اندازہ اس چیز سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب تردیاں ایک حالیہ دورے پر انام گیا تو بوڑھے اور جوان نام ویت نامیوں نے پرجوش لگاؤ کا اظہار کر کے پوچھا :۔ "کیا اس قسم کا کوئی آدمی واقعی موجود ہے؟ کیا وہ ہمارے ہی تصور کا ثمر نہیں ہے؟ کیا وہ گوشت پوست کا آدمی ہو سکتا ہے؟"

"لوپاریا" پر اپنے اصلی رنگ پر پردہ ڈالنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ اس رسالے کے کرتا دھرتا اپنے سیاسی نظریات اور اس مستقبل کا، جس کے لئے وہ جدوجہد کر رہے تھے، کھلا اعلان کرتے تھے۔ جب لینن نے وفات پائی تو رسالہ اکتوبر کے انقلاب کی تعریف و توصیف سے بھرا ہوا تھا۔ اور جب ۱۹۲۳ء میں کریسٹنٹرن (کسان انٹرنیشنل) کی کانگریس منعقد ہوئی تو اس موقع کو "لوپاریا" نے اس طرح خوش آمدید کہا جیسے کسی کمپنی کے بڑے ادارے کا سالانہ جلسہ ہو۔ کوئی شمارہ ہو گا جس میں روس کے

کسی کارِ نمایاں اور کمیونسٹوں کی کسی کامیابی کی تعریف نہ کی گئی ہو۔ اس کا تعلق چاہے کاشت کے اجتماعی نظام کی نمو سے ہو یا ماسکو میں اور نیشنل پبلیشنگ کی یونیورسٹی کے اجراء سے۔ بالآخر ۱۹۲۴ء کی انتخابی مہم کے دوران میں 'لوپاریا' نے 'اس پارٹی کی جس نے پیرس میں کالے اُمیدوار کو نامزد کیا' پوری حمایت کی۔ یہ پارٹی کمیونسٹ پارٹی تھی۔

ہو کے نام سے مقالے تیسویں شمارے تک شائع ہوتے رہے، جو دسمبر ۱۹۲۴ء میں چھپا۔ لیکن اس خیال کی حمایت میں ٹھوس دلائل موجود ہیں کہ وہ پہلے ہی ماسکو جا چکا تھا اور یہ کہ کم از کم سال کے شروع سے وہ اپنے مضامین روس کے دارالخلافے سے بھیج رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے نام سے چھپنے والے آخری مقالے کا عنوان تھا: 'خبردار جو چین کو ہاتھ لگایا'۔ چین اور برطانوی نوآبادی نظام کے متعلق ہو کا یہ پہلا مضمون تھا اور یہ کوئی حیرت کی بات بھی نہیں کہ اس با اصول انقلابی کو، ماسکو میں بیٹھ کر مشاہدہ کرنے کے باعث، یہ خاص ملک اور یہ خاص خطہ بہت اہمیت کا حامل نظر آیا۔

'لوپاریا' کے ساتھ ساتھ ہو کئی ماہ سے اس کوشش میں تھا کہ ویت نامی زبان میں 'ویت نام ہون' (ویت نام کی روح) کے نام سے ایک مجلہ شائع کرے۔ اس کوشش میں بوئی لام اس کا حامی تھا، جس کی ہو کے ساتھ پہلی ملاقات کا بیان ہم دوسرے باب میں پڑھ چکے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ منصوبہ اوائل میں ہی ختم ہو گیا۔

تو ۱۹۲۳ء کے اواخر میں ہو کا پہلا 'فرانسیسی دور' ختم ہو گیا۔ وہ دوبارہ ویتنامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت میں ۱۹۴۶ء ہی میں پیرس آیا، درمیان میں بس دو تین دفعہ بہت تھوڑی مدت کے لئے۔ تاہم بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ ماسکو کے پہلے سفر کے بعد ہو تھوڑی مدت کے لئے ۱۹۲۵ء میں واپس فرانس گیا۔ برنارڈ فال[1] کہتا ہے کہ اس عرصے میں اس نے چند مضامین کمیونسٹ اخبارات کو دیئے، جو شاید ماسکو میں

---

1 لو ویت منھ، آرمان کولیں، پیرس، صفحہ ۲۷۔

لکھے گئے اور جن پر انگوین او خاپ (جس کا مطلب ہے فرانسیسیوں کا مخالف انگوین) کا نام لکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی بنا پر ژاک دوریو نے، جو مارسل کاشیں کی پارٹی میں بدیشی معاملات کا نگران تھا، ان مضامین کو چھاپنے سے انکار کر دیا۔

بہر حال ہو نے ۱۹۱۷ء کے موسم سرما کے شروع سے ۱۹۲۳ء کے آخر تک چھ فیصلہ کن سال فرانس میں گذارے تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جنگ جیتی جا چکی تھی اور امن قریب قریب ہارا جا چکا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کیوبزم اور سوریلزم، اور سیاست میں ہو رائزن۔ بلو حیمبر کے حلقے میں ریڈیکل کوایشن کے ظہور میں آ جانے سے پیرس ایک نئی انقلابی موج کی رو میں بہہ چکا تھا۔ آخرکار ایسے نشانات نظر آنے لگے تھے کہ شاید حکمران طبقہ نوآبادیوں کا معاملہ سمجھنے کے قابل ہو گیا ہو۔ در اصل ۱۹۲۱ء میں موریس بارے، پال دو کسانیک اور ان کے کئی دائیں بازو کے ساتھیوں نے ایک عرضداشت پر دستخط کئے، جس میں کہا گیا تھا کہ تیونس میں قائم کی جانے والی حکومت کے نظام پر نظرِ ثانی کی جائے۔

لینن کے اصولوں پر تربیت اور ماسکو، کینٹن اور ہانگ کانگ میں انقلابی مشق کے کٹھن سال گذارنے سے پیشتر ہو نے زندگی اور دوستی اور سیاست میں اپنی شاگردی کا زمانہ غیور، مصیبت زدہ اور مرتعش پیرس میں گذارا تھا اور یہ شہر نئی سچائیوں اور دوبارہ زندگی شروع کرنے کے جواز کا شدت سے خواہاں تھا۔ یہ تجربہ وہ زندگی بھر نہیں بھولا۔ اس اٹل ایشیائی کمیونسٹ کی زندگی کا ایک چھپا ہوا رخ بھی ہمیشہ قائم رہا ہے، جو ان یادوں کا مرکب ہے جو اس کا رشتہ اس شخص سے جوڑتی ہیں جو کبھی فرانسیسی سوشلسٹ تھا، جسے لونگے اور وایاں کو تو ریر "کامریڈ" کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے اور جو اپنے نوجوان ہموطنوں کو رو دو مارشے۔ دے۔ پاتر یارک کے ایک چھوٹے سے کمرے میں پرودھوں اور میشلے پڑھ کر سنایا کرتا تھا.....

اس کی پیرس سے روانگی اور ماسکو میں ورود کی قطعی تاریخیں ابھی تک معمہ ہیں۔

حالانکہ دنیائے کمیونزم کی ایک ممتاز شخصیت کے سلسلے میں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے۔ اس معاملے میں بہترین رہنمائی روتھ فشر کو کرنی چاہیے، جو ان دنوں کامنٹرن میں جرمن کمیونسٹ پارٹی کے نمائندے کے فرائض انجام دے رہی تھی اور ہو کے لئے جس کے جذبات حقیقی طور پر دوستانہ تھے۔ اس چیز کا اندازہ کافی حد تک ان باتوں سے کیا جا سکتا ہے جو اس نے اپنی وفات سے چند ماہ پہلے مجھ سے کیں، اور اس کی کتاب 'دوں لینن زم ماؤ'[1] (جو ۱۹۵۶ء میں چھپی) کے اس باب سے جو اس نے ہو کے متعلق لکھا۔ اس کے تحریری بیان کے مطابق ہو ۱۹۲۲ء میں پیرس سے ماسکو کے لئے روانہ ہوا، جہاں ــــ وہ کہتی ہے ــــ اس نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کی چوتھی کانگریس میں شرکت کی اور جنوب مشرقی ایشیائی محکمہ قائم کرنے کے سلسلے میں بہت مؤثر کردار ادا کیا۔

لیکن اگر ہو ۱۹۲۲ء میں ماسکو گیا بھی تو وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہا۔ ہنوئی میں شائع شدہ ایک سرکاری پمفلٹ میں لکھا ہے کہ وہ جون ۱۹۲۳ء میں پیرس سے روانہ ہوا۔ ترونگ چنھ کی لکھی ہوئی مختصر سوانح (جس کا تفصیلی ذکر بعد میں ہو گا) وہی رائے ظاہر کرتی ہے، جو ولفریڈ برشیت کی ہے کہ ہو لینن کی وفات کے چند دن بعد ماسکو پہنچا، یعنی جنوری ۱۹۲۴ء میں۔ برشیت نے ہو کے ان رقت انگیز خطوط سے اقتباسات پیش کئے ہیں، جو اس نے 'لوپاریا' میں کام کرنے والے دوستوں ــــ الجزائری، غرب الہندی، مڈغاسکری، سینیگالی لوگوں کو تحریر کئے ہیں اور جن میں انہیں دعوت دی ہے کہ 'عوام کو تعلیم دیں تاکہ وہ آزادی کی راہ پر گامزن ہو سکیں'۔ اس بات سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ ۲۷ جنوری ۱۹۲۴ کو پراودا نے ہو کا ایک مضمون شائع کیا، جو لینن کی وفات سے متعلق تھا:۔ 'لینن مر گیا ہے۔ ہم کیا کریں گے؟ یہ ہے وہ سوال جو نوآبادیوں کے مظلوم عوام کرب کی حالت میں اپنے آپ سے پوچھتے ہیں ....'

---

[1] ڈیڈرخس ڈسلڈورف (روتھ فشر ۱۹۶۱ء میں پیرس میں انتقال کر گئیں)

کایوکو ماتسو نے نومبر ۱۹۲۳ء میں پیرس میں ہو کے ساتھ اپنی ایک ملاقات کا حال بتایا ہے۔ ویت نامی نے کہا 'میرے ساتھ ماسکو چلو۔ میں آخر کار انقلاب کی جنم بھوم کے روبرو جانے والا ہوں'۔ جاپانی نے کہا کہ وہ فن اور ادب کی خدمت کر کے زیادہ خوش ہو گا اور اس مقصد کے لئے پیرس بہتر جگہ ہے۔ ہو نے جواب دیا 'اس قسم کے سڑے ہوئے معاشرے میں کس قسم کا فن ممکن ہے؟ ہم انقلاب لائیں گے اور پھر تم ایسے معاشرے کے آزاد افراد کے لئے لکھ سکو گے، جس میں کوئی درجہ بندی نہیں ہو گی!'

بہر حال ہو اکیلا ہی سفر پر روانہ ہوا۔ اور جو کچھ بھی صحیح ہو، یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ وہ ۱۹۲۴ء کا تمام سال سوویت یونین میں رہا، جہاں اس نے مشرقی مزدوروں کی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور پراودا کے لئے کئی مضامین اور دو پمفلٹ 'چین اور چینی نوجوان' اور 'کالی نسل' لکھے۔ اس نے کامنٹرن میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ روتھ فشر نے مجھے بتایا :- 'جب وہ پہلے پہل آیا تو اس کی حیثیت بالکل معمولی معلوم ہوئی۔ اس میں نہ تو مستعدی تھی اور نہ ہی دوسرے ایشیائی انقلابی، ہندوستانی لیڈر رائے، کا انداز۔ لیکن جلد ہی ہم سب اس کی عزت اور اس سے پیار کرنے لگے'۔

'ان تجربہ کار انقلابیوں اور سخت گیر دانشوروں کے گھیرے میں اس نے نیکی اور سادگی کا دل کش نغمہ چھیڑا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مذاقِ سلیم کے تقاضوں کی تائید کرتا ہے ـــــ حالانکہ وہ اس سے زیادہ ہوشیار تھا جتنا وہ دکھائی دیتا تھا ـــــ اور اس کی نیک نامی نے' جو اس نے اچھی عادات کی وجہ سے حاصل کر لی تھی، اسے اندرونی جھگڑوں میں ملوث ہونے سے بچایا۔ اس کی افتادِ طبع کا رجحان بھی نظری مباحثوں کی نسبت کام اور خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی طرف زیادہ تھا۔ وہ تحریک کے اندر ہمیشہ عمل کا حامی رہا۔ لیکن اس کے ساتھیوں نے اس بنا پر اس کی عزت کرنی نہیں چھوڑی' ـــــ اور اس کی شہرت کافی تھی۔ معاملات میں اس نے بہت اہم کردار ادا کیا، کم از کم اس وقت کے زیادہ جانے پہچانے ایشیائی لیڈروں کی نسبت زیادہ اہم۔ ماؤ کچھ مدت بعد سامنے آیا۔

حالانکہ قسمت نے یاوری نہ کی کہ وہ لینن سے مل سکے، لیکن مرحوم لیڈر کے

ساتھیوں سے اس کا قریبی میل جول رہا۔ مثلاً رادک، زنوفیف، اور ان سے بھی زیادہ اہم، سٹالن، جس نے قومیت کے معاملات کے سابقہ پیپلز کامیسار کی حیثیت میں کئی نوآبادیاتی نظاموں کا خاص طور پہ گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ نمایاں غیر ملکی مندوبین سے بھی ملا۔ مثلاً دمتروف، جس کا شمار اس کے اتالیقوں میں ہونے لگا، کوسینن، تھالمان ..... آخر میں اس کی ملاقات ایشیا کے بڑے انقلابیوں، چین کے لی سان اور ایم۔ این۔ رائے سے ہوئی، جو واحد شخص تھا جس نے ہو، یا کم از کم اس کی ذہنی صلاحیتوں کے خلاف اظہارِ خیال کیا۔

ماسکو کی رہائش کے پہلے دور میں ہو کا بڑا کارنامہ اس کی کمیونسٹ انٹرنیشنل کی پانچویں کانگریس میں شمولیت تھی، جو ۱۷ جون اور ۸ جولائی ۱۹۲۴ء کے درمیان منعقد ہوئی۔ دو مباحثوں میں اس کی تقریریں، جو ۱۹۲۵ء میں سٹیٹ پبلشنگ ہاؤس[1]، ماسکو، نے شائع کیں، غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔ ۱۹۲۴ء کی انٹرنیشنل میں اس تنگ خیالی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا جو بعد میں سٹالن کے آخری دور کی انٹرنیشنلوں کا معمول بن گیا۔ اس کے مباحثے زندگی کا نمونہ تھے۔ ہو نے اپنے خیالات لہجے کی ایسی آزادی سے پیش کئے، جو چونکا دینے والی بھی تھی اور دل کو گرما دینے والی بھی۔ یہ سچ ہے کہ وہ لینن اور سٹالن کے نقشِ قدم پہ چل کر پارٹی پہ نکتہ چینی کر رہا تھا کہ وہ 'نوآبادیات کے میدان میں بالکل کچھ نہیں کر رہی ہے'۔ لیکن اس کے حملے غیر معمولی طور پہ جاندار تھے اور نظریات کی تہہ میں قوم پرستی کا جوش نظر آ رہا تھا۔

'ہم ایسے حقائق پیش کریں گے جو تصور میں بھی نہیں آ سکتے اور جنھیں جان کر یہ یقین کر لینے کو دل چاہتا ہے کہ ہماری پارٹی جان بوجھ کر نوآبادیوں سے متعلق ہر مسئلے کا منہ چڑا رہی ہے'۔ اور اس نے فاش غلطیوں کا لامتناہی سلسلہ گنوانا شروع کیا، جو 'تو ماننے نے کی تھیں مثلاً کسانوں کی انٹرنیشنل کے پالیسی سے متعلق فیصلوں کو مشتہر کرنے میں غفلت،

---

[1] صفحہ ۶۵۳-۶۵۷

سنیگالی باکسر سِکی[1] کے کارہائے نمایاں کی مدح سرائی لیکن ڈاکہ کے پرولتاریوں سے عدم توجہی، "پیتیئے" دوازی کی تحسین، جس نے پیرس اور سائیگان کے درمیان پرواز کے نئے وقت کا ریکارڈ قائم کیا، اور ہند چینی کے کسان سے بے تعلقی، وغیرہ، وغیرہ۔۔[2]

دوسری تقریر میں، جو حقائق اور اعداد و شمار سے اَٹی ہوئی تھی، ہونے کو چین چین سے کابلیا تک کے کسانوں کی جائداد کی منظم ضبطی کی مذمت کی اور نو آبادیاتی لوٹ مار اور کیتھولک مشنوں کے درمیان رشتۂ اتحاد کو بہت اہمیت دی۔ لیکن ہو کی آراء میں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ وہ انقلابی عنصر ہونے کی حیثیت میں دہقانوں کے مسائل پر زور دے کر بہت حد تک ماؤ کے خیالات کا پہلے سے نمونہ پیش کر رہا تھا۔

"نو آبادیوں کے کسانوں کی بغاوت سر پر منڈلا رہی ہے۔ بہت سی نو آبادیوں میں وہ پہلے ہی بغاوت کا عَلم بلند کر چکے ہیں لیکن ہر دفعہ ان کی بغاوت کو خون کے سمندر میں غرق کر دیا گیا ہے۔ اگر اب انہوں نے رضا اختیار کر لی ہے تو محض اس لئے کہ وہ منظم نہیں ہیں اور ان کے پاس لیڈر نہیں ہیں۔ یہ کمیونسٹ انٹرنیشنل کا فرض ہے کہ منظم ہونے میں ان کی مدد کرے ۔۔۔۔۔"

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ گاؤں کا باشندہ ہونے کے باوجود اس نے تقریباً بارہ سال شہری، صنعتی ماحول میں گذارے تھے جہاں پرولتاری جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ اور اس زمانے میں یہ بہت ہی انوکھی اور اہم بات تھی کہ فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کا کوئی ممبر دہقانوں اور نو آبادیوں میں مظالم کے مسائل پر گفتگو کرے۔

ایک ایسے آدمی کی حیثیت میں جس نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کی پانچویں کانگریس سے خطاب کیا ہو، ہو اپنی غیر معمولی زندگی کی تاریخ کے پہلے روسی باب کے اختتام پر ایک

---

[1] جس نے ژورژ کارپانتیے پر فتح حاصل کی۔

[2] ان آراء کی بنا پر فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی نے نو آبادیات کے سلسلے میں نئی پالیسی مرتب کی۔

مشہور اُور بارسوخ انقلابی بن گیا تھا۔ چینی باب، جو اس کے بعد شروع ہُوا، بیس سال تک چلا۔ اس کے سوانح میں، جس پہ کئی دفعہ 'الف لیلیٰ' کی کہانیوں کا دھوکا ہوتا ہے، یہ باب چند بہت حیران کُن قصّوں پہ مشتمل ہے۔ لیکن تمام دلفریب مہموں اور قسمت کی ناگہانی کایا پلٹ کے باوجود اصل موضوع ہمیشہ واضح نظر آتا ہے ——— بین الاقوامی انقلاب کے ذریعے قومی آزادی۔ اس لئے کومنتانگ' جنوب کے 'جنگجو سرداروں' اور جلاوطن ویتنامی قوم پرستوں کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کے ساتھ اس کی معمولی جھڑپوں کو بھی اسی روشنی میں دیکھنا چاہیے کہ وہ ہندچینی میں نوآبادیاتی نظام کو تباہ کرنے کی فکر میں تھا۔

دسمبر ۱۹۲۴ء یا جنوری ۱۹۲۵ء میں ہو نے ماسکو سے کینٹن کا سفر اختیار کیا۔ کامنٹرن کے رہنماؤں نے اسے ایک مشن پہ بورودِن کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا، جو انقلابی حکومت میں ان کا سفیر تھا۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے فرائض کی قطعی نوعیت کیا تھی۔ ممکن ہے کہ اسے بورودِن کا سیکرٹری یا مترجم مقرر کیا گیا ہو۔ لیکن ماسکو میں اس کے رتبے کا اندازہ کر کے یہ خیال ہوتا ہے کہ اسے بورودِن کے ساتھ دراصل ایشیائی سیاست کے 'ماہر' کی حیثیت میں بھیجا گیا تھا۔ بہرحال وہ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھا۔ مالرو زیرک ناول نگار اور نکتہ رس اہلِ نظر ہے لیکن اس نے اپنی کتاب 'فاتح' میں ہو کو قابلِ ذکر تصوّر نہیں کیا ——— حالانکہ بورودِن ان کے مرکزی کرداروں میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ مالرو کے دماغ میں اس ویت نامی انقلابی کی یاد بہت مدھم تھی[1]۔

دراصل ہو کینٹن میں قیام کے دَوران چینی انقلاب کی نسبت ہندچینی کی سیاست پر زیادہ توجہ دیتا ہو گا، جہاں حال ہی میں ویت نامیوں کے قومی جذبات ڈرامائی انداز میں ظاہر ہوئے تھے۔ چھ ماہ پہلے ایک ویت نامی فام ہونگ تھے نے، جو ایک انقلابی گروہ تام تام اکسا (دلوں کا اتحاد) کا ایک رُکن تھا، ہندچینی کے گورنر جنرل موسیو مرلین کی کار پر

---

[1] مارچ ۱۹۴۷ء میں میرے ساتھ ایک گفتگو میں موسیو مالرو نے تسلیم کیا کہ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ہو سے ان کی ملاقات ہوئی تھی یا نہیں۔

جب وہ کینٹن کے دورے پر آیا ہوا تھا، بم پھینکا تھا۔ یہ کوشش ناکام ثابت ہوئی، حالانکہ اس نے ویت نامی عوام کے دلوں میں گہرے جذبات کو بیدار کیا۔ ترونگ چھنہ کہتا ہے کہ ہو اس نتیجے پر پہنچا کہ 'گورنر جنرلوں کے قتل سے نوآبادیاتی راج کا تختہ نہیں اُلٹا جا سکتا۔ انقلاب کی فتح کے لئے ضروری ہے کہ ایک مضبوط سیاسی جماعت منظم کی جائے[1]۔'

ہندچینی میں فرانسیسی حکمرانوں کی آمد سے ہی، کینٹن — یُنان صوبہ کی طرح — ویت نامیوں کے لئے انقلاب کا مرکز رہا تھا۔ شہر میں جلاوطن انقلابی فان بوا چو کی موجودگی کی وجہ سے نوجوان باغیوں کا ایک اچھا خاصا گروہ جمع ہو گیا تھا۔ لیکن بوڑھے قوم پرست میں کسی مربوط نظریہ کے فقدان کی وجہ سے وہ جلد ہی مایوس ہو گئے تھے۔ ہو نے انہی باغیوں میں سے ویت نامی انقلابی تحریک (یا اناما ئٹ تحریک، جیسا کہ اس زمانے میں اس کا نام تھا) کا پہلا فریق بھرتی کیا۔ صریحاً اس تحریک کا قیام ہی اس کا اصل مقصد تھا، اس کا لازمی 'مشن' حالانکہ یہ بات اس نے کبھی فراموش نہیں کی کہ اس کا عمل ایک بین الاقوامی نظام کے دائرۂ کار میں ہونا ہے.....

'انقلاب کا معلّم' ہونے کی حیثیت میں ہو کی سرگرمیوں نے کئی شکلیں اختیار کیں۔ اس کا پہلا کام یہ تھا کہ ویت نامی جلاوطنوں کو قوم پرست تام تام اکسا سے علیحدہ کر کے اپنے حلقہ اثر میں لے آئے اور انھیں ایک زیادہ واضح ترقی پسند تنظیم میں شامل کرے۔

اس طرح جون ۱۹۲۵ء میں ہو اور دو ویت نامی انقلابیوں — ہونگ مو اور لو ہونگ فونگ — نے، جنھوں نے کینٹن میں پناہ لی تھی، ویت نام تھانھ نیاں کاش مانگ دونگ چی ہوئی (ویت نامی انقلابی نوجوانوں کی انجمن) قائم کی، جس نے بالآخر تھانھ نیاں کے مختصر نام کے تحت شہرت پائی۔ یہی نام ان کے خبرنامے کا تھا، جسے ہو دو سال تک سٹینسل کر کے شائع کرتا رہا۔

جلاوطنوں کے اس گروہ اور ان کی ننھی اشاعت نے ہندچینی کمیونسٹ پارٹی، عوامی فوج

---

[1] صدر ہوچی منھ: ویت نامی عوام کا محترم لیڈر، ہنوئی، ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۵۔

اور ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویت نام کا بیج بویا۔ 'تھانھ نیاں'، ظاہری شکل میں مارکسی مجلہ نہیں تھا اور اس میں جن مضامین پر بحث کی جاتی ان کا تعلق بنیادی طور پر قومی نظریات سے ہوتا، لیکن مصنفوں نے بہت دقیق طریقے سے لینن کی منطقی بحث کے بنیادی الفاظ اور فقرے اس میں شامل کئے اور اس طرح لوگوں کے ذہنوں میں خیالات کا بیج بویا اور انقلاب کے 'دوسرے مرحلہ' کے لئے راستہ ہموار کیا۔

ہو اچھی طرح جانتا تھا کہ جن سامعین تک وہ اپنی آواز پہنچانا چاہتا ہے وہ اکثر و بیشتر روایت میں گھرے ہوئے دہقان ہیں اس لئے اس نے جان بوجھ کر اپنی جدوجہد کو دو مرحلوں میں بانٹ دیا —— پہلا مرحلہ بنیادی طور پر قومی تھا، جس میں 'ہر طبقے کے سب سے زیادہ با اصول لوگوں' پر اثر ڈالا گیا کہ وہ شہری متوسط طبقے کی جمہوری، حکومت قائم کی جا سکے۔ دوسرا مرحلہ سوشلزم حاصل کرنے کا تھا، جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ معاشی اور معاشرتی نظام کو یکسر بدل دیا جائے۔ جس کے لئے شاید بیسیوں برس درکار تھے۔ 'پہلے مرحلہ' کے لئے 'تھانھ نیاں' بہترین ترجمان تھا اور ہو بہترین شخص، جو اس مرحلے کی اور آنے والے عہد تغیر کی نگرانی کرے۔

لیکن ایسے آدمی کے لئے، جو انٹرنیشنل کی پانچویں کانگریس میں اتنی فصیح تقریریں کر چکا تھا، اپنے آپ کو، عمل اور خیال میں، ایک ایسی رفاقت میں محدود کر لینا ناممکن ہوتا، جو محتاط انداز میں 'وطن دوستی' کی حامی تھی۔ ۱۹۲۶ء میں اس نے 'انقلاب کا راستہ' لکھا، جس نے ویت نام کی آزادی کی جدوجہد کو زیادہ واضح طور پر مارکس اور لینن کے بتائے ہوئے معنی پہنائے۔

اس نے تین بنیادی خیالات پر زور دیا:

۱۔ انقلاب چند آدمیوں کا نہیں بلکہ وسیع پیمانے پر مزدور طبقے اور کسانوں کا کام ہے۔ چنانچہ عوام کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ انقلاب کی رہنمائی مارکسسٹ۔ لیننسٹ پارٹی کو کرنی چاہیئے۔

۳۔ ہر ملک کی انقلابی تحریک کو بین الاقوامی پرولتاریوں سے قریبی رشتہ قائم کرنا

چاہیئے ۔ مزدور طبقے اور محنت کرنے والے عوام کو بتانے کے لئے کہ تیسری اور دوسری انٹرنیشنل میں کیا فرق ہے ٹھوس اقدام کرنے چاہئیں ۔

"[اس نے لکھا کہ] ایک آدمی پر جب بہت ظلم ہوتا ہے تو وہ انقلابی بن جاتا ہے۔ کسی شخص پر جتنا زیادہ ظلم ہوگا اسی قدر اس کا انقلاب لانے کا عزم زیادہ مستحکم ہوگا۔ متوسط طبقے نے جاگیرداری نظام کے خلاف ، جو اس پر ظلم ڈھا رہا تھا ، بغاوت کی ۔ آج ہی متوسط طبقہ مزدور طبقے اور کسانوں پر ظلم و تشدد روا رکھتا ہے ۔ نتیجے میں یہی عوام انقلاب کی روحِ رواں بن جاتے ہیں ۔ معاشرے میں سب سے بڑی انقلابی قوت مزدوروں اور کسانوں پر مشتمل ہوتی ہے کیونکہ وہی سب سے زیادہ مظلوم اور تعداد میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں ۔ چونکہ ان کے پاس کوئی جائداد نہیں ہوتی اس لئے انھیں غلامی کی زنجیروں کے علاوہ کسی چیز کے کھو جانے کا خطرہ نہیں ہوتا ـــــ بلکہ ایک دنیا پا لینے کا امکان ہوتا ہے۔ وہی سب سے زیادہ ثابت قدم قوت ہوتے ہیں اور وہی انقلاب کے بنیادی عناصر۔ جہاں تک طلباء ، تاجر اور چھوٹے آجر کا تعلق ہے وہ بھی سرمایہ داری نظام کے مظالم کا نشانہ بنتے ہیں ، لیکن مزدوروں اور کسانوں کی نسبت بہت کم ۔ وہ انقلاب برپا کرنے میں محض ان کے اتحادی ہوتے ہیں۔[1]"

اس کے ساتھ ہی ہو نے اس چھوٹے سے گروہ کو ، جو اس کے گرد جمع ہو گیا تھا ، مستعد قسم کے سخت کوشوں میں بدل دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا ۔ اس نے انھیں مارکسیت پر لیکچر دیئے اور اپنے ساتھیوں ہوتنگ مو اور لوہونگ سوں پر زور دیا کہ چینی کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو جائیں تاکہ اس کے ساتھ آئندہ تعلقات کی ضمانت مل جائے ۔ اس نے اپنے ایک تیسرے ساتھی لوہونگ فونگ کو ماسکو ملٹری اکادیمی میں تربیت حاصل کرنے کے لئے بھیجا تاکہ وہ بعد میں ویت نامی انقلاب کے منتخب دستوں کو منظم کر سکے ۔ دوسرے نوجوان مستعد کارکنوں کو وہامپوا ملٹری اکادیمی میں بھیجا گیا ، جہاں بورودِن کے زیرِ ہدایت

---

[1] 'انقلاب کا راستہ' ، صفحہ ۶ (' ہوچی منہ ' ، ہنوئی ، ۱۹۶۱ء ، میں دوبارہ چھپا ۔ صفحہ ۵۳)

(جن کے دو مددگار تھے :۔ ایک سیاست دان جس کا نام چو این لائی تھا اور ایک سپاہی جس کا نام چیانگ کائی شیک تھا) روسی ماہرین چینی فوج کو تربیت دے رہے تھے۔ اور وہ پہلے ہی اپنے کئی ایجنٹوں کو یہ احکام دے کر ہند چینی بھیج رہا تھا کہ وہ ملک میں مستعد کارکنوں کے سِل قائم کریں۔ خود کشی کے مشن پہ مامور ہونے والوں میں سے ایک آدمی کو اس تحریک میں بڑا نام پیدا کرنا تھا۔ وہ ہیوئے کے دربار کی افسر شاہی کے ایک رکن کا بیٹا تھا اور اس کا نام فام وان ڈونگ تھا۔

آخر میں اس نے اپنی کاروائیوں کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے ہندوستانی لیڈر ایم۔ این رائے اور چند ایک کورین قوم پرستوں کے ساتھ مل کر مظلوم اقوام کی لیگ قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ کوشش ناکام رہی۔ تاہم اس نے پین پیسیفک ورکرز یونین کے ساتھ رشتہ قائم کیا اور ۱۹۲۷ء میں اس کی پہلی کانگریس میں شرکت کی۔

کینٹن میں رہائش کے دوران ہو یا انگوین اسے کوک کس قسم کا آدمی تھا؟ ایک حالیہ[1] بیان میں انگوین لونگ بانگ، جو رفتہ رفتہ ویت نامی انقلاب کے لیڈروں میں شامل ہو گیا، ایک شخص وونگ کے متعلق بتاتا ہے ــ "پتلا دبلا لیکن صحت مند، انتہائی چمک دار آنکھیں، سن یاٹ سین کی طرح کا لباس، بولنے کا دلربائی کی حد تک شریفانہ انداز ....." وونگ" جو ایک قسم کا باغیوں کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا، رضاکار بھرتی کر رہا تھا۔ بانگ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ وونگ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے اس بات پہ اچھی طرح غور کر لیا ہے اور تب یہ بتایا کہ اسے کس حد تک محتاط رہنا ہے۔ "نو آبادیاتی افسران تمہارا پیچھا کریں گے ۔ اپنے دوستوں کے گھروں سے دور رہنا۔ اگر اس طریقے سے پولیس سے نجات ممکن ہو تو اپنے آپ کو بگڑا ہوا انسان ظاہر کرنے سے گریز نہ کرنا ....."

پانچ سال بعد انگوین لونگ بانگ کو شنگھائی میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ حسب معمول سلوک کرنے کے بعد پولیس نے اسے ایک تصویر دکھائی ـــ وونگ کی ۔ "تمہارا لیڈر انگوین

1۔ "ہو چی منہ کی داستان" ہنوئی، ۱۹۶۲ء

اسے کوک ہانگ کانگ میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اس لئے سب باتیں سچ سچ بتا دو۔ اس طریقے سے ہانگ کو پتہ چلا کہ اس کا محترم قومی لیڈر یہی وونگ تھا، جس نے اسے انقلابی بنایا تھا۔

لیکن اس دوران میں 'وونگ' ایک ایسی زندگی گذار رہا تھا، جس میں واقعات کی بھرمار تھی۔ ۱۹۲۷ء کے موسم بہار میں بورودِن کا شاگرد، چو این لائی کا ساتھی، سن یاٹ سین کا جانشین —— وہی چیانگ کائی ثیک جس نے وہامپوا میں ستیرے ویتنامی انقلابیوں کو تربیت دینے میں مدد دی تھی —— اپنے اصلی رنگ میں نمودار ہؤا اور اس نے چند ہی مہینوں میں کینٹن کمیون کو تباہ کر دیا۔ اس کی وجہ سے سوویت یونین کے ساتھ تعلق منقطع ہو گیا۔ یونینیں توڑ دی گئیں اور کمیونسٹ جنگجوؤں کا قتلِ عام کیا گیا۔ یہ عام ہل چل تھانہ نیاں اور ہو کے انقلابی مکتب کو خس و خاشاک کی طرح بہا کرلے گئی۔ ہو اور اس کے نائبین کو خطرے کا علم ہو گیا تھا اور وہ بھاگ گئے تھے —— کچھ ماسکو چلے گئے، باقی شنگھائی اور وہاں سے ہانگ کانگ، جہاں مئی ۱۹۲۹ء میں تھانہ نیاں کی کانگریس منعقد ہوئی۔ ہو نے اس میں شرکت نہیں کی۔ وہ کچھ عرصہ پہلے، ۱۹۲۷ء کے اواخر میں، چین سے جا چکا تھا۔

۱۹۲۸ء کے موسم بہار تک وہ واپس ماسکو آ گیا تھا۔ کامنٹرن کے سربراہوں سے چند ملاقاتوں کے بعد وہ برسلز گیا، جہاں مادام سن یاٹ سین، نہرو اور حطا کے ساتھ اس نے "کانگریس اگینسٹ امپیریلسٹ وار" میں شرکت کی۔ ایک مختصر مدت کے لئے فرانس (۱۹۲۸ء) میں رہنے کے بعد اس نے کچھ عرصہ برلن، سوئٹزرلینڈ اور اٹلی میں قیام کیا۔

آئندہ موسمِ خزاں میں وہ سیام کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس کے پیشِ نظر تین مقاصد تھے: اس جگہ کی اچھی خاصی ویت نامی آبادی میں سل قائم کرنا، نزدیک ہی ہند چینی میں حکومت کے خلاف بدامنی پھیلانا، جنوب مشرقی ایشیا میں کامنٹرن کے سلسلے کو مستحکم کرنا۔

نومبر ۱۹۲۸ء میں سیام کے شمال مشرقی صوبوں میں ایک شخص "اولڈ چن" کے متعلق باتیں ہونے لگیں۔ افواہ تھی کہ وہ چین سے آیا ہے۔ لیکن سیام میں رہائش پذیر ویت نامیوں کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ انہی میں سے ہے۔ اودونگ اور اس کے بعد ساکوں ناکھوں میں اس نے ایک اخبار "تھانھ اے" (دوستی) کی بنیاد ڈالی، ایک سکول کھولا، جہاں تھائی اور ویت نامی

بچوں کو ساتھ ساتھ تعلیم دی جاتی تھی اور جنگلات کے سلسلے میں انجمن امدادِ باہمی قائم کی۔ دیہاتی عوام 'عظیم ہائی ٹرِبی تران' یعنی افسانوی بادشاہ تران ہنگ داؤ کی روح کی، جس نے منگولوں کو شکست دی تھی، پوجا کرتے تھے۔ اس لئے 'اولڈ چو' نے 'ویت نام کے پہاڑوں اور دریاؤں کی محافظ رُوح' کی مدح میں ایک گیت لکھا۔ وطن دوستی کے مرحلے' کی ضروریات اسے عجیب و غریب بستیوں میں لے جا رہی تھیں۔ لیکن انگوین اسے کوک یا وونگ یا چن کے نزدیک ہر وہ چیز جو ملک کی خوبیوں کو اجاگر کر رہی تھی انقلاب کے راستے سے مشکلات دور کر رہی تھی۔

بعد میں کچھ عرصہ وہ بدھ پادری کی قبا میں ملبوس بنکاک میں رہا، جہاں وہ تعلیم حاصل کرتا رہا، تقریریں کرتا رہا اور اس کے ساتھ ساتھ مندروں کے اندر پارٹی سل قائم کرتا رہا۔ بدھ مت کے نوجوان مذہبی پیشواؤں کو ایک جامع معاشرتی فلسفے کی، جس میں غیر ملکی حملہ آوروں اور بھاڑے کے ٹٹوؤں کے علاوہ ہر چیز شامل ہوتی، تربیت دیتا رہا۔ اسکی قائم کی ہوئی شاخوں اور اس کے دیئے ہوئے اصولی اقوال کی علامتیں جنوب اور جنوب مشرقی کوچن چین میں کئی سال بعد (۱۹۴۵ء) رونما ہوئیں اور شاید ۶-۱۹۶۳ء میں بھی، جب بدھوں نے سائیگان حکومت کے خلاف بغاوت کی۔ آخر اپنے آباؤ اجداد کے وطن کے ساتھ محبت بدھ مت کی بنیاد ہے۔ وہ اصل 'بدیہی'، ظاہر اور تجربہ شدہ شے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ مذہب ہُو کی طرح کے ماہر مارکسی کے لئے بہت خوش کن جولان گاہ ثابت ہُوا۔

۴۔ متحد کنندہ

لیکن جوڑ توڑ کا زمانہ تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ ویت نام کے اندر اُس ہلچل کی صدائے بازگشت، جس کی بیرونِ ملک سے پرورش ہو رہی تھی، عام بے اطمینانی کے عالم میں سنائی دے رہی تھی۔ مزدور طبقہ، جو حالانکہ تعداد میں ابھی بہت کم تھا، ایک سیاسی قوت کی حیثیت میں ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ صنعتی علاقوں میں کافی گنجان آبادیوں کے مراکز پہلے ہی موجود تھے۔ ۱۹۲۹ء میں کان کنی کی صنعت میں تیس ہزار مزدور کام کر رہے تھے، جن میں ٹانکن کی کوئلے کی کانوں کے پچیس ہزار بھی شامل ہیں، نام دنہ کی کاٹن مل میں ساڑھے تین ہزار اور فرانکو انامیز ویونگ کمپنی میں دو ہزار۔ ان کے علاوہ تین ہزار یا اس سے کچھ زیادہ گھروں میں کام کرتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں ہنوئی میں چھپنے والے ایک پمفلٹ کے الفاظ یہ ہیں: "اعداد و شمار کے لحاظ سے اس ارتکاز نے پرولتاریوں کے انقلاب کے لئے ضروری طاقت اور حالات مہیا کر دیئے۔ اور دراصل فرانسیسی اجارہ کے خلاف تلخ جدوجہد کرنے کے بعد، جس کی تلخی بڑھتی ہی گئی پرولتاریوں کو کمیونسٹ پارٹی کی ضرورت محسوس ہوئی، جو ان کے کام کی جہت مقرر کر سکے"
۱۹۲۸ء کی ہڑتالوں سے ظاہر ہوا کہ یہ صنعتی مزدور کس قدر منظم اور کس قدر بے اطمینانی

کاشکار ہیں - فروری میں سائیگان کی ہند چینی بریوری اینڈ آئس ورکس فیکٹری میں ہڑتال ہوئی، مارچ میں ہائی فانگ کی پیٹرولیم فیکٹری میں، اپریل میں تائے ننھ (کوچن چین) کی ربڑ کی بستیوں میں، مئی میں ہائی فانگ کی سیمنٹ فیکٹری میں، اکتوبر میں ہنوئی میں رکشا چلانے والوں نے ہڑتال کی، نومبر میں نام دنھ کی کاتنے کی فیکٹری میں اور ۱۹۲۹ء میں ونھ کے ریلوے کے مزدوروں نے اور ہنوئی میں ہوا بازی کے محکمے کے مزدوروں نے ہڑتال کی۔

ویت نامی انقلاب مارکسسٹ - لیننسٹ رنگ اختیار کرنے والا تھا اور کمیونسٹ پارٹی کے اعلامیہ معرضِ وجود میں آنے کا امکان تھا۔ چین میں تھانھ نیاں، سیام اور سب سے بڑھ کر ___ خود ویت نام میں مختلف سلوں میں پہلے ہی اس صورتِ حال پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی - آج اس بات کا فیصلہ کرنا تقریباً ناممکن ہے کہ ہو تحریک کو باضابطہ طور پر لیننسٹ مرحلے میں لے جانے کے حق میں تھا یا نہیں ___ ویت نامی انقلابی تحریک کو رہنمائی اب بھی تھانھ نیاں سے ملتی تھی، اور یہ بات خود ہو کی مرضی کے مطابق تھی اور جسے مارکسی تاریخ دان[1] 'ابتدائی کمیونسٹ' کے نام سے یاد کرتے ہیں - تو کیا اس فارمولے کی خود عائد کردہ حدود سے تجاوز کرنے اور ان لوگوں کو برگشتہ کرنے کا خطرہ مول لینے کو، جو خالص وطن دوستی کے جذبات کی بنا پر اس کی حمایت کر رہے تھے، دانشمندی قرار دیا جا سکتا تھا؟

دراصل تھانھ نیاں (جس کے لئے اس تنظیم کو مرکز بننا تھا) کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ہو نے ایک کمیونسٹ تنظیم قائم کی تھی جس کا نام کمیونسٹ نوجوانوں کی بریگیڈ تھا (تھانھ نان کونگ سان دوان) - یہ 'آئرن گارڈ' نو ارکان پر مشتمل تھی، جن میں ہو تنگ مو، لو ہونگ سون اور لو ہونگ فونگ بھی شامل تھے - جہاں تک خبر نامے 'تھانھ نیاں' کا تعلق ہے، جس کے جون ۱۹۲۵ء سے اپریل ۱۹۲۷ء تک اٹھاسی شمارے شائع ہوتے، اس کا شمارہ نمبر ۶۰ سے مؤقف یہ تھا کہ مارکسسٹ - لیننسٹ پارٹی تشکیل کرنا انتہائی ضروری ہے۔

ہند چینی کمیونسٹ پارٹی کا قیام یا تو اس لئے عمل میں آیا ہو گا کہ اس لیڈر کو عمداً نظر انداز

---

[1] مثال کے طور پر ژاں شینو -

کردیا گیا تھا یا کم از کم اس لئے کہ اس لیڈر کی غیر موجودگی میں تھانھ نیاں کے اندر مختلف گروہوں اور تان ویت کی طرح کے دوسرے 'ابتدائی کمیونسٹ' گروہوں کے درمیان رقابت کا جذبہ ابھر آیا ہوگا۔

ہند چینی کمیونسٹ پارٹی کے وجود میں آنے کے وقت غیر معمولی طور پر پیچیدہ حالات (اور دراصل تھانھ نیاں کی مئی ۱۹۲۹ء کی کانگریس سے لے کر خالص کمیونسٹ پارٹی کے قیام تک کی تمام مدت کے حالات) کا اندازہ کرنے کے لئے تاریخ کی وہ کتاب بہترین رہنما ثابت ہو سکتی ہے جو ہنوئی یونیورسٹی نے کوچن چین کے سابق کمیونسٹ لیڈر، تران وان جیوُ سے مرتب کروا کر چھاپی ہے۔

اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ۱۹۲۹ء کے ابتدائی مہینوں میں ہو ابھی سیام ہی میں تھا۔ اس کے نزدیک ترین ماتحت، ہو تنگ مو کو کومنتانگ نے جیل میں ڈال دیا تھا۔ اس لئے لام دک تھو نے پیش قدمی کی اور یکم مئی سے ۹ مئی تک تھانھ نیاں کانگریس کا ہانگ کانگ میں اجلاس ہوا، جس میں ٹانکن کے مندوبین نے تجویز پیش کی کہ کمیونسٹ پارٹی کا قیام فوری طور پر عمل میں لایا جائے۔ بہت سے دوسرے مندوبین نے اس اقدام کو قبل از وقت خیال کیا۔ اس پر ٹانکن کے چار مندوبین میں سے تین مندوب ویت نام واپس آگئے اور کانگریس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا کہ جو چاہے کرے۔ آخر میں کانفرنس ان کی پیش قدمی سے اتنی متاثر ہوئی کہ ان کی تحریک منظور کر لی، جس میں ایک مارکسسٹ۔لیننسٹ تنظیم قائم کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔ کامنٹرن کی منظوری کے لئے انھیں ایک خط لکھا گیا۔ تھانھ نیاں کا وجود عملاً ختم ہو گیا تھا۔ ٹانکن کی جماعتِ مندوبین اگرچہ اقلیت میں تھی لیکن ان کی تجویز نے باقی مندوبین پر اتنا اثر کیا کہ انھیں ماننا ہی پڑا کہ تھانھ نیاں اب ایک مؤثر جماعت نہیں ہے۔

ہنوئی میں ٹانکن کے مندوبین نے پہلے ہی پارٹی کا پہلا سل ۵۔ بولوار دودار دو لاگرے میں، جو آج کل روہام۔ لاگ کے نام سے مشہور ہے، قائم کر لیا تھا۔ یہ سات ارکان پر مشتمل تھا۔ ۱۷ر جون ۱۹۲۹ء کو ان اوّلین رہنماؤں نے ہند چینی کمیونسٹ پارٹی (دونگ دُونگ کونگ سان دانگ) کے قیام کا اعلان کیا۔ اس کے عمل کا دائرہ ٹانکن (باک بو) اور شمالی انام

قرار پایا۔

تھانھ نیاں کے کوچن چین اور جنوبی انام کے مندوبین نے ان کی پیروی کی اور اکتوبر ۱۹۲۹ء میں کمیونسٹ پارٹی آف انام (انام کونگ سان دانگ) قائم کی۔ تھانھ نیاں کے حریفوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ وہ پیچھے رہ جائیں گے۔ تان ویت کاش مانگ دانگ (نئے ویت نام کی انقلابی پارٹی) نے فوری طور پر ایک تیسری کمیونسٹ تنظیم بنائی :- دی لیگ آف انڈو چائینز کمیونسٹس۔

ویت نامی انقلاب کی امکانی قوت میں اتنے زیادہ انتشار کی بڑی وجہ طویل عرصے کے لئے ہو کی غیر موجودگی تھی ــــ حالانکہ انگوین لونگ بانگ کے مطابق، جس کی کتاب[1] میں سے اقتباس ہم پہلے بھی پیش کر چکے ہیں، ہو ممکن ہے ۱۹۲۹ء میں چین واپس آگیا ہو۔ لیکن اگر وہ واپس آیا بھی ہو گا تو چند ہفتوں کے لئے۔ وہ موسم گرما تک واپس سیام چلا گیا تھا[2]۔

یہ محسوس کر کے کہ وہ واحد آدمی تھا جو ان عناصر کو دوبارہ متحد کر سکتا تھا، اس کے ساتھیوں نے وہاں جاکر اس سے ملاقات کی۔ مشرقِ بعید کی سیاست میں وہ پہلے ہی کلیدی حیثیت کا حامل تھا۔ اس زمانے کے فرانسیسی حلقوں کے مطابق ان دنوں اس کی مندرجہ ذیل اداروں سے خط و کتابت تھی :-

۱۔ فار ایسٹرن بیورو اِن شنگھائی، کامنٹرن کی رابطہ قائم کرنے اور نگرانی کرنے والی ایجنسی۔ جو شاید ۱۹۲۹ء میں مقامی سیاسی گروہوں کو اتحادِ عمل مہیا کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ یہ کام متعلقہ ٹریڈ یونین تنظیموں نے "پین پسفک ورکرز یونین" قائم کر کے ۱۹۲۶ء ہی میں کرنے کی کوشش کی تھی۔

۲۔ پین پسفک یونین کا سیکریٹیریٹ (۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۱ء تک اس سیکریٹیریٹ کے انتظام میں فار ایسٹرن بیورو بھی شامل تھا)۔

۳۔ انڈونیشیا، ملیشیا اور سیام کی کمیونسٹ تنظیمیں، جو 'ساوتھ سی بیورو' کا سربراہ ہونے

---

۱ 'ہو چی منھ کی داستان'، صفحہ ۶۱۔

۲ 'ہو چی منھ کی داستان'، صفحہ ۱۱۹۔

کی حیثیت ہیں، اس کے اختیار میں تھیں۔

۴۔ دی فرنچ کمیونسٹ پارٹی، بظاہر سی۔جی۔ٹی۔یو (کونفیڈریاسیوں جنیرال دو ترادائی یونیتیر) کے سیکریٹریٹ کی وساطت سے۔

۵۔ دی اینٹی امپیریلسٹ لیگ (جو ۱۹۲۵ء میں برلن میں قائم ہوئی) اور اس کا مشرقِ بعید کا محکمہ۔

جولائی ۱۹۲۹ء میں ایک شخص کا دُہوائے انگھیا نے ہو کی سیام میں موجودگی کے راز کا تھانہ نیاں میں اس کے بزرگ ساتھیوں پر انکشاف کیا۔ یہ شخص اسے وہاں اتفاق سے مل گیا تھا اور اس نے یہ انکشاف اس حقیقت کے باوجود کیا کہ ہو نے ہر ایک کو ہدایت کی تھی کہ اس خبر کو صیغۂ راز میں رکھا جائے۔ تھانہ نیاں لیڈروں نے فوراً ایک ایلچی سیام بھیجا، ہو کو اس ناگوار صورتِ حال سے آگاہ کیا اور اسے ہانگ کانگ آنے کی دعوت دی کہ معاملات ٹھیک نہج پر لائے جا سکیں۔

اس اثنا میں کامنٹرن کے سربراہ اس ابتری سے عاجز آ گئے تھے۔ انہوں نے تران فوکو، جو ایک نوجوان معلّم تھا اور ان دنوں ماسکو میں ویت نام کا اعلیٰ نمائندہ تھا اور بعد میں متحدہ پارٹی کا فرسٹ سیکرٹری نامزد ہوا، ہدایت کی کہ ہو سے ملے اور بتائے کہ تینوں گروہوں کو اکٹھا کرنا کتنا ضروری ہے۔

اس کے باوجود ہو نے اپنے ساتھیوں کو جنوری ۱۹۳۰ء تک لٹکائے رکھا۔ شاید وہ انھیں احساس دلانا چاہتا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں بے سوچے سمجھے کام کرنے کا کتنا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ہانگ کانگ پہنچتے ہی اس نے تھانہ نیاں کی دونوں کمیونسٹ تنظیموں کے دو دو مندوب ملائے، ایک نئے پروگرام کی تشکیل کی اور اختلافات کو ختم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ کن ملاقات ۳ فروری ۱۹۳۰ء کو ہانگ کانگ سٹیڈیم میں ایک فٹ بال میچ کے دوران ہوئی۔ اس نے دونوں گروہوں کو ہدایت کی کہ تان ویت سے رشتہ قائم کریں، جس سے وہ ابھی تک علیحدہ تھے۔ سب کو متحد کرنے کا کام تھوڑی ہی دیر بعد کوچن چین میں ایک مقامی لیڈر انگو جیا تو کے ہاتھوں انجام پایا۔

نئی پارٹی کمیونسٹ خطوط پر منظم کی گئی، حالانکہ شروع میں یہ عارضی ترتیب معلوم ہوتی تھی۔ تینوں گروہوں کو ایک دوسرے میں مدغم ہونے کے لئے وقت درکار تھا اور پارٹی کی مختلف آسامیوں پر کامنٹرن کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق انتخاب کے ذریعے تقرریاں کرنی پڑیں۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ سنٹرل کمیٹی کا دفتر ملک کے اندر ہی ہائی فانگ، میں ہو۔ بیرونِ ملک رہنے والے اراکین (اس قانون کا اطلاق ہو پر نہیں ہونا تھا) کو اب حق نہیں تھا کہ پارٹی میں نگرانی کا کوئی فرض انجام دیں۔ وہ ایلچی اور نمائندے کا کام کر سکتے تھے۔ اس طرح سے پارٹی مسلمہ اصولوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب ہند چینی کی زمین پر قائم کی گئی، جس کا عوام کے ساتھ براہِ راست تعلق تھا۔

۳ فروری ۱۹۳۰ء سے اسی سال کے اکتوبر تک پارٹی کا نام ویت نام کونگ سان دانگ یا ویت نامیز کمیونسٹ پارٹی تھا۔ اکتوبر میں ہونے علاقائی مندوبین کو ہانگ کانگ بلایا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا (ا) پارٹی کی تنظیم کو شکل دینے اور (ب) اس کا نام بدل کر دونگ دونگ کونگ سان دانگ یا انڈو چائنیز کمیونسٹ پارٹی —— یہ نام کامنٹرن کی روح اور اس کے قواعد کے زیادہ مطابق تھا، یہ نام وطن دوستی کے جذبے سے ملوث نہیں تھا اور زیادہ بین الاقوامی تھا —— رکھنے کے سلسلے میں پارٹی نے تسلی بخش ترقی کی ہے؟۔ اس کے بعد سنٹرل کمیٹی کا دفتر ہائی فانگ سے سائیگان بدل دیا گیا۔

۱۸ فروری ۱۹۳۰ء کو ہونے پارٹی کا منشور چھاپنے کے احکام جاری کر دیئے تھے۔ اس میں پارٹی کے مقاصد دس نقاط میں پیش کئے گئے تھے:۔

۱۔ ویت نام میں نو آبادیاتی نظام، جاگیرداری نظام اور رجعت پسند متوسط طبقے کا تختہ الٹنا۔

۲۔ ہند چینی کے لئے مکمل آزادی حاصل کرنا۔

۳۔ مزدوروں، کسانوں اور سپاہیوں پر مشتمل حکومت تشکیل کرنا۔

۴۔ بنکوں اور نو آبادیاتی اداروں کو قومی ملکیت بنانا اور پرولتاری حکومت کے اختیار میں دینا۔

۵۔ نو آبادیاتی حکمرانوں اور رجعت پسند متوسط طبقے کی ملکیت، زرعی مراعات اور جاگیروں

کی ضبطی اور ان کی مفلس کسانوں میں تقسیم۔

۶۔ دن میں آٹھ گھنٹے کام کرنے کا فیصلہ۔

۷۔ لازمی ادھار، عام ٹیکس اور (دوسرے) بے انصافی پر مبنی ٹیکسوں کی موقوفی، جو غریبوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔

۸۔ عوام کو جمہوری آزادیاں دینا۔

۹۔ ہر ایک کے لئے تعلیم مہیا کرنا۔

۱۰۔ جنسی مساوات حاصل کرنا۔

ہو کی سوانح[1] میں تروئنگ چینھ نے ان دس نقاط کے ساتھ یہ پیش نفظ لکھا ہے:
'اس وقت معاملہ متوسط طبقے کا جمہوری انقلاب لانے کا تھا، جسے زرعی انقلاب کا احاطہ کرنا تھا۔' الفاظ کے استعمال کا یہ نمونہ آنے والے حالات کی مثال پیش کرتا ہے، جسے بعد میں پورے ویت نامی انقلاب کی تعریف کا کام دینا تھا۔'

اس دَوران میں ہو اپنے ملک واپس نہ آ سکا۔ جاسوسی کا محکمہ اس کی نقل و حرکت کی پوری طرح نگرانی کر رہا تھا۔ یہ کام موسیو آرنو (وہی شخص جس نے دس سال پہلے پیرس میں اس نوجوان تارکِ وطن کی نگرانی کی تھی) کے سپرد تھا۔ وہ بتاتا ہے کہ اس نے کتنی تندہی سے تمام ایشیا میں — بنکاک سے ہانگ کانگ، ہانکو سے تاشقند اور سنگاپور تک — ہو کا پیچھا کیا: 'وہ مجھے اچھی طرح جانتا تھا اور اسے پوری طرح علم تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں اور فرائض سے سبکدوش ہونے میں آزاد ہوں، اس کے ہند چینی واپس جانے کا کوئی امکان نہیں ہے......' لیکن واقعات نے اسے غلط ثابت کر دیا۔ جاپانیوں کے موسیو آرنو کو برطرف کرنے سے تین سال پہلے ۱۹۴۱ء میں ہو نے بالائی ٹانکن میں اپنے ساتھیوں کے ایک گروہ سے رابطہ قائم کیا، جو سکاؤٹنگ کے ایک مشن پر وہاں آئے ہوئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ چین واپس آ گیا۔ ۱۹۳۰ء کے موسمِ سرما کے شروع میں انگوین

---

1. صفحہ ۹۸

ونگ بانگ[1] کو شنگھائی میں ایک خط ملا، جس پر صرف چند الفاظ لکھے ہوئے تھے: "میرے پیارے! میں تیاں تھی کے بلیرڈ روم میں تمہارا منتظر ہوں"۔ وہ فوراً اس جگہ پہنچا۔ ہو وہاں موجود تھا۔ اس وقت ہو کے خیالات فروری کے "دس نقاط" سے ہم آہنگ نہیں تھے۔ "حالات ایسے ہیں کہ ہم 'مزدوروں' کے متعلق جامع قسم کے فقرے استعمال نہیں کر سکتے۔ ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیئے کہ فرانسیسی نوآبادیاتی حکمرانوں کا خاتمہ کریں اور قوم کو آزادی دلائیں اس مقصد کے لئے ہمیں ہر فرد میں حُبّ الوطنی کا جذبہ ابھارنا ہوگا ....."

لیکن ۱۹۳۰ء میں صرف ہندچینی کمیونسٹ پارٹی کا قیام ہی عمل میں نہیں آیا۔ اسی سال ویتنام میں اس صدی کی سب سے زیادہ متشدد بغاوت ہوئی، جس کی تہہ میں وطن دوستی کے جذبات تھے اور جو ۱۹۰۸ء اور ۱۹۱۵ء کی بغاوتوں سے بھی زیادہ خون آشام تھی۔ اس سے تین سال پہلے ٹانکن کے ایک نوجوان معلم انگوین تھائی ہوک نے ایک نئی قوم پرست پارٹی تشکیل کی تھی، جس کا نام ویتنام کوک دان وانگ تھا۔ (یہ جلد ہی وی۔ این۔ کیو۔ ڈی۔ ڈی کے نام سے مشہور ہوئی) ۔ اس نے اسے کومنتانگ کے خیالات سے مزین کیا اور اس کے ارکان پر زور دیا کہ عملی احتجاج کا راستہ اختیار کریں۔

فروری ۱۹۳۰ء کے شروع میں ین بے کے دستے نے بغاوت کر دی کہ اس کی صفوں میں اس پارٹی کے ارکان شامل ہو گئے تھے۔ اس بغاوت کا مقصد عام ابتری پھیلانا تھا، لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہوائی فوج نے اس چوکی اور احاطے پر بم پھینکے اور نواحی بستیوں پر گولہ باری کی۔ بہت سے باغی لیڈروں کو گرفتار کیا گیا اور بعد میں پھانسی پر لٹکایا گیا۔ (تاہم ان میں سے چند ایک چین کے صوبہ یان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، جہاں دس سال بعد ہو کی ان سے مڈھ بھیڑ ہوئی)

ین بے کا یہ واقعہ بے محل تھا اور اسے جلدی میں ترتیب دیا گیا تھا۔ اس سے صرف یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس کی پشت پناہی کرنے والے اشخاص غیر پختہ تھے۔ لیکن عوام پہ

---

[1] ہو چی منھ کی داستان، صفحہ ۶۵۔

اس کا نمایاں اثر ہوا اور فرانس میں گہری ہمدردی کا اظہار ہوا۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اس واقعہ نے کمیونسٹ لیڈروں کو بھی انتباہ کا کام دیا، جو ہند چینی کے اندر بڑی مہموں کا آغاز کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

اپریل ۱۹۳۰ء میں نئی کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا ین بے کے باغیوں کی 'غلطیوں' کا جائزہ لینے اور نئے منصوبے بنانے کے لئے ہانگ کانگ میں جلسہ ہوا۔ ہو نے اس جلسے میں شرکت نہیں کی۔ صدارت کے فرائض تران فو نے انجام دیئے، جو کچھ ہی عرصہ پہلے ماسکو سے آیا تھا۔

۱۹۳۰ء کے موسمِ گرما میں شمالی انام میں 'انگھ تنھ سوویتیں' منصہ شہود پر آئیں۔ ہو کے بے برگ و گیاہ اور گنجان آباد صوبے کے بالکل درمیان میں، جہاں سے وہ بیس سال پہلے روانہ ہوا تھا، کسان عوام پہلی دفعہ احتجاج کی آواز بلند کر رہے تھے۔ وہ بہت منظم تھے اور افلاس کی ظالمانہ تباہ کاریوں کے خلاف، جن کے کنارے پر امسال انھیں لاکر کھڑا کر دیا گیا تھا' جنگ آزما ہونے کا مصمم عزم کئے ہوئے تھے۔ ۱۲ ستمبر کو چھ ہزار کسانوں نے جلوس کی شکل میں المناک بھوک مارچ کا مظاہرہ کیا، جو وِنھ پہنچ کر ختم ہوا۔ بڑی بڑی جاگیریں بانٹ دی گئیں اور عوام کی مجالس قائم کی گئیں۔ ان 'سوویتیں' کو 'سو-ویتیں' کا نام دیا گیا۔ اس کے لاحقہ میں وطن دوستی کی جھنکار نے اسے کافی مقبولِ عام بنا دیا۔

اس بھوک مارچ کی دو احتمالی وجوہات ہیں کتنا حصہ کسانوں کے خالص غم و غصے کا تھا اور کتنا ان ہدایات کا جو ہانگ کانگ سے نوجوان ویت نامیوں کی کمیونسٹ پارٹی نے جاری کی تھیں؟ ہو سکتا ہے کہ پارٹی کے مقامی نمائندوں کی رپورٹوں نے پارٹی کو ترغیب دلائی ہو کہ وہ اپنے کمزور اور نا آزمودہ اتحاد کو پہلی جنگ کی کسوٹی پر پرکھے۔ اس معاملے نے کسانوں کی بے ڈھنگی بغاوت کی پستیوں کا روپ کبھی نہیں دھارا۔ اور جس مہارت سے اسے منظم کیا گیا تھا اس میں پیشہ ورانہ پہلو نمایاں نظر آتا ہے ــــ حالانکہ وہ لوگ، جن کی پارٹی کی خفیہ فائیلوں تک رسائی تھی، مصر ہیں کہ یہاں بھی سرکاری سرداروں کو ان کے اپنے 'سپاہیوں' نے ــــ نظرانداز نہیں تو ــــ اس کام پر مجبور ضرور کیا جو وہ خود کرنا چاہتے تھے۔

آندرے ویولس نے اپنی کتاب 'ہند چینی کی پکار' میں اس واقعہ کے بعد کے مظالم کے روح فرسا حالات قلمبند کئے ہیں۔ لیکن انامی کمیونسٹوں نے کافی حد تک نفسیاتی کامیابی حاصل کر لی تھی اور اس طاقت کا ثبوت مہیا کر دیا تھا، جس کا پہلے گمان بھی نہیں تھا۔ 'انگھ تنھ اکسو۔ ویتس' کی عوام کو یکجا کرنے کی اہلیت نے اس خیال کو کہ نوآبادیاتی راج کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی، قوم پرستوں کے عبوری دہشت انگیز طریقوں کی نسبت جو ین بے میں ان کی خون آشام ناکامی کا باعث بنے، کہیں زیادہ مؤثر انداز میں چیلنج کیا اور کسانوں ——— کم از کم ان کے ایک بڑے گروہ ——— کو احساس دلایا کہ تسلیم و رضا کا وقت گذر چکا ہے اور انقلاب ایک عملی امکان بن چکا ہے۔

یہ کامیابی حالانکہ مہنگی تھی۔ اب امتحان لینے کا وقت شروع ہوا، جسے پارٹی کے تاریخ دان انحطاط کا زمانہ کہتے ہیں۔ ہو کے کئی نائب ہند چینی میں گرفتار ہوئے اور پولو کوندور کی سزا یافتہ لوگوں کی بستی میں بھیجے گئے۔ ان میں فان وان دونگ، جو بعد میں وزیر اعظم بنا، اور تون دک تھانگ، جو بعد میں نائب صدر مقرر ہوا، شامل تھے۔ مؤخر الذکر سائیگان ووکیشنل سکول (۱۹۱۱ء) میں ہو کا ہم جماعت تھا اور بحیرہ اسود کی بغاوت میں آندرے مارتی کی جانب سے لڑ چکا تھا۔ اس کے علاوہ تران فو کو، جو (پارٹی کے تاریخ دانوں کے مطابق) پارٹی کا جنرل سیکرٹری تھا، ہند چینی کی سیاسی پولیس نے اتنی ظالمانہ اذیتیں دیں کہ وہ اپریل ۱۹۳۱ء میں شولوں ہسپتال میں وفات پا گیا۔

ہو ابھی ہانگ کانگ میں ہی تھا اور تونگ وان سو[1] کے نام کے تحت زندگی گذار رہا تھا۔ ونھ کورٹ نے اسے اس کی غیر حاضری میں موت کی سزا دی اور فرانس کے جاسوسی کے محکمے نے برطانوی حکام سے کہا کہ اسے ان کے حوالے کر دیں۔ ۶ جنوری ۱۹۳۱ء کو برطانوی حکام نے ہو کو گرفتار کر لیا۔ اس کارروائی میں برطانوی حکام کے پیش نظر فرانسیسیوں کو خوش کرنے کا مفاد کم تھا اور جنوب مشرقی ایشیا میں برطانیہ کے مقبوضہ علاقوں میں تخریبی

---

1 'صدر ہو چی منھ' ہنوئی، ۱۹۶۱ء، صفحہ ۶۲ -

عناصر کو کچلنے کا زیادہ - اس سے پیشتر انہوں نے سنگاپور اور شنگھائی میں کامنٹرن کے دو ایجنٹوں ـــــ جوزف دوکرو کو، جو فرانسیسی کمیونسٹ، اور اس کے ساتھی فولاں کو، جس کا اصلی نام رویگ تھا اور جو شاید روسی باشندہ تھا ـــــ حراست میں لے لیا تھا۔ ان کا کام ائی سی پی ماسکو اور فرانسیسی کمیونسٹوں کے درمیان خبر رسانی کے ذرائع بحال رکھنا تھا۔

جوزف دوکرو نے مجھے اپنی اور ہو کی گرفتاری سے فوراً پہلے ہانگ کانگ میں ہونے والی ہو سے ایک ملاقات کا حال بتایا ہے۔ دوکرو اپریل ۱۹۳۱ء میں وہاں پہنچا اور باہمی شرکائے کار نے اس کے اور ہو کے درمیان رابطہ فوراً ہی قائم کر دیا۔

"وہ حیران کن حد تک دُبلا پتلا اور لچکدار نظر آتا تھا۔ اس وقت اس کے ڈاڑھی نہیں تھی، بس مونچھوں کے چند بال تھے۔ نمایاں خدو خال کا چہرہ، جو جھلسا ہوا معلوم ہوتا تھا.... میری ایسے آدمی سے شاید ہی ملاقات ہوئی ہو، جو اتنا کفایت شعار ہو اور ہر راحت اور آرام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔ وہ بے بہا قوت کا مالک تھا، چوکس اور پھرتیلا..... اس کے دماغ میں صرف ایک خیال تھا ـــــ اور میرا خیال ہے کہ یہ تمام عمر اس پر مسلط رہا۔ اس کا ملک - ویتنام۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بین الاقوامی اتحاد کا پُرخلوص حامی نہیں تھا یا ایک سچا انقلابی نہیں تھا۔ لیکن اس کے لئے ویت نام کو سب پر اولیت حاصل تھی۔"

اس کے علاوہ ہانگ کانگ کے پس منظر میں، جو جنوب مشرقی ایشیا سے متعلق مختلف النوع بحرانوں اور تنازعوں کی آماجگاہ تھا اور جہاں ایک مارکسی ہونے کی حیثیت میں اس نے بہت سے مسائل کی حمایت میں جدو جہد کی ہو گی، یہ ظاہر تھا کہ ہند چینی اس کے ہر کام اور ہر توجہ کا مرکز تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ فرانسیسی سیاست کے سلسلے میں، جس کے متعلق وہ پوری طرح باخبر رہتا، اور فرانس میں اپنے ساتھیوں ـــــ مثلاً کاشیں اور وایاں کوتوریر۔ کے سلسلے میں پورے وثوق سے گفتگو کرتا تھا...... وہ نظری جھگڑوں میں وقت ضائع نہیں کرتا تھا۔ وہ ایک کارکن تھا اور تنظیمی صلاحیتوں کا حامل اور بس ....."

"جب میں سائیگان کے لئے روانہ ہوا تو اس نے مجھے دو قابل اعتماد ساتھیوں کے نام، بلکہ عرف، دیئے "نومان" اور "لوکہ"، جو، بقول اس کے، میرا ہر اس آدمی سے رابطہ

قائم کرا دیں گے جس کی مجھے ضرورت ہو۔ اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان دو ساتھیوں نے، جو ہو کو اثر و رسوخ والا لیڈر (گو مسیح یا جرلز مو نہیں) گردانتے تھے، ہند چینی میں میرا مشن منظم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہاں میں مہینہ بھر آزادی سے گھومتا رہا اور بہت سے لوگوں سے رابطہ قائم کرتا رہا۔"

"آخر کار مجھے سنگاپور میں فرانسیسی نوآبادیاتی پولیس نے نہیں بلکہ برطانوی محکمہ جاسوسی نے گرفتار کر لیا۔ ظاہر ہے کہ وہ بہتر طور پر منظم تھے۔ اس بات کا مجھے علم نہیں کہ ہماری جاسوسی کس نے کی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہو، نولاں اور میں برطانوی حکام کے ایک ہی احد اور دُور رس جھپٹے کا شکار ہوئے ..... در اصل مجھے غلط نام استعمال کرنے کے جرم میں صرف اٹھارہ ماہ قید کی سزا ملی ــــ اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ الزام بے بنیاد نہیں تھا....."

سوال یہ تھا کہ کیا ہو اور دوگرو ہند چینی کے محکمہ جاسوسی کے حوالے کر دیتے جائیں گے یا نہیں؟ ریڈ ایڈ ان کی رہائی کے لئے جدوجہد کر رہی تھی "دو انقلابی کارکنوں کو ملک سے نکالنے اور ظالم فرانسیسیوں کے حوالے کر دینے کے عمل کو روکنے، کے لئے اینٹی امپیریلسٹ لیگ کے بین الاقوامی سیکریٹیریٹ نے برطانوی مزدوروں پر زور دیا کہ بغیر حکومت کو مجبور کریں کہ کسی ملک میں پناہ لینے کے حق کا احترام کریں۔"

"سترھویں خط متوازی کے شمال میں" ولفریڈ برشیت بعد کی قانونی لڑائیوں میں قسمت کی غیر معمولی کایا پلٹ کا حال بیان کرتا ہے۔ وہ ہو کی جانب سے نوآبادیات کے مخالف ایک برطانوی وکیل فرینک لوزبی کی ان تھک کوششوں کی طرف قاری کی توجہ مبذول کراتا ہے اور بتاتا ہے کہ سر سٹیفورڈ کرپس نے، جو ان دنوں بائیں بازو کا کارکن تھا اور بعد میں چانسلر آف دی ایکسچکر ہو گیا، برطانوی کابینہ کے سامنے کس طرح اس معاملے کی وکالت کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہو کو تپ دق کے، جس مرض میں وہ کئی سالوں سے مبتلا تھا، تیزی سے بدتر ہو جانے کی وجہ سے ہانگ کانگ جیل کے ہسپتال میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چوری چھپے اسے کسی دوسری جگہ پہنچا دیا گیا ہو جنوبی کے محکمہ جاسوسی کی فائل میں، جس پر وانگوین اے کوک لکھا تھا، تقریباً ان ہی دنوں آخری اندراج

کیا گیا ..... ہانگ کانگ جیل میں وفات پائی، ۱۹۳۲ء.....' اور فی الواقع اس خبر کی 'لومانیتے' اور روس کے اخباروں نے تصدیق کی۔ ماسکو میں ویت نامی طالب علموں نے سٹالن انسٹی ٹیوٹ میں انگوین اسے کوک اور تران فو کی مشترکہ یادگار منائی۔ کامنٹرن کے ایک نمائندے نے جنازے کا خطبہ دیا۔[1]

اور جب ۱۹۴۵ء میں کاؤبانگ کے ایک جاسوسی افسر نے پیرس رپورٹ بھیجی کہ ہوچی منھ جس کا نام چین کے سرحدی شہروں میں اکثر سننے میں آتا ہے، وہی مشہور انگوین اے کوک ہے، جس نے ہند چینی کمیونسٹ پارٹی بنائی، تو رواودینو کے ایک سرکاری افسر نے مندرجہ ذیل متن کی ایک تار فوراً ہنوئی بھیجی :- 'یہ کس قسم کا پاگل ہے جو ہمیں اس طرح کی اطلاعات بھیجتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ انگوین اسے کوک نے ہانگ کانگ میں تیسری دہائی کے شروع میں وفات پائی ....'

چند ایک ماہرین نے، جنہوں نے ہانگ کانگ جیل میں اس کی موت کی اطلاعات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی تھی، دعویٰ کیا کہ وہ بنکاک میں ہے۔ ان میں سے ایک مصر ہے کہ ہو برٹش انٹیلیجنس سروس کی مدد کرنے کا وعدہ کئے بغیر اس شہر میں نہیں پہنچ سکتا تھا اور زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔ ہو کے ہانگ کانگ جیل سے عجیب و غریب طریقے سے غائب ہو جانے کی یہ دلچسپ توضیح ہے .... لیکن ہر وہ شخص جو ہو کے کردار سے واقف ہے اس استدلال کو غیر معقول تصور کرے گا۔ جب میں نے موسیو آرنو سے اظہارِ خیال کے لئے کہا تو اس نے فوراً جواب دیا :- 'بھلا ہوچی منھ ایسا شخص برطانیہ کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرے! اور پھر اس صدی کی تیسری دہائی کے دوران میں مجھے کبھی جرأت نہ ہوئی کہ اسے اپنے لئے کام کرنے کی دعوت دوں —— اس وقت بھی نہیں جب اس نے اپنی زندگی کے اس کام کا آغاز کیا تھا!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرینک لوزبی اور اس کی بیوی ہو کو جیل کے ہسپتال سے نکلنے

---

[1] ہوچی منھ کی داستان، ہنوئی، صفحہ ۱۲۶۔

بیں جولائی ۱۹۳۲ء کے اردگرد کامیاب ہوئے ۔ انہوں نے اسے ایک کشتی میں سوار کرادیا اور ایموئے میں چھپا دیا ، جہاں وہ چھ ماہ تک پڑا رہا ۔ انگوین لونگ بانگ کے مطابق اس نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کا شنگھائی میں ۱۹۳۳ء کے شروع میں دوبارہ آغاز کیا :-

"چیانگ کائی شیک اور اس کا جتھا کمیونسٹوں کا تعاقب کر رہا تھا اور پارٹی کے پُرجوش ارکان گلیوں میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہیں کرتے تھے ۔ چچا ہو سوچ ہی رہا تھا کہ چینی کمیونسٹ پارٹی سے کس طرح رابطہ قائم کرے کہ خوش قسمتی سے پال وایاں کوتوریر شنگھائی پہنچ گیا ...... یہ مرحلہ اس کی مدد سے طے ہُوا ۔ ہو کو ایک روسی جہاز میں سوار کرادیا گیا اور وہ ولاڈی واسٹک جا اترا ، جہاں سے گاڑی میں سوار ہو کر ماسکو پہنچ گیا ....."

۱۹۳۵ء میں اس نے لوہونگ فونگ (آئی ۔ سی ۔ پی کے سرکاری مندوب) کی معیت میں کمیونسٹ انٹرنیشنل کی ساتویں کانگریس میں شرکت کی ۔ اس کانگریس میں آئی ۔ سی ۔ پی کی رکنیت کو باقاعدہ تسلیم کیا گیا ۔ پھر کچھ عرصے کے لئے اس نے لینن انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم حاصل کی ، جہاں وہ لینوف کے نام سے مشہور تھا ۔ اس نے وہاں ایشیا کے شعبے کے طالب علموں کو ویت نام کی تاریخ پر لیکچر بھی دیئے ۔ یہ لیکچر شعر میں لکھے ہوتے تھے کہ 'پڑھنے کا کام آسان' ہو جائے ۔

۱۹۳۵ء کی کانگریس میں ہو کی بجائے لوہونگ فونگ انٹرنیشنل کی سنٹرل کمیٹی کا رکن منتخب ہُوا ۔ لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد فونگ جنوب مشرقی ایشیا واپس آگیا ، جہاں وہ گرفتار ہو گیا اور جیل میں وفات پا گیا ۔ اس کے فرائضِ منصبی ہو نے سنبھالے ۔ اس کی ایسا کرنے کی خواہش اس وجہ سے اور بھی شدت اختیار کر گئی کہ ساتویں کانگریس نے اس لائحہ عمل کی حمایت کی ، جس کی دمتروف کی طرح ہو بہت عرصے سے وکالت کر رہا تھا یعنی عوامی محاذوں کا قیام ۔

دراصل ہو اس زمانے میں آئی ۔ سی ۔ پی کے لیڈروں کی اس وجہ سے کھلم کھلا مخالفت کر رہا تھا کہ انہوں نے پارٹی کی پہلی کانگریس (مکاؤ ، مارچ ۱۹۳۵ء) اس کی اور لوہونگ فونگ کی غیر موجودگی میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا ۔ اہم بات یہ ہے کہ ترونگ چنھ صدر ہو کی سوانح

ہیں یہ واقعہ صرف تین سطور میں بیان کرتا ہے - ایک اور پمفلٹ میں، جس کا دیباچہ فام واں دونگ[1] نے لکھا، اس واقعہ کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا ....

' ویت نامی مزدور پارٹی کی عظیم تواریخ[2]' زیادہ تفصیلات فراہم کرتی ہے - اس میں لکھا ہے کہ مکاؤ کانگریس نے فیصلہ کیا تھا کہ وقت اور حالات انقلاب کے لئے بہت موزوں ہیں - کانفرنس نے خاص طور پر فیصلہ صادر کیا تھا :- ' یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ صرف مسلح جنگ ہی ــــ جو طبقاتی جنگ کی سب سے اعلیٰ شکل ہے ــــ ظالموں کے خاتمے کا باعث بن سکتی ہے .... ۳۱-۱۹۳۰ء میں ہمیں ترقی کی راہ میں رکاوٹوں کے باوجود بہت کامیابیاں نصیب ہوئیں - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں طبقاتی جدوجہد کو منظم کرنا چاہیے اور بہادری اور استقلال سے آگے بڑھنا چاہیئے -'

اس نیم سرکاری کتاب میں اس عبارت کا اقتباس نقل کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ مکاؤ کانگریس ' ان تبدیلیوں کا صحیح جائزہ لینے میں' جو ملک اور دنیا میں رونما ہو چکی تھیں، بالکل ناکام رہی تھی -'

تین ماہ بعد انٹرنیشنل کانگریس نے ایسا لائحہ عمل اختیار کرنے پر زور دیا جو بہت زیادہ سخت نہ ہو - ہو نے ۱۹۳۹ء کی ایک رپورٹ میں اس نئی پالیسی کا خلاصہ یوں بیان کیا :-

" ۱- پارٹی جاپان کے پھندے میں پھنس جانے کا خطرہ مول لئے بغیر موجودہ حالات میں بہت زیادہ مطالبات نہیں کر سکتی - (مثلاً قومی آزادی، پارلیمنٹ وغیرہ)"

" فی الوقت یہ زیادہ قرینِ مصلحت ہوگا کہ ہم صرف جمہوری حقوق کا مطالبہ کریں :- تنظیم کی آزادی، جلسوں کی آزادی، تقریر کی آزادی، سیاسی مجرموں کی عام معافی، قانون کی حدود میں پارٹی کی سرگرمیاں جاری رکھنے کا حق -"

" ۲- ان مقاصد کے حصول کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم جمہوری محاذ قائم کرنے کی انتہائی

---

[1] صدر ہوچی منہ، ہنوئی، ۱۹۶۱ء -

[2] صفحہ ۲۷، ۲۸ -

کوشش کریں "۔

"اس میں صرف ہند چینی کے باشندے ہی نہیں ترقی پسند فرانسیسی بھی شامل ہوں گے، اور صرف مزدور ہی نہیں، شہری متوسط طبقے کے لوگ بھی "۔

"۳۔ متوسط طبقے کے ساتھ برتاؤ میں پارٹی کو ہوشیاری اور نرمی سے کام لینا ہوگا۔ ان عناصر کو یکجا کرنا، جنھیں اپنے ساتھ ملایا جا سکتا ہے، اور پس و پیش کرنے والے عناصر کو بے اثر بنا دینا، محاذ کے مقاصد میں شامل ہونا چاہیئے اور ان کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ کسی کو محاذ سے باہر نہیں رہنے دینا چاہیے "۔

"۴۔ جہاں تک ٹراٹسکی کے پیروکاروں کا تعلق ہے، انھیں اس وقت تک کوئی مراعات نہیں دینی چاہئیں جب تک وہ ہمارے ساتھ اتحاد نہ کریں۔ ہمیں ان کا فاشستی ٹھگوں کا کردار ہر قیمت پہ سب پہ عیاں کر دینا چاہیئے "۔

"۵۔ اپنی طاقت کو بڑھانے، اپنا حلقۂ اثر وسیع کرنے اور اپنی سرگرمیوں کو مؤثر بنانے کی خاطر جمہوری محاذ کو چاہیئے کہ فرانس کے عوامی محاذ کے ساتھ، جو ہماری طرح آزادی اور جمہوریت کے لئے جدوجہد کر رہا ہے اور جو ہمیں کافی مدد دے سکتا ہے، قریبی رابطہ قائم رکھیں "۔

"۶۔ پارٹی محاذ پہ اپنا اختیار مسلط نہیں کر سکتی ...... اسے چاہیئے کہ فرقہ بندی اور تنگ نظری کے خلاف سختی سے نبرد آزما ہو، مارکسزم۔لینن ازم کا مطالعہ کرے، جو شیلے کارکنوں اور عملے کے سیاسی شعور کو نقطۂ عروج پہ پہنچنے میں مدد دے اور فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ قریبی رابطہ قائم کرے ......"

جون ۱۹۳۶ء میں، جبکہ آئی۔سی۔پی کی پہلی قومی کانفرنس' پارٹی کے رویے پہ دوبارہ سوچ بچار کر رہی تھی (یہاں تک کہ 'انتہا پسند نوآبادیاتیوں' اور 'فاشستوں کے مخالف نوآبادیاتیوں' کے درمیان امتیاز کیا جا رہا تھا)، لیوں بلم کی عوامی محاذ کی حکومت نے، جس کی کمیونسٹ حمایت کر رہے تھے، چند اقدام کئے۔ اس نے ایک تحقیقاتی کمشن ویت نام بھیجا، جس کی رہنمائی سابق وزیر جسٹن گودار نے کی۔ اس نے سیاسی نظربندوں کو عام معافی دی اور

ہو کے بہت سے ساتھیوں ــــ مثلاً فام واں دونگ اور تران وان جیو ــــ کی رہائی کے احکام جاری کئے اور آئی ۔سی ۔پی کو قانونی طور پہ حق دیا گیا کہ ہند چینی میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے ۔ اس زمانے میں ہوچی منھ پوری طرح اپنے پاؤں پر کھڑا تھا ۔ کمیونسٹوں کے عمل میں اس کا اثر صاف نظر آرہا تھا ، خاص طور پہ ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیان کوچن چین میں ۔لیکن جنوب کے باشندوں کے جذبات اور اندازِ فکر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری تھا۔ آخر سائیگان کے رائے دہندوں نے ۱۹۳۵ء میں دو اور ۱۹۳۷ء میں تین کمیونسٹوں کو میونسپل کونسل کی رکنیت کے لئے منتخب کیا تھا ۔ نتیجتہً چند متشدد کمیونسٹوں نے ٹراٹسکی کے پیروکاروں[1] کے ساتھ مل کر کام کیا اور مشترکہ جدوجہد کے لئے ایک اخبار 'لاڈوت' (جدوجہد) جاری کیا۔ اس زمانے میں ہنوئی سے ایک اخبار شائع ہو رہا تھا ، جس کا نام 'لاؤولانتے اندوشینوا' (ہند چینی ، عزم) تھا اور جس کا مدیر فام واں دونگ تھا ۔ (حال ہی میں ہنوئی اور نیشنل برلشن فرنٹ کے درمیان تعلقات میں جنوب کی تلون مزاجی آشکار ہوئی ہے ۔)

یکم مئی ۱۹۳۸ء کو ہنوئی میں سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں نے ایک مشترکہ مظاہرہ کیا ، جس میں ہزاروں فرانسیسی اور ویتنامی مزدور یکجا ہو گئے ۔

تاہم پارٹی کی قانونی طور پہ جائز سرگرمیاں تھوڑی مدت ہی رہ سکیں ۔ ۱۹۳۷ء کے آخر تک اس نے زیرِ زمین کاروائیاں شروع کر دی تھیں ۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ۱۹۳۹ء کے انسدادی اقدام کی وجہ سے انھیں تمام لیڈروں سے ہاتھ دھونا پڑتا ۔ دراصل جنگ چھڑنے کے وقت تقریباً تمام لیڈروں کو ــــ فام واں دونگ ، ووانگوین گیاپ ، دانگ اکسوین کھو ــــ سب کو بھاگ کر چین جانا پڑا ۔ اس کے باوصف تقریباً ایک ہزار گرفتاریاں عمل میں آئیں (جن میں تران ہوئے لیو ، دونگ باش مے اور انگوین وان تاؤ کی گرفتاریاں شامل تھیں)

---

[1] اس سلسلے میں ایک معاہدے پر ۱۹۳۳ء میں دستخط ہوئے ۔ ۱۹۳۹ء میں شائع ہونے والی رپورٹ (یعنی اس تجربے کے بعد) ٹراٹسکی کے پیروکاروں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے خیال کی مذمت کرتی ہے ۔ یہ لوگ اس عرصے میں 'فاشسٹوں کے حامی ٹھگ' بن گئے تھے ۔

اور پارٹی پر بیچارگی کا عالم طاری ہوگیا۔ آدمیرال دوکو کے عہدِ حکومت میں —— دراصل ۹ مارچ ۱۹۴۵ء تک، جب جاپان نے ہندچینی کی فرانسیسی حکومت کا تختہ اُلٹا —— پارٹی کی یہی حالت رہی۔

۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۸ء تک کا زمانہ ہو کی زندگی کا نہایت پرامن اور کام کرنے کا زمانہ تھا۔ حالانکہ وہ روس میں مقیم تھا لیکن روسی کمیونسٹ پارٹی اور انٹرنیشنل کے اندرونی جھگڑوں اور اراکین کے اخراج سے بالکل بے تعلق تھا۔ اس نے اپنی آئی۔سی۔پی سے، جو ۳۲-۱۹۳۱ء کے انحطاط کے بعد قانونی طور پر جائز پارٹی کی حیثیت میں دوبارہ رونما ہوگئی تھی اور ۱۹۳۹ء کے انسدادی اقدام کے زمانے تک سرگرم رہی، ناطہ نہیں توڑا تھا۔ وہ ماسکو، اور اسی طرح سوچی، سے، جہاں اسے تندرستی بحال کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا (کیونکہ روس کے شدید موسمِ سرما نے اس کی تپ دق ٹھیک کرنے میں کوئی مدد نہیں دی تھی) "تن تک" (اخبار) کو، جو سائیگان میں آئی۔سی۔پی کا سرکاری ترجمان تھا، نظریاتی مقالے باقاعدہ بھیجتا رہا۔ ان مقالوں پر لِن کا نام ہوتا، جو دلکش حد تک حلیم قلمی نام تھا.....

۱۹۳۸ء کے موسمِ گرما کے شروع تک معلوم ہوتا تھا کہ وہ تندرست ہوگیا ہے۔ لیکن ایشیائی محاذ پر حالات خراب تھے۔ جاپانی فتح پر فتح حاصل کر رہے تھے۔ فرانس کی طرح ہندچینی میں بھی عوامی محاذ کا تجربہ اچانک ختم ہوگیا۔ ۱۹۳۸ء میں ہوچین واپس آگیا، جہاں جاپانیوں کے خطرے نے چیانگ کائی شیک کو مجبور کر دیا تھا کہ کمیونسٹوں کے ساتھ دوبارہ اتحاد کرے۔ نتیجتہً ہو کے لئے ینان کا سفر اختیار کرنے کے بارے میں کوئی چیز مانع نہیں تھی، سوائے کمین گاہ سے حملے کے، جو معمولی بات تھی۔ وہ ایک چھکڑے کو دھکیلتا ہوا مجسم ہمت چلتا گیا[1]۔

ینان میں وہ نام نہاد گارڈن آف ایپل ٹریز میں ٹھہرا۔ لیکن اس پُرسکون ماحول میں وہ زیادہ دیر نہ رہ سکا۔ کومنتانگ کے جنرل سٹاف نے اپنے فوجیوں کو گوریلا طرز کی سپہ آرائی

---

[1] ہوچی منھ کی داستان، صفحہ ۷۴۔

سکھانے کے لئے چینی کمیونسٹ پارٹی سے معلم طلب کئے۔ اس کے نتیجے میں اسے سیاسی کامیسار مقرر کر دیا گیا۔ اس کے مشن کا سربراہ جنرل یپنگ تھا (جو بعد میں عوامی فوج میں فیلڈ مارشل کے عہدے پر فائز ہوا)۔ ہو نے چیانگ کائی شیک کے فوجیوں کو کمیونسٹوں کے نظریات سکھانا شروع کر دیئے تھے ـــــ جیسے وہامپوا میں دس سال پہلے چو این لائی کیا کرتا تھا۔

فروری ۱۹۴۰ء میں وہ جنوبی چین میں تھا، جہاں اس کی آئی۔ سی۔ پی کے بزرگ اراکین سے ملاقات ہوئی، جو فرانسیسی مظالم کی وجہ سے ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ان میں وہ دو آدمی بھی شامل تھے، جو بعد میں اس کے مخلص ترین نائب بنے :۔ فام وان ڈونگ، جو کوانگ انگے کی افسر شاہی کے ایک رکن کا لڑکا تھا اور جو بیس سال کی عمر میں ایک انقلابی اور پچیس سال کی عمر میں ایک کمیونسٹ بن گیا تھا اور وو انگوین گیاپ، جو ایک زمانے میں تاریخ پڑھایا کرتا تھا اور جو فنِ حرب کے ماہر کی حیثیت میں نام پیدا کرنے سے پیشتر ایک جوشیلا کارکن رہ چکا تھا۔ یُنان اور کوانگسی کے انہی صوبوں میں ہو نے ۱۹۴۰ء میں اپنی ٹیم کو ایک خاص شکل میں ڈھالا اور ایک خاص اندازِ فکر تشکیل کیا اور اس وقت سے لے کر آج تک ویتنامی انقلاب کی ترقی اسی تربیت کی مظہر ہے۔

۵ - اسیری

آئیے چین میں اولیں مہموں اور روس میں گوشہ نشین طالب علم کی حیثیت میں طویل عرصہ گذارنے کے بعد اپنے ملک واپس پہنچنے اور ویت منھ کی بنیاد ڈالنے کے وقت ہو کا بنظرِ غائر جائزہ لیں۔ اس وقت ہم جنوبی چین میں ہیں۔

وہ تران کے نام کے تحت 'ایک بہت شریف بوڑھے مقامی کسان کی شکل میں جس میں آنکھوں کی چمک کے سوا کوئی غیر معمولی بات نہیں نظر آتی تھی' ہوانگ کوانگ بنھ میں ایک حجام کی دکان پر وارد ہوا[1]۔ اس نے ٹنگشان میں سیاسی فلسفے کا کورس شروع کیا اور دنیادار پادری کا رویہ اختیار کیا، جو لکڑی کاٹتا، حجام کو اپنی بیوی کو پیٹنے سے روکتا ('کامریڈ یہ انقلابی اخلاقیات ہے') اور ننھے بچے کو چمچے سے کھانا کھلاتا۔ وہ گوتم بدھ اور فن لینڈ کے لینن کے درمیان آمیزش کا ایک نمونہ پیش کرتا۔

کنمنگ (ینان) میں، جہاں وہ مئی ۱۹۴۰ء میں قیام پذیر تھا، ہو کا آخرکار ان دو اشخاص سے ملاپ ہوگیا، جو اس کے معتمد حواری بننے والے تھے:۔ وونگ اور گیاپ۔ وو آنھ ہو کی ان کے ساتھ ایک ملاقات کو یوں بیان کرتا ہے:۔ 'تران اور میں

[1] ہوچی منھ کی داستان، صفحہ ۱۴۰

نے انھیں سیر کرانے کے لئے ایک چھوٹی کشتی کرایے پر لی ..... چچا نے بہت زندہ دلی سے کہا :- 'نوجوان وونگ زیادہ معمر نہیں ہُوا'۔ اور پھر گیاپ کی طرف دیکھ کر :- 'اس کے چہرے پر ایسی تازگی ہے جیسے بیس سال کی دوشیزہ کے ہو......'[1]

تاہم ووانگوین گیاپ کا 'چچا' کے ساتھ فیصلہ کن ملاقات کا اپنا بیان زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

مئی ۱۹۴۰ء کے شروع میں مستقبل کا جرنیل ہنوئی اور تھانگ لونگ سکول سے، جہاں وہ تاریخ پڑھاتا تھا، نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ روبی کون کو پار کر چکا تھا۔ وہ ہر چیز کو انقلاب کی کامیابی کے داؤ پر لگا رہا تھا۔ فام وان ووِنگ کے ساتھ وہ پُراسرار 'وونگ' سے ملاقات کے لئے روانہ ہُوا، جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ وہی انگوین اے کوک ہے، جس نے ویتنام کے ہر نوجوان انقلابی کے تخیل کو جلا بخشی تھی، وہی شخص جس نے وارسا امن کانفرنس کے سامنے مطالبات کا پلندہ رکھا تھا، وہی شخص جو 'لوپاریا' اور تُور کانگریس اور انٹرنیشنل کا ہیرو تھا.... بہت عرصے تک گیاپ ہو کی ایک تصویر جیب میں رکھے گھومتا رہا تھا۔ اس نے 'لن' کے مقالے بھی پڑھے تھے، جو ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان ویت نام میں کھلم کھلا چھپے تھے۔

اور اب اچانک ہی اس چھوٹی سی کشتی پر یہ ملاقات ہو گئی :-

"ایک پختہ عمر کا شخص ہماری طرف بڑھا، جس نے یورپی لباس اور ایک نرم فیلٹ ہیٹ پہن رکھا تھا۔ اس مشہور تصویر کے مقابلے میں، جو بیس سال پرانی تھی، وہ زیادہ چاق چوبند اور چوکس معلوم ہوتا تھا۔ اس نے داڑھی بڑھالی تھی۔ میں ایک نمایاں سادگی کے حامل شخص کے رُوبرو تھا۔ میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا تاہم دوستی کے گہرے رشتے سے ہم پہلے ہی آگاہ تھے...... وہ مرکزی ویت نام کے لہجے میں بولتا تھا[2]۔ میں کبھی یقین نہیں کہہ سکتا تھا

---

۱ ہو چی منہ کی داستان، صفحہ ۱۵۷ - ۱۵۸

۲ گیاپ صوبہ کوانگ بنھ کا رہنے والا ہے، جو انگھ تنھ کے ساتھ واقع ہے۔

کہ اتنا عرصہ ملک سے باہر رہنے کے بعد مقامی لہجے میں گفتگو کرنا اس کے لئے ممکن ہوگا۔۔۔[1]"

ہو واقعات سے پوری طرح آگاہ تھا اور اس صورتِ حال کا، جو فرانس کی شکست اور ہندچینی میں جاپانی فوجی دستوں کی آمد سے پیدا ہو گئی تھی، بنظرِ غائر جائزہ لے رہا تھا۔ اس امر کو کسی لحاظ سے بھی سراسر نعمت قرار نہیں دیا جا سکتا تھا کہ فرانسیسیوں نے فاشسٹیوں کے ہاتھوں شکست کھائی تھی کیونکہ فوجی طاقت کی مدد سے جاپانی آہستہ آہستہ نوآبادیاتی راج کی جگہ لے لیں گے، جو پہلے ہی کمزور ہو رہا تھا۔ دوسری طرف نوآبادیاتی نظام کی تباہی سے ان کے انقلاب کا ایک مقصد پورا ہو گیا تھا۔ ہُوا یہ کہ جاپانی خطرے کے پیشِ نظر ویتنامیوں کی آزادی کی تحریک اور کومنتانگ کے درمیان، جو واحد چینی قوت تھی اور جس کے ساتھ ہو اور اس کے ساتھیوں کا کوئی تعلق تھا، ایک وقتی سمجھوتہ ہو گیا۔ ماسکو کی طرح ماؤ کا ینان بھی کوسوں دُور تھا.....

وقت آ گیا تھا کہ اس پالیسی پر عمل شروع کیا جائے، جس میں اس صدی کی تیسری دہائی کی انقلابی جرأت اور عوامی محاذ کے داؤں پیچ شامل تھے جن پر کاربند ہونے کا ۱۹۳۵ء کی ماسکو کانگریس میں فیصلہ کیا گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ پارٹیوں کی شرکت سے ایک ایسی کوالیشن حکومت قائم کرنے کے لئے راستہ صاف کرنا ضروری تھا، جو کچھ عرصہ کے بعد نظم ونسق کی ذمہ داریاں سنبھال سکے۔ مستقبل قریب کا خیال ترک کر دینا ناگزیر تھا کہ ہو متواتر یہ رائے پیش کرتا تھا کہ 'بغاوت کا وقت ابھی نہیں آیا'۔ شمالی ٹانکن (ستمبر ۱۹۴۰ء)، مغربی کوچن چین (نومبر ۱۹۴۰ء) اور اس کے اپنے صوبے انگھ این (جنوری ۱۹۴۱ء) میں ہونے والی بغاوتیں اسے پیش از وقت نظر آئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے نزدیک ان بغاوتوں نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ ویت نامی عوام سنِ بلوغ کو پہنچ رہے ہیں اور وسیع پیمانے پر اقدام کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔

۱۹۴۰ء کے موسمِ سرما میں اس نے صوبہ کاؤ بانگ میں باک بو (ٹانکن) کا 'آزاد علاقہ'

---

[1] ہو چی منھ کی داستان۔ صفحہ ۱۷۷۔

منظم کیا۔ اور جنوری ۱۹۴۱ء کے آخر میں اگوین اے کوک ــــــ جسے لوگوں نے 'چچا ہو' کہنا شروع کر دیا تھا (یناں میں وہ ماؤ کے حلقے میں ہو کوانگ کے نام سے مشہور تھا اور اسی سے 'چچا ہو' بنا) ــــ تیس سال کی غیر موجودگی کے بعد ملک واپس آیا۔ اس نے اپنا ہیڈ کوارٹر پاک بو میں قائم کیا، جو کاؤ بانگ اور ٹسن ٹسی کے درمیان چونے کی پہاڑیوں میں ویت نام کے اندر لیکن چینی سرحد کے قریب واقع تھا۔ اس نے پہاڑ میں ایک بڑی سی غار دریافت کر لی تھی، جس کے نزدیک ایک ندی بہتی تھی اور یہاں وہ چونے کے مادے، گرم خطے کی بیل، جھاڑیوں اور گری ہوئی چٹانوں کے ڈھیر کے درمیان میں ایک سال تک رہا۔ اس نے پہاڑ کا نام کارل مارکس اور ندی کا نام لینن رکھا۔ اس نے بہت محنت کی اور ان تھک انداز میں اپنے گرد جمع ہونے والے اشخاص کو تعلیم دی۔ وہ نیل کے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس، جو اس علاقے کی آبادی کا خاصہ تھا، اپنے ہاتھوں کے سٹنسل کئے ہوئے اخبار بانٹتا ہوا اس علاقے میں خوب خوب گھوما۔ اس اخبار کا نام 'ویت لاپ' (آزاد ویت نام) تھا۔

اسی مقام پر ہو نے ۱۰ر سے ۱۹ر مئی ۱۹۴۱ء تک ہند چینی کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا آٹھواں اجلاس بلایا اور اس کی صدارت کی۔ دنیا کی مشہور ترین تحریکوں میں سے ایک تحریک، ویت منھ، ٹہنیوں کی بنی ہوئی ایک جھونپڑی میں معرض وجود میں آئی، جس میں فرنیچر کا صرف ایک ٹکڑا تھا:۔ بانسوں کی بنی ہوئی ایک میز (مندوبین لکڑی کے ٹکڑوں پر بیٹھے[1])۔

ویت نامی مارکسزم کے نمایاں ترجمان، ہونگ کوک ویت، تروانگ چھنہ، فام وان دونگ، ہوانگ وان تھو، وو آنھ، فونگ چی کیاں، وواگوین گیاپ، اس کے بانی کے گرد جمع ہو گئے۔ تحریک کو وسیع بنیادوں پر استوار کرنے اور قومی سطح پر بغاوت لانے کے لئے حب الوطنی کے جذبے پر زور دینا ضروری تھا۔ اس لئے ہو کے کہنے پر سنٹرل کمیٹی

---

[1] ہوانگ کوک ویت، 'ویت نامیوں کی مزاحمت کی کہانی'، ماسپیرو، صفحہ ۱۶۲۔

نے 'وسیع پیمانے پر ایک عوامی محاذ بنانے کے حق میں رائے دی جس میں صرف مزدوروں، کسانوں، نچلے اور اوپر کے متوسط طبقے کو ہی نہیں بلکہ مُحبِ وطن زمینداروں کو بھی اکٹھا کیا جانا تھا۔ اس نے زمینداری کے سلسلے میں کمیٹی کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ فی الوقت مندرجہ ذیل محدود مقصد کا حصول سامنے رکھا جائے:۔ 'غداروں کی جاگیروں کی ضبطی تاکہ انھیں غریب کسانوں میں تقسیم کیا جا سکے'۔

ویت نامی انقلاب کی تاریخ میں یہ نازک دور تھا —— شاید نازک ترین کیونکہ ہو اسی دَور میں وطن دوست انقلاب کے حامی کے رنگ میں سامنے آیا۔ بیس سال تک تیسری انٹرنیشنل کے رویّوں نے اس کے قومی رجحانات کو بہت سختی سے دبا رکھا تھا۔ پاک بو کی غار میں اسے قومیت کے مسئلے پر سوچنے کی ہمت ہوئی۔ اسی شخص نے، جو ویتنامی کمیونسٹ پارٹی کا جھنڈا اتارنے اور اس کی جگہ آئی۔ سی۔ پی کا جھنڈا لہرانے پر مجبور ہو گیا تھا، اسی شخص نے، جسے ویت نامی قومیت سے متعلق گفتگو کو دبائے جانے پر دکھ ہُوا کرتا تھا، اسی شخص نے اب اس تحریک کو سوچ بچار کے بعد 'کوک' ('قومی نجات') کا نام دیا۔ اب ملک کی تاریخ، جھنڈے، ویت نامی ثقافت —— اور نتیجتہً پرولتاریوں کی بجائے کسانوں —— پر زور دیا جانے لگا۔ (چند ہی ہفتوں کے بعد نازیوں کی یورش نے بیئرڈی گریٹ، ایگزانڈر نیفسکی اور پاک وو لگا کو بحال کر دیا۔ نئی وطن دوستی کا راستہ طے کرنے کے سلسلے میں ہوشالن سے سبقت لے گیا تھا)۔

اب دی لیگ فار ویتنامیز انڈیپنڈنس (ویتنام ووک لاپ دونگ منھ، یا جس کا مخفف ویت منھ ہے) قائم کی گئی، جس کا مقصد 'تمام مُحب وطن عناصر کو دولت، عمر، جنس، مذہب اور سیاسی نظریات کا امتیاز کئے بغیر متحد کرنا تھا تاکہ وہ سب مل کر ہمارے عوام کی آزادی اور ہماری قوم کی نجات کے لئے جدوجہد کر سکیں'۔

اپنے پروگرام میں اس نے 'فوری' مقصد کی وضاحت کرنے پر قناعت کی:۔ 'جاپانی فاشسٹیوں اور فرانسیسی نوآبادیوں کا تختہ الٹنے کے بعد نئی جمہوریت کے جذبہ کے تحت ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام کی ایک انقلابی حکومت قائم کی جائے گی۔ اس کا نشان

سنہری ستارے والا سرخ جھنڈا ہوگا۔[1]"

صرف یہ آخری شق ان لوگوں کے طویل عرصے کے مقاصد کی نشاندہی کرتی ہے، جنہوں نے پاک بو کی غار میں حلف اٹھایا۔ لیکن عوام سے ایک خطاب ہیں، جو اس نے کانفرنس کے اختتام پر لکھا اور لیاؤ چو کے ایک چینی قصبے سے ۶ جون ۱۹۴۱ء کو نشر کیا (اسی لئے اس مشہور تقریر کو 'بیرون ملک سے ایک خط' کا عنوان دیا گیا ہے) ہونے آئندہ جدوجہد کے قومی پہلو اور اتحاد پر زیادہ زور دیا۔ اس کے افتتاحی الفاظ بہت اہم ہیں۔[2]

"محترم بزرگو،

محب وطن شہریو،

دانشورو، کسانو، مزدورو، تاجرو، سپاہیو،

پیارے ہموطنو،

جرمنوں سے مار کھانے کے بعد فرانسیسیوں کی طاقت میں انتشار پیدا ہوگیا ہے.. .... انہوں نے بزدلوں کی طرح ہمارا ملک جاپانیوں کے حوالے کر دیا ہے ..... اس سے پیشتر فرانسیسی لٹیرے ہماری قوم سے حیوانوں کا سا سلوک روا رکھتے تھے اور اب یہی قوم جاپانی لٹیروں کی غلام بن گئی ہے۔ لاک اور ہونگ[3] کی اولاد کے دو کروڑ افراد نے عزم کر لیا ہے کہ وہ اب یہ ذلت برداشت نہیں کریں گے۔ آزادی کا وقت آگیا ہے ..... قدیم زمانے میں جب ہمارے ملک کو منگولوں کے حملے کا خطرہ لاحق تھا تو تان خاندان کے بزرگ مقابلے پر اتر آئے ..... ہمارے بزرگوں اور محبّ وطن شہریوں کو ان نامور آبا و اجداد کے نقشِ قدم پر چلنا ہے۔"

"صاحبانِ دولت و ثروت، سپاہیو، مزدورو، کسانو، دانشورو، ملازمو، تاجرو،

---

۱ 'ویتنامی مزدور پارٹی کی عظیم تواریخ'، ہنوئی صفحہ ۱۴۱۔

۲ 'مجموعہ'، صفحہ ۲۴-۲۷۔

۳ ویتنامی نسل کے داستانی بانی۔

نوجوان مردو اور عورتو، آپ آج حُبّ الوطنی کے جذبے سے سرشار ہیں ـــــ اس وقت قومی آزادی کو ہر چیز پہ فوقیت حاصل ہے۔ جاپانی اور فرانسیسی فاشسٹیوں اور ان کے ہمنوا گیدڑوں کا تختہ اُلٹنے کے کام میں ہمیں متحد ہو جانا چاہیئے ....."

" آزادی کے مجاہدو، وقت آگیا ہے۔ بغاوت کا علَم بُلند کرو۔ مادرِ وطن کی پکار تمہارے کانوں میں گونج رہی ہے .....۔

فتح ویتنام کے انقلاب کی ہوگی!

فتح دُنیا کے انقلاب کی ہوگی!"

یہاں بھی آخری فقرے سے پتہ چلتا ہے کہ محبّ وطن کے تلے اب بھی انقلابی چھپا ہُوا ہے ..... لیکن ہو مقامی انقلاب کی تیاریوں کا رشتہ اُس جنگ سے منسلک کرنے میں کیسے کوتاہی برت سکتا تھا، جو دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ اسی مہینے میں ہٹلر کی فوجوں نے روس پہ حملہ کیا، چھ ماہ بعد پرل ہاربر کے مقام پہ امریکی فوجوں پر حملہ ہُوا، اور ۱۹۴۱ء کے اواخر میں، جب ہو پاک بو کے مقام پہ اپنے عملے کو تربیت دینے، روسی کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ اور سن زو کی 'جنگ کا فن' کا ترجمہ کرنے اور گوریلا جنگ کے فن پہ چند پمفلٹ لکھنے میں مصروف تھا، تو اُس وقت وو انگوین گیاپ اور کوہستانی لیڈر چووان "تان کے دستے، ہو کی ہدایات کے مطابق، 'پروپیگنڈا دستوں' میں منتقل کیے جا رہے تھے (اس زمانے میں فوجی دستوں کی نسبت انھیں زیادہ مفید خیال کیا جاتا تھا) اور وہ اپنی سرگرمیوں کو وسعت دے کر جنوب میں تو ین کوانگ اور تھے انگوین کے صوبوں تک پہنچا رہے تھے۔

جولائی ۱۹۴۲ء میں ہو نے چین کا ایک اور سفر اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے دو مقاصد تھے۔ پہلا اور زیادہ سرکاری مقصد یہ تھا کہ لیگ فار دی انڈیپنڈنس آف ویتنام کی جانب سے چیانگ کائی شیک کے ساتھ رابطہ قائم کیا جائے اور جاپانی فاشستی مسلک کے خلاف جدوجہد میں اس کی حمایت حاصل کی جائے۔ اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ 'عوامی محاذ' کی چالوں کی وضاحت کرنے کے لئے، جو ویتنامی کمیونسٹوں نے انٹرنیشنل کی آخری کانگریس کے فیصلوں کے مطابق اختیار کی تھی، چینی کمیونسٹ پارٹی ـــــ اور اس کے ذریعے ماسکو ـــــ

سے رابطہ قائم کیا جاتے۔

اپنی روانگی کے وقت لیڈر نے ایک نیا جنگی نام چنا:- ہو چی منھ - جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اس کے چینی ساتھی اسے ہو کوانگ کے نام سے پہلے ہی جانتے تھے۔ ہو کے ساتھ اب اس نے چی منھ ــ 'جو روشنی پھیلاتا ہے' [1] ــ دو الفاظ کا اضافہ کر لیا۔ وہ لیڈر کی نسبت زیادہ حد تک مشعل تھا۔ تاہم وہ اتنا محتاط تھا کہ اس نے بنی کا روپ کبھی نہیں دھارا۔ اس کا رجحان ہمیشہ کی طرح عملی تھا۔ سو اس نے ملاقاتی کارڈ بنوالئے، جن پر اس کا نام لکھا تھا اور ویت نام میں چینی جرنلسٹ کی حیثیت میں تعارف کرایا گیا تھا۔

لیکن وہ زیادہ دور نہ جا سکا۔ وہ اور اس کا گائیڈ سرحد پار کرتے ہی گرفتار ہو گئے۔ یہ کہنا محال ہے کہ کومنتانگ کو اس کی گرفتاری کی اہمیت کا احساس کتنی جلدی ہو گیا تھا۔ یہ یقینی ہے کہ ویت منھ کا قیام چین میں ایک ایسی ویت نامی پارٹی کے قیام کے منصوبے کے منافی تھا، جو محض کومنتانگ کی اطاعت شعار ہوتی ــ مارشل چانگ فاکوئی اور ان کے سیاسی مشیر سیاؤ دین اس وقت اس منصوبے کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔ چین کی جنوبی سرحدوں پہ ایک اور ینان کو پھلنے پھولنے کی اجازت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ہو کے ساتھیوں کو اس کی گرفتاری کا جلد ہی علم ہو گیا۔ فی الواقع انھیں اس کی 'موت' کی اطلاع بھی ملی، جو انہوں نے ــ گیارہ سال پہلے ہانگ کانگ میں اسکی پہلی 'موت' کی طرح ــ بغیر کسی مزاحمت کے تسلیم کر لی اور مہینوں اس کے قائل رہے۔

وو انگوین گیاپ نے یہ واقعہ ظرافت اور دردمندی کے انداز میں بیان کیا ہے۔

"ایک دن مجھے فام وان دونگ کا ایک خط ملا... جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ چچا ہو کومنتانگ کی جیل میں انتقال کر گئے ہیں۔ ہم دکھ کے مارے تقریباً بے دست و پا محسوس کرنے لگے۔ ہم نے اپنے قابلِ احترام رہنما کی یاد میں ایک تقریب کا اہتمام کیا اور جنازے

---

[1] شاید اسے ہو کوی لی کے نام سے تحریک ہوئی، جو ایک مشہور لیکن جعلی تاریخی شخصیت تھی اور جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اگھ تنھ کا رہنے والا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ لفظ کوانگ کے معنی بھی 'روشنی' کے ہیں۔

کا خطبہ لکھنے پر کامریڈ دونگ کو مامور کیا۔ ہم نے چچا کی نشانیاں ڈھونڈنے کے لئے اس کا صندوق کھولا۔ اپنے ایک ساتھی کو ہم نے اس کی قبر ڈھونڈنے کے لیے چین بھیجا..... چند ماہ بعد ہمیں ایک اخبار ملا، جو چین میں سپردِ ڈاک کیا گیا تھا۔ اس کے علیحدہ سرورق پر ایسے خط میں چند مصرے لکھے تھے، جس سے ہم بخوبی آشنا تھے :-

"یہ چوٹیوں کو جگمگاتے بادلوں کی ٹولیاں
یہ بادلوں کی ٹولیوں سے ہمکنار چوٹیاں
اکیلا پھر رہا ہوں میں
بس ایک جذبۂ دروں ہی میرے ساتھ ساتھ ہے
نظر میں پھرتے ہیں جنوب کے وہ دور آسماں
اُمنڈ پڑا ہے دل میں اک ہجومِ یادِ دوستاں"

ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور ہم حیران بھی کچھ کم نہیں تھے۔ ہم نے کامریڈ کاپ پر سوالوں کی بوچھاڑ کردی، جو اس کی موت کی خبر لایا تھا۔ اس نے اصرار کیا :- 'لیکن چینی گورنمنٹ نے مجھے بتایا تھا :- "سولیو! سولیو!" (مرگیا ہے!)' 'نہیں۔ نہیں۔ تمہارے کانوں نے لہجے کے سروں کا دھوکا کھایا۔ اس نے کہا ہوگا :- 'چولیو! چولیو!' (بالکل تندرست!)'۔ 'چو' تو 'سو' سے بہت بہتر تھا لیکن 'بالکل تندرست' میں مبالغے سے کام لیا گیا تھا..... ہو پندرہ ماہ تک زنجیروں میں دبا ہُوا، خارش کے زخموں سے اٹا ہُوا، گھٹیا درجے کے مجرموں میں گھرا ہُوا، موت کی سزا پانے والے مجرموں کے ساتھ ایک ہی بیڑی میں جکڑا ہُوا۔ —— ان میں سے ایک، ایک رات اس کے سہارے گھٹڑی بنا ہُوا مر بھی گیا —— ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل ہوتا رہا تھا۔

کیا چینی اسے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ ویت منھ کو ان قوم پرست ویت نامی گروہوں کے ساتھ متحد کر دے، جو مارشل چانگ فاکوئی اور صوبہ ینان میں اس کے مثنیٰ مارشل لونگ۔ ین کے تحت سرگرمِ عمل تھے۔ یا کیا وہ محض ان مظالم کا شکار تھا، جو اس نظام کا جزوِ لاینفک ہیں؟

وہ نانگ سے ٹسن ٹسی اور کوین سے لیوچو، کبھی گلے میں جوا پہنے، اکثر پاؤں میں بیڑیاں پہنے اور محض سرکشی کے سہارے زندہ طویل اور تکلیف دہ قطع مسافت کرتا رہا۔ اور جیسے کہ ہم دیکھ چکے ہیں اس نے تصنیف و تالیف بھی کی۔ انتہائی مصیبت کے انہی مہینوں کے دوران اس نے وہ نظمیں لکھیں، جو بعد میں 'قید کی ڈائری'[1] کے عنوان کے تحت شائع ہوئیں۔

حیرانی کی بات ہے کہ اس پُرجوش قوم پرست نے اس وقت اظہارِ مطلب کے لئے کوک انگو نہیں، جو قومی زبان ہے، بلکہ چینی زبان کا انتخاب کیا۔ وہ بھی عظیم تانگ خاندان (پانچویں سے نویں صدی تک) کی خوبصورت کلاسیکی چینی زبان کا، جسے ماؤزے تنگ بہت عزیز رکھتا ہے اور ہر موقع پر استعمال کرتا ہے۔ ویت نام کے ناقدین اپنے لیڈر کے اشعار میں لطافت، اختصار اور شستگی کا عنصر ثابت کرنے کے لئے اس کی تصنیفات کا ماؤ کی تصنیفات سے مقابلہ کرتے ہیں۔

اس کتاب میں تقریباً ایک سو مختصر نظمیں ہیں، جو تمام کی تمام بہت سادہ، جذبات سے پُر، غیر مبہم اور معانی کے اعتبار سے واقعاتی یا اصلاحی ہیں۔ اکثر اوقات مثالی جنگجو کا ناصحانہ انداز کسان کے مزاج کی جگہ لے لیتا ہے۔ انسانی خلوص تقریباً ہمیشہ ان میں موجود نظر آتا ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی رواقیت جو ویت نامیوں کا خاصہ ہے۔ کیا یہ نظمیں لکھنے والا قیدی عظیم فن کار ہے؟ بہر حال وہ ایک انسان ہے —— ذوقِ ظرافت رکھنے والا ایک رواقی۔

پہلے چند الفاظ سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا اخلاقی نقطہ نظر کیا ہے:-

"تمہاری قید جسم کی ہے
ذہن کی نہیں ......"

اور ہمیں معلوم ہے کہ اس کے نزدیک اس کی نظموں کی اہمیت نسبتی ہے:-

---

[1] فرانسیسی میں ان کا ترجمہ خان ھخوان نے کیا جو 'کارنے دو پریزوں' کے عنوان سے چھپ چکا ہے ——
(سیگھر، پیرس ۱۹۶۳ء)

"میں گیت گاتا رہوں گا جب تک نہ دیکھوں آزادیٔ درخشاں"
لیکن لہجہ زیادہ بلند ہو جاتا ہے اور پر معنی اخلاقیات حکایتوں کی جگہ لے لیتی ہے :-

"چاول موسل کے نیچے ہو کیا کیا کشٹ اُٹھائے
لیکن بپتا بیت چکے تو اُجلی صورت بھائے
انسانوں کا اس جگ میں ہے ایسا ہی کچھ حال
موسل کھائے ابھاگ کے جو وہی بندہ بن جائے"

یا پھر، جب وہ جوؤں سے بھرے ہوئے جسموں والے ساتھی قیدیوں کو سوئے ہوئے دیکھتا ہے :

"آنکھ مُندے پر جسے بھی دیکھو سچّا اور گنوان
نیک و بد میں بٹ جاتے ہیں جاگے پر انسان
نیکی اور بدی نہیں ہوتی فطرت کی تخلیق
ویسا ہی اس کا چلن بنے گا جیسی جس کی اُٹھان"

خان بھواں، جس نے ہو کے اشعار کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا، ان اشعار کا ویتنامی معلموں کے اس قول سے مقابلہ کرتا ہے، جو وہ انھیں سب سے پہلے ذہن نشین کراتے ہیں :۔ "انسان نیک پیدا ہوتا ہے" صاف ظاہر ہے کہ کم لیاں میں جنم لینے والا ننھا کونگ — اب ہو چی منھ — مارکس کی حمایت میں روسو سے منحرف ہو گیا تھا۔

بعض اوقات ایک درد بھری چیخ اس کی زبان سے نکل جاتی ہے :-

"یہ قید خانے کی وحشت یہ قید تنہائی
یہاں کی قید میں جو چار ماہ گزرے ہیں
وہ دس برس کی اذیت سے ہیں سوا مجھ کو"

یا پھر وہ خواب دیکھتا ہے، پہلے پہل نرمی سے :-

"گُل کھلتے ہیں مرجھاتے ہیں
انھیں اپنے عمل کا شعور نہیں

ان کھلتے گلوں کی پھیلتی خوشبو زنداں میں آجاتی ہے
دنیا کے ظلم و مصائب پر وہ
زندانی کے دل میں اُتر کر
چیخوں میں ڈھل جاتی ہے"

خواب فردِ جرم کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اور آگے چل کر ہم پڑھتے ہیں:۔

"آہنی ملبوس نظموں کو پہناؤ
شاعرو تم حرب کا فن سیکھ لو"

ایک لمحے وہ بیحد اشتیاق کا اظہار کرتا ہے، دوسرے لمحے چھبن کا:۔

"صبح دم سورج کی کرنیں چڑھتی ہیں دیوار پر
اور دروازوں پہ دستک دیتی ہیں
پر یہ در کھلتے نہیں
مطمئن رہتے ہیں زنداں کے اندھیرے چار سو.....
.....رشک کے قابل یہ زنجیریں ہیں جن کی بندشیں
اک جگہ آرام سے سونے تو دیتی ہیں مگر
ان سے باہر کچھ نہیں ......
مجھ کو حاکم سے ملا عیشِ دوام
اس کے محلوں میں ہُوا میرا قیام
ہیں محافظ پیشوائی کے لیے
کتنی عزت کا ملا مجھ کو مقام"

یہ سچ ہے کہ یہ شتئے کی آواز نہیں ہے، نہ ہی وائلڈ کی 'ریڈنگ جیل کی کہانی' سے اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان الفاظ میں، جو ایشیائی احساس اور فرانسیسی رومانیت کا مرکب ہیں اور جن میں 'زمانوں کی داستان' اور شاید ورلین کی بھی بازگشت پائی جاتی ہے، کچھ فخر اور نرمی جھلکتی ہے۔ یہ الفاظ ایک عجیب انداز میں ہوچی منھ کی شخصیت، تہذیب

اور اعلیٰ مقدر کا اظہار کرنے میں کامیاب ہیں۔ جیل میں بیٹھے سخت کاغذ پر یہ خوبصورت اور زاویہ دار الفاظ لکھتے وقت ہو کو صرف انگھ این اور تانگ خاندان کے عظیم مصنفوں کی ہی نہیں بلکہ کے دو ژماپ میں مطالعہ کے طویل اوقات اور ژولنز راوو اور ژورژ پی اوش کی یادوں نے بھی ستایا ہو گا......

اس کے ساتھیوں نے "فاشستیوں کے مخالف بوڑھے پرجوش کارکن کی رہائی کے لئے شدید مہم شروع کر دی۔ کومنتانگ کے لیڈروں پر اس قسم کے دلائل کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ دوسرے "جنگی سرداروں" کی نسبت مارشل چانگ، جس کے دل میں ۱۹۲۵ء-۲۶ء کی ان مہموں کی یاد اب بھی تازہ تھی جب وہ کینٹن میں کمیونسٹوں کے شانہ بشانہ لڑا تھا، انقلاب کے ساتھ اپنا رشتہ اب بھی مضبوط محسوس کرتا تھا۔

اس آخری مرحلے پر مارشل کے پسیجنے کی اور بھی وجوہات تھیں۔ ہو کے بلاخوف وخطر راستے سے ہٹ جانے کی وجہ سے چانگ ویتنام میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے ایک تنظیم قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا:- ۱۹۴۲ء میں اس نے ویت منھ کے مقابلے میں ایک گروپ کی بنا ڈالی تھی جس کا نام ویت نام کاش مانگ دونگ منھ ہوئی (ویتنام کی انقلابی لیگ) تھا اور جو اپنے آخری تین رکن تھجی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ کومنتانگ کے سربراہوں کو اس گروپ کے لئے ایک لیڈر بھی مل گیا جس کا نام انگوین ہائی تھان تھا۔ اس بوڑھے ویتنامی قوم پرست نے زندگی کے اتنے سال جلاوطنی میں گذارے تھے کہ وہ اپنی زبان میں گفتگو بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس شخص کی حیثیت ایک ایسے آلہ کار کی تھی جو ان کے قابو میں تھا۔ صدر روز ویلٹ اور چیانگ کائی شیک ایک ایسا منصوبہ بنا رہے تھے جس کی رُو سے جاپان کی شکست کے بعد شمالی ویت نام چین کے قبضے میں دے دیا جائے گا۔ اس طرح سے اس شخص پر ان کا اختیار اور بھی بڑھ جائے گا۔

عین اس وقت جبکہ فرانس کا نوآبادیاتی راج لڑکھڑا رہا تھا اور وہر ماشٹ کے خلاف اتحادیوں کی کامیابیوں کے باعث پیرس میں ایک ایسی نئی حکومت قائم ہونے کا امکان نظر آرہا تھا، جس کے ساتھ ویت نام کی انقلابی تحریک تعاون کر سکتی تھی، ویت نام کو چین کی طرف

سے ایک نیا خطرہ لاحق تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چنگ کنگ کا نیا استعمار اس نو آبادیاتی نظام کی جگہ لے لے گا۔ اس موقعہ پر ہو حکمتِ عملی کے ایک عظیم ماہر کی حیثیت میں نمودار ہؤا۔ ہو نے اپنی ڈراماتی اور پر صعوبت زندگی میں کوئی چال اتنی مہارت اور باضابطگی کے ساتھ نہیں چلی تھی۔ اور اس نے یہ چال اس امر کے باوجود چلی کہ اس نے جیل میں نقاہت پیدا کرنے والے دور سے ابھی ابھی نجات پائی تھی۔

رہا ہونے سے پیشتر اس نے چانگ فاکوئی کو بتا دیا تھا کہ وہ کومنتانگ کی قائم کی ہوئی 'آزادی' کی لیگ کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار ہے۔ اس وقت تک بوڑھا انگوین ہائی تھان بالکل نا اہل ثابت ہو چکا تھا۔ ہو کے کامنٹرن کے ساتھ روابط کے باعث مارشل اسے ابھی تک مصلحت بین شخصیت گردانتا تھا۔ قیدی نے دلیل پیش کی کہ اس نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے اور اب انگوین اے کوک نام کے کسی شخص کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہو چی منہ کا نام کسی نے کب سنا ہے۔ اس کے علاوہ نیا نام بالکل چینی نام معلوم ہوتا تھا اور چنگ کنگ پر اس کا اچھا اثر ہوگا...... اور اس طریقے سے یہ قیدی ڈونگ منہ ہوا کا صدر مقرر ہؤا، جسے چانگ فاکوئی نے محض اس مقصد کے لئے قائم کیا تھا کہ وہ ویت منہ کو نکال کر اس کی جگہ لے لے۔ یہ ہیں چینی سیاست کی کرامات۔

۶۔ آزادی دہندہ

اس طرح ۱۹۴۳ء کے موسم بہار میں ہو یکایک رہا ہو گیا اور نئے نام کے تحت اس تنظیم کے صدر کی حیثیت میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا، جس کے اخراجات (ایک لاکھ ڈالر ماہوار کے حساب سے) کی کفالت چینی کرتے تھے اور جس کے دو مقاصد میں جاپانیوں کے خلاف جنگ اور ویتنام کی آزادی حاصل کرنا شامل تھا[1] اس کے دو مقاصد حاصل ہو چکے تھے۔ جہاں تک تیسرے مقصد یعنی انقلاب کا تعلق ہے وہ صحیح وقت کا انتظار کرنے کے لئے تیار تھا۔

ہوانگ کوانگ بنھ بتاتا ہے کہ لیڈر اپنی رہائی کے چند ماہ بعد اس سے ملاقات کرنے کے لئے کس طرح صوبہ ینان میں آیا۔ اس نے دونگ منھ ہوا میں اپنے آدمی داخل کرنے کی پالیسی کی حمایت کی اور اپنی آرزوؤں کی نشاندہی کی۔

---

[1] فلپ داویلر، ویت نام کی تاریخ، صفحہ ۱۰۵

"وہ لیٹا ہوا تھا اور لیمپ کی مدھم روشنی میں مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی گالیں کھوکھلی ہو گئی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں اپنے خانوں میں اور زیادہ دھنس گئی ہیں اس کے باوجود ان میں خوشی کی چمک موجود تھی۔ اس کا کمبل کانپ رہا تھا ـــــ بخار نے ابھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی داڑھی اب بھی کالی تھی، لیکن بالوں کے الجھے ہوئے گچھے میں، جو ایک بوری پہ بکھرا پڑا تھا، جو تکیے کا کام دے رہی تھی، چند سفید لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر ہم بہت متاثر ہوئے۔ لوگوں اور چیزوں سے اسی طرح بے محابا محبت کرنا کس طرح ممکن تھا؟"[1]

ہوچی منھ، ویت منھ..... تحریک کے بڑھتے ہوئے درد ختم ہو گئے تھے۔ اب یہ جھنڈوں، منصوبوں اور جنگی ناموں کے ساتھ، جنھیں پوری تندہی سے بنایا گیا تھا، فہرستوں میں شامل ہو رہی تھی۔

تھوڑے ہی عرصے بعد گیاپ بالائی ٹانکن میں چوان تان ـــــ ایک تھو،[2] جس نے فرانسیسی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ کے گوریلوں کے ساتھ آ ملا۔ اس نے علاقے پر قبضہ کرنے کی امید میں تو نہیں لیکن مستقبل میں اپنے استحقاق کا جواز پیدا کرنے کے ارادے سے کاؤبانگ اور تھائی انگوین میں اپنے آدمی داخل کرنا شروع کر دیئے۔ اس کے سپاہیوں کو فرانسیسیوں کی جانب سے روز بروز مؤثر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

گیاپ کی سرگرمیاں صرف ہنوئی کی حکومت کی توجہ کا ہی مرکز نہیں بنیں، جہاں آدمیرال دوکو وشی حکومت کا سرکاری نمائندہ تھا، بلکہ الجیریا کمیٹی کے کنمنگ (صوبہ ینان کا دارالخلافہ) بھیجے ہوئے فرانسیسی ملٹری مشن کا بھی، جس کی سربراہی کے فرائض ۱۹۴۳ء سے دی گال انجام دے رہا تھا۔ کاؤبانگ میں موسیو دو بوا سانگر، جو آدمیرال کا سفارتی مشیر تھا، اور ایف ایم۔ ایم کے ایک رکن کے درمیان ایک ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ چین کی قوم پرست حکومت

---

۱ ہوچی منھ کی داستان، صفحہ ۱۴۷۔

۲ بالائی ٹانکن میں ایک اقلیت۔

سے درخواست کی گئی کہ وہ ویتنام کے انقلابیوں کی اعانت کرنا ترک کر دے - اس کے علاوہ ویتنامی قوم پرستوں میں شامل کمیونسٹوں کے مخالف عناصر ان رعایتوں کی بنا پر بہت خفا تھے، جو ہو اور اس کے دوستوں کو دی گئی تھیں - مارشل چانگ فاکوئی نے ویتنام کے دو حریف فریقوں کے درمیان مصالحت کا منصوبہ تیار کر کے تصادم رفع کرنے کا فیصلہ کیا - اس نے مارچ ۱۹۴۴ء میں لیوچو میں ایک کانفرنس بلائی، جہاں گوریلا جنگ کی تربیت دینے کا ایک سکول قائم کیا گیا تھا -

ہو چی منھ اور فام وان دونگ نے ویت منھ کی نمائندگی کی - ان کے مقابلے میں چین دوست، جاپان دوست اور بے لاگ قوم پرست گروہوں کے لیڈر تھے، جن میں انگوین ہائی تھان سے لے کر بو ایکوان لواٹ تک، وو ہانگ کھانھ سے لے کر ترونگ بواکونگ تک، انگھیم کے تو سے لے کر انگوین تونگ تام تک سب شامل تھے - ویت منھ لیڈروں پر بہت سخت نکتہ چینی کی گئی - ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے ایسے اقدام کئے جن کے وہ مجاز نہیں تھے اور اپنے مقاصد کے لئے تحریک پر قابض ہوئے - ان الزامات کے متعلق چینی منتظمین کے اندازے میں کمیونسٹوں کے خلاف بے جا طرفداری کا کھلا اظہار کیا گیا تھا - ہو کو کسی قدر اعتدال برتنا پڑا - لیوچو کانفرنس کے اختتام پر جو 'عارضی حکومت' قائم کی گئی، جس کے وزیرِ اعظم چینیوں کے ایک پرانے دوست ترونگ بواکونگ تھے، اس میں ہو بہت سے وزیروں میں سے ایک وزیر تھا - لیکن اس کے حریفوں کو امید تھی کہ اسے بالکل علیحدہ کر دیا جائے گا - کم از کم اس نے ایسا نہیں ہونے دیا - اس وقت اس کے مقاصد کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ چینی ——— امریکی سرگرمیوں سے اس کا رابطہ قائم رہے اور اس میں وہ کامیاب تھا -

اس خود ساختہ حکومت میں ہو کے 'اتحادیوں' نے فوراً ہی ایک دوسرے پر تنقید شروع کر دی، لیکن وہ پہلے ہی ہند چینی کی سرحد کی جانب روانہ ہو چکا تھا، جہاں صرف اسی کے آدمی فوجی دباؤ ڈال رہے تھے - تھوڑی ہی مدت میں 'لیوچو حکومت' مکمل طور پر انتشار کا شکار ہو چکی تھی - لیکن ہو اپنے گوریلوں اور جگہ جگہ ان کی موجودگی کی بنا پر بچ نکلا -

۸ر دسمبر ۱۹۴۳ء کو جنرل دی گال نے الجیریا میں کہا کہ فرانس کو ہند چینی میں اپنی حکومت دوبارہ قائم کرنی چاہیئے'۔ اس سے ویت منھ کے پروپیگنڈے میں فوراً تبدیلی رونما ہوئی۔ اس سے پیشتر انہوں نے 'فرانسیسی جمہور پسندوں' کو کئی اپلیں کی تھیں اور 'فرانکو پنونیز فاشسٹوں' اور 'گال کے حامیوں' کے درمیان امتیاز کیا گیا تھا۔ جون میں ٹانکن میں ایک اشتہار تقسیم کیا گیا، جس میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا:۔

"تو فرانسیسی، جو خود جرمن تسلط کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں، دوسری اقوام پر اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم ہند چینی کمیونسٹ الجیریا کمیٹی کی اس بے اصولی کے خلاف پُر زور احتجاج کرتے ہیں۔ ہند چینی میں فاشسٹوں کے مخالف عناصر کا وسیع پیمانے پر ایک محاذ قائم کرنے کے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے ہم فاشسٹوں کے مخالف غیر ملکیوں اور اپنے آپ کو جاپانی فاشستی جنگ پرستوں کے مظالم سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ مطلب نکالنا کہ ہم گال کے حامیوں یا کسی اور کی حمایت میں اپنی قومی آزادی کو قربان کر رہے ہیں محض غلط استدلال ہے۔"

تین ماہ بعد ایک اور پمفلٹ نے، جو اپنے لہجے میں الہامی ثابت ہوا، یہ ظاہر کر دیا کہ ہو اور اس کے ساتھی سیاسی تجزیئے کے فن میں ماہر تھے:۔

"آخری وقت آن پہنچا ہے۔ جرمنی کو تقریباً شکست ہو چکی ہے اور اس کی شکست جاپان کی شکست کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ پھر امریکی اور چینی ہند چینی میں داخل ہو جائیں گے جبکہ گال کے حامی جاپانیوں کے خلاف صف آرا ہوں گے۔ ممکن ہے جاپانی اس سے پہلے ہی فرانسیسی فاشسٹوں کو مار گرائیں اور ملٹری راج قائم کر لیں ..... ہند چینی میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگا۔ ہمیں طاقت چھیننے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی، کیونکہ کوئی طاقت ہوگی ہی نہیں ..... ہماری قریب الوقوع بغاوت بہت ہی اُمید افزا حالات میں عمل میں آئے گی، جس کی مثال ہمارے ملک کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ موقعہ سازگار ہے اور واقعات اُمید افزا۔ ان سے فائدہ نہ اٹھانا ناقابلِ معافی ہوگا۔ یہ ملک کی تاریخ کے خلاف جرم ہوگا۔"[1]

---

1. فلپ داویلر، ویت نام کی تاریخ، صفحہ ۱۱۱۔

جولائی ۱۹۴۴ء کے اواخر میں کاؤ بانگ کی انقلابی کمیٹی نے وو انگوین گیاپ کی پیروی میں شمالی ویت نام میں مسلح بغاوت شروع کرنے کے حق میں قطعی اعلان کر دیا۔ ستمبر میں گیاپ نے پاک بو کی غار میں ہو سے ملاقات کی، جہاں وہ واپس آگیا تھا۔ ہو نے اپنے نوجوان ساتھی کی بیتابی کو ٹھنڈا کیا اور بتایا کہ اس کا فیصلہ مقامی حالات کے تجزیے پر مبنی ہے، پوری صورتِ حال کے مطالعے پر نہیں۔

اس نے اصرار کیا کہ "پُرامن انقلاب کا مرحلہ گذر چکا ہے لیکن عام بغاوت کا وقت ابھی نہیں آیا۔" اس کے باوجود اس نے مشورہ دیا کہ گیاپ کو ایک "آزادی کی بریگیڈ" قائم کرنی چاہیے، جس کے مقاصد فوجی کم اور سیاسی زیادہ ہونے چاہئیں۔ بوڑھے لیڈر نے مزید کہا: "طاقت ہمارے پاس چاہے نہ ہو، لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور اپنی تباہی مول لیں ......" اور جب اس نے گیاپ کو الوداع کہا تو آہستہ سے یہ کہا: "خفیہ کاروائی ہمیشہ خفیہ کاروائی۔ ہمیشہ اچانک حملہ کرو اور دشمن کو جوابی حملے کا موقع دینے سے پہلے ہی پیچھے ہٹ جاؤ ......"[1]

دسمبر ۱۹۴۴ء کے شروع میں ہو نے "ویتنام کی آزادی کے لئے مسلح پروپیگنڈا بریگیڈ" کے قیام سے متعلق سرکاری ہدایات پہ دستخط کئے، جو ان چونتیس جنگجوؤں سے تشکیل پائی، جو اس وقت ٹانگن کے کوہستانی علاقے میں گیاپ کے تحت کام کر رہے تھے:۔

"۱۔ ویت نام کی آزادی کے لئے مسلح پروپیگنڈا بریگیڈ"۔ اس نام کے معنی یہ ہیں کہ یہ تنظیم فوجی طاقت کی نسبت سیاست پر زیادہ بھروسہ کرتی ہے اور یہ کہ یہ پروپیگنڈے کا ایک ہتھیار ہے۔ فوجی لحاظ سے کارگر ہونے کا بنیادی اصول طاقت کا ارتکاز ہے ...."

"چونکہ ہماری مزاحمت پورے عوام سے ماخوذ ہے، جنھیں متحد ہو کر لڑنے کے لئے تیار ہونا ہوگا، یہ لازمی ہے ـــــ پہلے یونٹ کی تشکیل کرنے کے لئے قوتوں کو اکٹھا کرنے کے وقت ـــــ کہ مختلف خطوں کے مسلح گروہوں کو نقصان سے بچایا جائے تاکہ وہ مل کر کام کریں اور ہر ماحول میں ہماری اعانت کریں۔ اس کے عوض میں مرکزی یونٹ کا فرض ہے کہ ہر خطے

---

[1] ہوچی منہ کی داستان، صفحہ ۲۰۱-۲۰۲

کے مسلح گروہوں کے رہنمائی کرنے والے اشخاص کو ہدایات دے۔ تعلیم اور فوجی تربیت کے سلسلے میں ان کی مدد کرے، جہاں تک ممکن ہو انھیں ہتھیار مہیا کرے اور ایسے اقدام کرے کہ یہ یونٹ زیادہ سے زیادہ طاقتور ہوتے جائیں۔"

"۲- جہاں تک خطّوں کے مسلح گروہوں کا تعلق ہے:- خطّے کے عملے کو تربیت کے لئے جمع کیا جائے گا۔ ان لوگوں کو جو پہلے تربیت حاصل کر چکے ہیں تجربات کا مبادلہ کرنے، انضباط اور اعتمادِ نفس بدستور قائم رکھنے اور عمل میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے مختلف خطّوں میں بھیجا جائے گا....."

"۳- سپہ آرائی:- جنگ گوریلا طرز کی لڑنی ہے، جس میں خفیہ کاروائی، پھرتی، قوتِ عمل اور نقل و حرکت کی صلاحیت ضروری عناصر ہیں۔ عام اصول یہ ہوگا کہ اچانک وارد ہو جاؤ اور غائب ہوتے وقت کوئی نشان نہ چھوڑو۔"

"آزادی کی فوج کی پروپگنڈا بریگیڈ ایک بڑے خاندان کے بزرگ رُکن کے فرائض انجام دے گی..... یہ آزادی کی فوج کی ابتدا ہے اور اس کی سرگرمیوں کا میدان شمال سے لے کر جنوب تک پورا ملک ویت نام ہے[1]۔"

ویت منھ کے اولین 'باقاعدہ' جنگی گروہ جلد ہی لیس ہو گئے۔ ان کی حفاظت میں ہو باک بو کا سرحدی علاقہ چھوڑ کر ۲۹ر اکتوبر کو ہند چینی کے علاقے کے اور اندر منتقل ہو گیا (۱۹۴۱ء کے بعد حالات بدل گئے تھے!) اور صوبہ تھائی اَنگوین کے چونے کے سیدھے ڈھلانوں کے درمیان اڈا قائم کیا۔ دس ماہ بعد وہ ہنوئی میں داخل ہُوا لیکن ۱۹۴۷ء-۵۴ء کے درمیان اسے پناہ لینے کے لئے کئی دفعہ پہاڑی اڈے میں لوٹنا پڑا۔

ویت منھ گوریلے، جن میں جاپانیوں کے خلاف لڑنے والے فرانسیسی فوجیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ بھی شامل ہو جاتے (ان کی سربراہی لفٹیننٹ برینے کر رہے تھے) تیل کی طرح پھیلتے اور کئی دستوں کو قلعے چھوڑ کر بھاگ جانے پر آمادہ کرتے ہوئے علاقے

---

[1] مجموعہ، صفحہ ۳۰-۳۱

میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے تھائی انگوین کے نزدیک دتھ کا کے کوہستانی قلعے میں پیش قدمی کی، جو دو چٹانوں کے بیچ میں واقع تھا اور جہاں گالینی کی مہموں سے لے کر اب تک باغی پناہ لیتے رہے تھے۔ یہاں انھوں نے تین کوہستانی گاؤں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ شورش بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

یہ خاص طور پر نظری تعلیم کا زمانہ تھا اور جنگجوؤں اور عملے کو جنگل میں قائم کئے گئے سکولوں میں تربیت دی جاتی تھی۔ ہو کی عام نگرانی میں یہ کام گیاپ کے سپرد تھا۔ بعد میں اس نے بیان کیا ہے کہ ہو کس طرح بعض اوقات اس کے کورسوں میں شریک ہوتا — پتلون گھٹنوں تک اٹھا کر نزدیکی ندی کو پار کرتا۔ مہمان اسے ٹوکتا اور سوال پوچھتا۔ ایک سبق کے اختتام پر ایک نوجوان میانی گیاپ کے پاس آیا اور کہا، "اس چھوٹے سے حیرت انگیز بوڑھے آدمی کی یہاں موجودگی کتنی عجیب معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنی عمر کے باوجود سیاست میں دلچسپی لیتا ہے!"

بالائی ٹانکن میں اس گوریلا فوج کی تشکیل ویت منھ جنگجوؤں کی ایک لافانی داستان ہے۔ یہ معرکہ گیاپ کے لئے اتنا ہی وجۂ افتخار و شہرت تھا جتنا دین بین فو کا۔ خفیہ انجمنوں کی رکنیت کی طرح گوریلا جنگ بھی ویت نامیوں کے رومانی مزاج سے مطابقت رکھتی ہے۔ خوف اور اجنبی ماحول کو سمجھنا ضروری تھا۔ اس کے باوجود دھان کے کھیتوں میں کام کرنے والوں کے لئے جنگلوں سے پر ڈھلانوں پہ پُرخطر زندگی گذارنے میں واقعی شعریت کا رنگ پایا جاتا تھا۔

ہنوئی کے فرانسیسی حکام نے اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ فوج جمع کر کے ایک افسر مقرر کیا گیا کہ ان کا صفایا کرنے کے کام کی نگرانی کرے۔ اس مہم کے آغاز کے لئے ۱۲ مارچ ۱۹۴۵ء کا دن مقرر کیا گیا۔ جو فوج فرانسیسیوں نے اس کام کے لئے مامور کی وہ ہو کی فوجوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی سے زیادہ تھی۔ اس بات کا بہت امکان تھا کہ ویت منھ کو شکست ہو جائے گی۔ لیکن فرانسیسی کالم کے ہنوئی سے شمال کی طرف روانہ ہونے سے تین دن پہلے جاپانی فوج نے وار کر دیا اور ۹ مارچ ۱۹۴۵ء کو علی الصبح ہند چینی میں مقیم ہر وہ فرانسیسی

جو گھٹیا سے گھٹیا عہدے پر بھی فائز تھا، گرفتار کر لیا گیا اور جیل میں ڈال دیا گیا۔ دیوتا ہو کے طرفدار تھے۔ فرانسیسی فوجوں کی مورچہ بندی ٹوٹ جانے سے ویت منھ کے اڈے تباہی اور ان کے لیڈر امکانی گرفتاری ہی سے نہیں بچے بلکہ طاقت حاصل کرنے کے لئے ان کا راستہ صاف ہو گیا۔ کیونکہ جاپانی فوج، جو اب اس علاقے پر قابض تھی، انقلاب کا مقابلہ کرنے کے سلسلے میں فرانسیسیوں کی نسبت بہت کم اہل اور بہت کم ماہر تھی۔

۹ر اور ۱۰ر مارچ کی درمیانی رات کے اجلاس میں ویت منھ کی مستقل کمیٹی نے فیصلہ صادر کر دیا کہ حکومت کی باگ ڈور سنبھال کر جاپانی فاشستی" ویت نامی انقلاب کے واحد دشمن بن گئے ہیں۔ نتیجتہً ویت نامی انقلابیوں کو چاہیئے کہ ہر اس فرانسیسی گروہ کے ساتھ رابطہ قائم کریں جو صدق دل سے جاپانی فاشستیوں کے خلاف نبرد آزما ہونا چاہتے ہوں۔ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ عام بغاوت شروع کرنے سے پہلے مقامی بغاوتوں کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ کمیٹی کے ایک حکم نامے میں اس سمت اور طرزِ عمل کی نشاندہی کی گئی ہے جو بغاوت سے قبل کے زمانے میں نہایت موزوں ہے:۔ تمام ملک میں ملٹری کمیٹیاں، آزادی کی کمیٹیاں اور عوام کی انقلابی کمیٹیاں بنانے کے علاوہ آزادی کی فوج کے مزید یونٹوں کی تشکیل۔ لیکن صورتِ حال عام بغاوت کے لئے موزوں نہیں ہے۔[1]"

اس کی وجہ سے گیاپ (مسلح پروپیگنڈا بریگیڈ) اور چووان تان (فوج برائے قومی نجات) کے تحت کام کرنے والے فوجی دستوں نے جنوب کی طرف اپنی پیشقدمی — یا جنوب میں داخلہ — نہیں روکا۔ اپریل کے آغاز میں دونوں دستے مختلف راستوں سے صوبہ تھائی انگوین میں پہنچے اور تان ترائو کے مقام پر ایک دوسرے سے مل گئے۔ پاک جیانگ میں ہائپ ہوا کے مقام پر گوریلا لیڈروں کا ایک عام جلسہ ہوا اور حاضرین نے جنوب کی جانب پیش قدمی جاری رکھنے اور عوامی بغاوت برپا کرنے کی حمایت میں فیصلہ کیا۔ فوراً ہی ہونے گیاپ کو پیغام بھیجا کہ وہ اسے ملنا چاہتا ہے۔ ناکیو کے مقام پر ان کی ملاقات عین اس وقت ہوئی جب جرمنی

---

[1] ویتنامی مزدور پارٹی کی عظیم تواریخ، صفحہ ۴۸۔

ہتھیار ڈال رہا تھا۔

"میں اتنے جوش میں تھا (وو انگوین گیاپ لکھتا ہے) کہ اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ جاتے ہی پیش کر دی، جس میں ان کامیابیوں کا ذکر کیا جو پروپیگنڈا بریگیڈ قائم کرنے کی ہدایات کے بعد حاصل کی تھیں ..... وہ خیالات میں کھویا ہوا یہ رپورٹ سنتا رہا، لیکن میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا ہے۔ اس نے بین الاقوامی صورتِ حال کے متعلق گفتگو کی اور اس بات پر زور دیا کہ حالات کتنے سازگار ہیں۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ ایک ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیئے جو سیاسی لحاظ سے موزوں ہو اور جس کی آسانی سے حفاظت کی جا سکے تاکہ باہر کی دنیا سے رابطہ کرنے کا مرکز قائم کیا جا سکے[1]......"

تاہم چچا ہو نے اپنے سرگرم نوجوان ساتھی کو زیادہ جان بازی دکھانے کے خدشے سے متنبہ کیا اور اسے یاد دلایا کہ عام بغاوت اس وقت تک شروع نہیں کی جا سکتی جب تک تین شرائط پوری نہیں ہوتیں:-

ا۔ دشمن کی حالت غیر مستحکم ہو۔

ب۔ عوام کو مظالم کا پوری طرح احساس ہو۔

ج۔ انقلابیوں نے زمین ہموار کرنے کا کام مکمل کر لیا ہو۔

۴ جون ۱۹۴۵ء کو ہو نے فیصلہ کیا کہ صورتِ حال اس نکتہ پر پہنچ چکی ہے جہاں محاذ کی حکمتِ عملی میں ترمیم کی جا سکے۔ اس لئے اس نے مختلف گوریلا دستوں، کمانڈو دستوں اور 'آزاد شدہ علاقوں' کو دوبارہ ترتیب دینے کا فیصلہ کیا اور ایک حکم نامے پر دستخط کئے، جس کی رُو سے انقلابی گروہوں کے اختیار والے چھ سیکڑوں کو ایک 'آزاد علاقے' میں یکجا کیا جائے گا اور مختلف مسلح دستوں کو ایک 'آزادی کی فوج' کے تحت متحد کیا جائے گا۔ گیاپ ملٹری کی تنظیم کے فرائض انجام دیتا رہے گا:

اس بیان کے لئے کہ تان ترائو میں، جو انقلابیوں کا چھوٹا سا عارضی دارالخلافہ تھا،

---

[1] ہوچی منہ کی داستان، صفحہ ۲۰۷-۲۰۸

کس طرح تیاریاں کی گئیں ہم گیاپ کے مرہونِ منت ہیں۔ "نام داؤ پر قبضہ ہو جانے کے بعد ہمیں پہلا ٹیلیفون نصیب ہوا۔ نتیجتہً صدر ہ کے اور میرے دفتر کے درمیان دو سو گز لمبی لائن کا اہتمام کیا گیا..." اس موقع پر ہو بیمار ہو گیا۔

"وہ گھنٹوں بے ہوش پڑا رہا...... جب ہوش میں آتا جنبشِ لب سے کہتا: "اب حالات ہمارے لئے سازگار ہیں۔ ہر قیمت پر آزادی حاصل کرنا ہے، چاہے ترونگ سون کے پورے سلسلہ کوہ کو آگ لگا دینی پڑے۔ بڑھتے ہوئے خلفشار کا فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اپنے اڈوں کو وسعت دینی چاہیے......" میں یہ یقین کرنے سے منکر تھا کہ وہ مرتے وقت اپنے خیالات مجھ تک پہنچا رہا ہے۔ لیکن بعد میں نگاہِ واپسیں ڈالتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ وہ اتنا کمزور محسوس کر رہا تھا کہ مجھے آخری ہدایات لکھا رہا تھا......"[۱]

یہاں بھی پُرجوش عقیدت کے عنصر کو ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا۔ لیکن خاکہ پُراثر ہے اور خیالات میں ایک ایسی گونج ہے کہ یقین کرنا ہی پڑتا ہے۔ ہو اور اس کے ساتھی "پس افتادہ علاقوں" کو مضبوط کرنے اور اپنے اڈوں کو وسعت دینے کی امید میں دوسروں کے خیالات کا پتہ چلانے کے لئے بہت سی کوششیں کر چکے تھے۔ جاپانیوں پر نگرانی کرنے کے لئے، جو ینان کے ہوائی اڈوں کے لئے خطرے کا باعث بنے ہوئے تھے، جنوبی چین میں امریکی کمانڈر ان چیف جنرل ویڈمیر دراصل پہلے ہی قابلِ اعتبار اتحادیوں کی تلاش میں تھا۔ چنگ لنگ میں جنرل سٹاف عارضی طور پر کنمنگ کے فرانسیسی ملٹری مشن سے تعاون کر رہا تھا۔ انہوں نے دی گال کے حامی دستوں سے رابطہ قائم کر لیا تھا (جو اکثر و بیشتر کوماندانت دو لانگ لاد کے زیرِ اثر کام کر رہے تھے)۔ اس کے علاوہ ان کا رابطہ سنو مانکینیز سیکٹر میں میجر گورڈن کی بنائی ہوئی مزاحمت کی ایک تنظیم کے ساتھ اور بھی گہرا تھا، جو کینیڈا کا رہنے والا تھا اور جنگ سے پہلے ہائی فونگ میں ٹیکساکو کمپنی کا نمائندہ رہ چکا تھا اور اب امریکی بحری فوج کے جاسوسی کے محکمے میں کام کر رہا تھا۔ امریکہ کا خصوصی محکمہ چونکہ ہند چینی میں فرانسیسی

---

[۱] وہیت منھ، "آرمان کولین"، ۱۹۶۰ء، صفحہ ۳۴۔

اثر و رسوخ کے خلاف باقاعدہ طور پہ سرگرمِ عمل تھا اور اپنی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کرنے کی فکر میں تھا اس لئے انہوں نے اس امر کے باوجود کہ وہ ویت منھ کے نظریات سے واقف تھے ان کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔

برنارڈ فال[1] بتاتا ہے کہ او، ایس، ایس کے مقامی کمانڈر کرنل ہیلیوَل سے ملنے کی غرض سے ہو خود فروری ۱۹۴۵ء میں کنمنگ گیا۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جب ویت منھ کے لیڈر نے اسلحہ اور گولہ بارود مانگا تو امریکی افسر نے دو شرائط پیش کیں :- کہ یہ اسلحہ فرانسیسیوں کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا اور امریکی ایجنٹوں کی ٹیموں کو ان سیکٹروں میں داخل ہونے کی اجازت ہوگی جو انقلابیوں کے اختیار میں ہیں۔ کرنل ہیلیوَل کے مطابق ویت منھ کو صرف چند ریوالور ہی ملے حالانکہ او، ایس، ایس کے کئی ارکان مُصر ہیں کہ اس زمانے میں ہو کے آدمیوں کو کافی تعداد میں ہلکے قسم کا امریکی فوجی سامان دیا گیا۔

بہرحال ہو کا کنمنگ کا دورہ تضیع اوقات قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی دلفریب شخصیت نے امریکیوں پر گہرا اثر چھوڑا تھا اور کئی سال بعد تک او، ایس، ایس کے آدمیوں کے ساتھ اس کی دوستی قائم رہی۔ رابرٹ شیلین کے مطابق ایک امریکی افسر، جو اس موقعے پہ ہو سے ملا، کہتا ہے :- ہو بہت پیارا آدمی تھا..... اگر مجھے جنگل کی پہاڑی پہ بیٹھے ہوئے اس بوڑھے آدمی کی ایک خصوصیت دہرانے کے لئے کہا جائے تو وہ اس کا پیارا پن ہوگا...![2]

امریکیوں کے ساتھ ان روابط کے بعد اور رشتے بھی استوار ہوئے۔ جولائی ۱۹۴۵ء میں انگوین تون تام (وی، این، کیو، ڈی، ڈی قومی تحریک کا ایک لیڈر، جو ایک سال پہلے منعقد ہونے والی لیوچو کانفرنس کے بعد ویت منھ کا 'اتحادی' بن گیا تھا) اور ژاں سینتنی کے درمیان، جو جنوبی چین میں فرانسیسی ملٹری مشن کا سربراہ تھا، طویل بحث کے بعد ویت منھ نے فرانس کے نمائندوں کو اپنے سیاسی مقاصد سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہ کام میجر گورڈن اور لفٹیننٹ فیلان کے ذریعے کیا گیا، جو ویت منھ کے ساتھ

---

[1] ویت منھ، آرمان کولیں، ۱۹۶۰، صفحہ ۳۴۔

[2] 'ہوچی منھ کا معمہ' دی رپورٹر، ۲۷ جنوری ۱۹۵۵۔

منسلک امریکی مشن کا ایک افسر تھا۔ انہوں نے موسیو سینٹینی اور اس کی ٹیم کے دوسرے اراکین کو (لیوں پینیوں[1] اور جنرل ایساندری موخر الذکر اپنے چھ سو آدمیوں سمیت ۹ مارچ ۱۹۴۵ء کو جاپانیوں کے ہاتھوں سے بچ نکلا تھا) ایک عرضداشت پیش کی۔ اس عرضداشت میں انقلابیوں کے مقاصد ان الفاظ میں بیان کئے گئے تھے:-

"ہم، ویت منھ لیگ کے اراکین، چاہتے ہیں کہ فرانسیسیوں کو مندرجہ ذیل نکات سے آگاہ کر دیا جائے، جن پر فرانسیسی ہند چینی میں آئندہ عمل کیا جائے۔"

"۱۔ ملک کی پارلیمنٹ بالغ رائے دہی کے اصول پر تشکیل کی جائے گی۔ ایک فرانسیسی گورنر ہوگا، جو ہمارے آزادی حاصل کر لینے تک وزیرِ اعظم کے فرائض انجام دے گا۔ یہ وزیرِ اعظم ایسی کابینہ یا مشاورتی مجلس کا انتخاب کرے گا، جس کی پارلیمنٹ تصدیق کرے۔ ان مختلف اداروں کے اختیارات کا بعد میں تعین کیا جا سکتا ہے۔"

"۲۔ کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ دس سال میں اس ملک کو آزاد کر دیا جائیگا۔"

"۳۔ موجودہ قانونی مالکوں کو معقول معاوضہ دینے کے بعد ملک کے قدرتی وسائل اس کے باشندوں کی ملکیت بن جائیں گے۔ اقتصادی مراعات فرانس کو دی جائیں گی۔"

"۴۔ ہند چینی کے باشندوں کو وہ تمام آزادیاں دی جائیں گی جو اقوامِ متحدہ نے تجویز کی ہیں۔"

"۵۔ افیون کی فروخت ممنوع قرار دی جائے گی۔"

"ہم اُمید کرتے ہیں کہ یہ شرائط فرانسیسی حکومت کے لئے قابلِ قبول ہوں گی[2]۔"

کیا اعتدال کا یہ لہجہ، جو مسودے کی تار و پود ہے، محض مصلحت پر مبنی ایک چال تھی کہ مذاکرات شروع ہو جائیں تو دوسری طرف سے زیادہ مراعات لی جا سکیں؟ تین ہی ماہ بعد جب موسیو پینیوں اور جنرل ایساندری نے ہو کے سامنے ـــــ جو اس عرصے میں ہنوئی میں عارضی حکومت کا صدر مقرر ہو گیا تھا ـــــ یہ سوال اٹھایا تو لیڈر نے یہ تاثر دیا کہ وہ اس

---

[1] لیوں پینیوں جی۔پی۔آر۔ایف کے مندوبین کی جماعت کے سول معاملات کا ڈائرکٹر تھا۔ ۱۹۵۰ء میں وہ سائیگان میں ہائی کمشنر مقرر ہوا۔ [2] ژاں سینٹنی، "ناکام امن کی تاریخ" آمیو دومون، صفحہ ۵۷

دستاویز کی شرائط بھول گیا ہے۔ لیکن بعد کے مذاکرات میں اس کا انداز بہت حد تک جولائی کی عرضداشت کے جذبے کا آئینہ دار تھا۔

ہدایات کی غیر موجودگی میں موسیو سینتینی اور اس کے ساتھی ویت منھ کی پیشکش کا ایسا جواب دینے پر مجبور ہو گئے جو قطعی نہیں تھا، حالانکہ شائستہ تھا۔ ان کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ان کا پیغام خصوصی عملے نے آگے پہنچایا بھی ہے یا نہیں۔ شاید چچا ہو اور پیرس کے درمیان تصفیے کے بہت سے ایسے مواقع میں سے جو کھو دیئے گئے یہ پہلا موقع تھا۔

کئی سالوں کے وقفے کے بعد اچانک ہو دوبارہ فرانس کے روبرو تھا۔ ۱۹۲۳ء میں اس انقلابی کے پیرس سے ماسکو روانہ ہو جانے پر ان کے درمیان رشتے کا پہلا مرحلہ ختم ہو گیا تھا۔ ایک کمیونسٹ کی حیثیت میں وہ کمیونزم کے دارالخلافے کی زندگی میں شریک ہونا چاہتا تھا، اپنے تجربات کو وسعت دینا چاہتا تھا، بغاوت کے نظری اور تکنیکی پہلوؤں کے علم کو مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اس نے مقید و مفرور پورے ایشیا کا چکر لگایا۔ وہ ہمیشہ پارٹی کو منظم کرتا رہا، منصوبے بناتا رہا، نئے رکن بھرتی کرتا رہا، ان لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتا رہا، جو قطعی فیصلہ نہ کر پائے تھے، زیادہ جوشیلے اراکین کو اعتدال کا سبق دیتا رہا، عیاری سے کام لیتا رہا، 'ا' یا 'ب'، کو پارٹی سے خارج کرنے کا فیصلہ کرتا رہا، ایسے لوگوں کے لئے پھانسی کے احکام جاری کرتا رہا جو کل تک دوست تھے اور پھندے اور جال میں پھنسنے اور ہمت ہار دینے کی ترغیب سے بال بال بچتا رہا۔ وہ بے درد اور سنگدل دنیا میں زندگی گذارتا رہا تھا۔

اور اب اسے اس طاقت کے ساتھ مذاکرات میں شامل ہونے کا موقعہ ملا، جو بہت عرصے سے اس کے ملک پر قابض تھی، جس نے اسے جلاوطن کیا اور اس کے خلاف سزا کا حکم صادر کیا، لیکن جہاں اب ایسے لوگوں کی حکومت تھی ــــ غیر ملکی قبضے کا تجربہ ابھی ذہنوں میں تازہ تھا ــــ جو ایک چوتھائی صدی پہلے اس کے دوست تھے۔

یہ صحیح ہے کہ ویت منھ کو فرانس میں سیاسی صورتِ حال میں تبدیلیوں کے متعلق کچھ زیادہ

خبریں نہیں ملیں اور اخبار کے جو تراشے میسر بھی آئے انہوں نے ویت منہ کو پیرس میں نئی حکومت کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پیشتر اس پہ دوبارہ غور کرنے کی دعوت دی۔ اس کے باوجود یہ قدرتی بات تھی کہ 'لاوی اُوورئیر'۔ 'لو پوپولیر' اور 'لومانیتے' کا مضمون نگار لافانی فرانس کے ساتھ مصالحت کا خواہاں ہو، جس کی حکومت کے نئے وزیروں میں کمیونسٹ ڈپٹی شارل تیلوں اور فرناند گرینیئے اور ان کے کئی سوشلسٹ ساتھی شامل تھے۔

ان دنوں ہو کے الفاظ اور اعمال اور اس پُرجوش استقبال سے، جو ہر اس فرانسیسی کے لئے روا رکھا گیا جس کی ہو سے ملاقات ہوئی، ایک برملا اشتیاق اور بعض اوقات تقریباً خوشی کے احساس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایشیائی انقلاب کے پُرخطر راستوں سے گزرنے کے بعد ہی سہی لیکن کیا اسے ہمیشہ ہی یہ توقع نہیں تھی کہ اس کے ملک کو آزادی پیرس کی وساطت سے ملے گی؟ دوسری طرف اس کے رویئے کو بڑھا چڑھا کر اور زیادہ شائستہ پسندی میں دیکھنا غلط ہو گا۔ زیادہ شائستہ پسندی ہو کا کبھی شیوہ نہیں رہا اور اگر بنیادی مقاصد حاصل کرنے کے لئے سخت اقدام کی ضرورت محسوس ہوئی تو شائستہ پسندی کو اس نے راستے میں حائل نہیں ہونے دیا۔ اور اس کا مقصد ہر ممکن طریقے سے ویتنام کی آزاد سوشلسٹ ریاست قائم کرنا تھا۔

فرانس اور ویت منہ کے درمیان ایک ہی مہینے میں دو دفعہ تبادلہ خیال ہُوا۔ ۱۲ جولائی کو کومادانت ریوول ــــ فرانسیسی افسر جو سن ٹسی سیکٹر کا نگران تھا ــــ نے سوک جیانگ خطے کے ویت منہ کمانڈر سے ملاقات کی۔ ویت منہ کے کمانڈر نے جاپانیوں کے خلاف فرانس سے تعاون کرنے کی پیش کش کی، لیکن اسلحہ اور گولہ بارود طلب کیا۔[1] ریوول نے سینتنی کو رپورٹ دی اور اسے مشورہ دیا کہ اس پیشکش کو منظور کر لیا جائے۔ پیرس سے بھی رجوع کیا گیا اور وہاں سے عارضی طور پہ اُمید افزا خیال کا اظہار کیا گیا۔ ہو کے مقاصد اور اس کی امکانی قوت کا اندازہ کرنے کے لئے ۱۶ جولائی کو ایک فرانکو-امریکی مشن پیراشوٹ کے ذریعے اتارا گیا، جس کی قیادت میجر ٹامس اور لفٹیننٹ مونٹفرٹ کر رہے تھے۔ ویت منہ لیڈروں

---

1. ژاں سینتنی، 'ناکام امن کی تاریخ'، صفحہ ۵۸

کے ساتھ ان کی ملاقات کے نتائج کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن اسی ملاقات میں ہو اور سینتنی کے درمیان براہِ راست گفت و شنید کا منصوبہ تیار کیا گیا۔

فرانس کے سرکاری نمائندے کو یہ اطلاع کہ ویت منھ کا لیڈر اس سے یا کمنگ میں یا ٹانکن کے اس کوہستانی علاقے میں ملاقات کرنا چاہتا ہے، جو گیاپ کی فوجوں کے قبضے میں تھا، اس مشن کے رکن افسر نے دی یا خوش تدبیر میجر گورڈن نے، جو اس منصوبے کی روحِ رواں تھا؛ ژاں سینتنی نے مؤخر الذکر مقام کا انتخاب کیا۔ اس کا خیال تھا کہ ارض ہند چینی پر گفت و شنید کرنے سے فرانس کے حقوق کو تقویت ملے گی۔ تاہم،

"محض واقعات کی تیز رفتاری کے باعث اس منصوبے پر عملدرآمد نہ ہو سکا، اور موسلادھار بارش اس پر مستزاد کہ اس خطے میں ہوائی جہاز کا آنا ناممکن ہوگیا۔ بعد میں ہمیں اتحادی افسروں نے بتایا، جو ان دنوں ویت منھ ہیڈ کوارٹر پر متعین تھے، کہ 'ویت منھ لیگ' کے سربراہ فرانسیسی مندوب کے استقبال کے بہت خواہش مند تھے اور انہوں نے فرانس کے نمائندے کو خوش آمدید کہنے کے لئے خاص جھنڈیوں اور ترنگے علم کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس موقع پر ویت منھ لیڈر فرانسیسی مندوب کے شانہ بشانہ ہنوئی میں داخل ہونا پسند کرتے، جسے فرانسیسی جمہوریہ کی عارضی حکومت نے جاپانی افواج کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد ٹانکن کے دارالخلافے پر قبضہ کرنے کے کام پر مامور کیا تھا[1]۔"

ہو اور اس کے ساتھیوں کی اس مرحلے پر فرانس کے ساتھ نئے رشتے قائم کرنے اور ملک کی سیاسی آزادی سابقہ آقاؤں کے ساتھ سمجھوتے کے ذریعے حاصل کرنے کی خواہش کی کئی طریقوں سے توضیح کی جا سکتی ہے۔ ایک بہت عمدہ توضیح موسیو پال موس نے ایک تار میں کی ہے، جو اس نے مارچ ١٩٤٥ء میں ایک مشن کی تکمیل پر لکھا۔ اس کا لب لباب یہ تھا کہ فرانس کی نسبت ویت نامی قوم پرستوں کے رویے کا انحصار براہِ راست اس بات پر ہوگا کہ دنیا میں پیرس کو کیا مقام حاصل ہے۔ اور اسی سال یعنی ١٩٤٥ء میں ہی جرمنی

---

[1] ژاں سینتنی "ناکام امن کی تاریخ" صفحہ ٥٩۔

کی تیسری پارلیمنٹ کی حالت بالکل سقیم ہو گئی اور فرانس ایک عظیم طاقت کی حیثیت میں دوبارہ اُبھرا۔

انہی بنیادی حقائق نے ویت نامی انقلابیوں کا رویہ متعین کیا، جن کا مارکسی تربیت کی بنا پر حقیقت پسندانہ جانچ پڑتال میں اعتقاد بڑھ گیا تھا۔ پیرس کی نسبت 'مصالحتی' رویے کی ایک اور وجہ فرانسیسی حکومت کا سیاسی ڈھانچہ تھا: تھوڑے ہی عرصے میں اس کا ایک تہائی حصہ کمیونسٹوں اور دوسرا تہائی سوشلسٹوں پر مشتمل تھا۔

آخر میں، جاپانیوں کی حالت چاہے کتنی ہی کمزور تھی، لیکن انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کم از کم کچھ عرصے کے لئے یہی بات قرین مصلحت تھی کہ 'جاپانی فوجی فاشستیوں' کے خلاف لڑائی میں فرانسیسی 'جمہوریت پسندوں' کے ساتھ تعاون کیا جائے، فیلڈ مارشل کاونٹ تیروشی کے فوری پنجۂ غضب کا خطرہ مول لینے سے جنرل دی گال کے ساتھ ایک فاصلے سے گفت و شنید کرنا بہتر تھا....

۲۴ مارچ ۱۹۴۵ء کو پیرس نے ہند چینی سے متعلق اپنے پروگرام کا اعلان کر دیا۔ ویت نامی انقلابیوں کو اس سے بہت مایوسی ہوئی کیونکہ ہند چینی کے پانچ خطوں کے فیڈریشن کا منصوبہ ان کے روبرو تھا۔ دوسرے الفاظ میں فرانسیسی حکومت تین ویت نامی خطوں— ٹانکن، انام، کوچن چین —— کی تقسیم کو برقرار رکھنا چاہتی تھی اور انھیں باقی دو، کیموڈیا اور لاؤس، کی طرح علیحدہ رکھنا چاہتی تھی۔ یہ ضروری تھا کہ ہو جیسے محبِ وطن کو یہ تجویز خطرناک اور اہانت آمیز نظر آئے۔ کیا 'نیا' فرانس یہی کچھ کر سکتا تھا اور بس؟

لیکن واقعات کی رفتار اور تیز ہو گئی اور تمام سابقہ منصوبے منتشر ہو گئے۔ ۵ر اگست کو ہیروشیما پر بم پھینک کر جاپان کو ایک ہی وار میں ڈھیر کر دیا گیا۔ ۱۵ر اگست کو ٹوکیو حکومت نے ہنگامی صلح کی خواہش ظاہر کی۔ جاپانیوں کو فرانسیسی نوآبادیاتی ڈھانچہ تباہ کر دینے کے پانچ ہی ماہ بعد ان کے مورچے سے ہٹا دیا گیا۔ ہو اور اس کے ساتھی مذہبی حِس سے بالکل ہی محروم ہوں گے ورنہ وہ تقریباً کراماتی انداز میں طاقت کی منازل طے کرنے کے عمل سے دہشت زدہ ہو گئے ہوتے۔ تاہم ان میں سے چند

آدمیوں کو ہیگل کے خیالات سے کافی واقفیت تھی اور ان حالات میں انھیں 'خارجی ذرائع سے تاریخ کی جہت کے تعین' کی ایک مثال نظر آ رہی تھی۔

اس موقعے پر ہمیں ایک لمحے کے لئے توقف کرنا ہوگا کہ یہی موقع ہے جب ہو کی شخصیت اور اس کی حکمتِ عملی، جس کی لینن نے تحریک کی، پہلی دفعہ پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد دو تصورات پر ہے :۔ 'اُمید افزا لمحہ' اور 'سب سے مقدم حریف'۔

ہو کی سب سے نمایاں خصوصیت یہی تھی کہ وہ 'اُمید افزا لمحے' کے انتظار میں رہنا۔ اس صدی کی چھٹی دہائی میں دوسری جنگِ ویت نام تک اور اس کے دوران تمام زندگی ہو معرکہ آرائی اور گفت و شنید کے لئے قصداً ساز گار حالات کی فکر میں رہا۔ اور اب اچانک اس کی پارٹی اور شاید ویت نام کے انقلاب کے مستقبل کی ذمہ داری اس پہ تھی

تین چار مہینے سے ہی، لیکن ۹ر مارچ سے یقیناً، اس کے ساتھی ایک بڑا حملہ کرنے کے لئے اس پہ زور دے رہے تھے۔ فرانسیسی راستے سے ہٹ گئے تھے، اب جاپانی فاشسٹیوں پہ ایک بھرپور وار کیوں نہ کیا جائے؟ لیکن ہو نے مخالف قوتوں کا اندازہ کر لیا تھا۔ بین الاقوامی لحاظ سے صورتِ حال ویت منھ کے لئے ساز گار تھی لیکن مقامی طور پہ اب بھی حالات موزوں نہیں تھے۔ انھیں اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب جاپان مقامی طور پہ بھی اتنا ہی کمزور ہو جائے گا جتنا وہ بین الاقوامی طور پہ ہے۔ انھیں ہیروشیما کا انتظار کرنا تھا..... لیکن انھیں فرانس کے بحال ہونے سے پیشتر وار کرنا تھا۔

جہاں تک 'سب سے مقدم حریف' کا تعلق ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک دشمن کو اپنے اوپر طاری نہ کر لیا جائے۔ دشمن بالترتیب یہ تھے :۔ فرانسیسی نو آبادیاتی راج، جاپانی فاشستی، چینی قابض فوج، امریکی استعمار۔ اس لئے ہر موقع پہ خطرے کی اصلی بنیاد کا پتہ لگانا اور دوسروں کی مدد سے اس کی روک تھام کرنا ضروری تھا۔

ہیروشیما کے واقعہ کے چار دن بعد ۱۰ر اگست ۱۹۴۵ء کو ہوچی منھ نے ——— جسے اپنی بیماری سے ابھی پوری طرح نجات حاصل نہیں ہوئی تھی ——— تان تراؤ (صوبہ تھائی انگوین) میں ایک خاص کانفرنس طلب کی۔ اس میں ساٹھ مندوبین نے شرکت کی،

جن میں شمال کے مختلف نسلی گروہوں اور ایسے سیاسی رجحانات کے نمائندے شامل تھے، جو ابھی ویت منھ میں ضم نہیں ہوئے تھے۔ اس کانفرنس کے نتیجے میں ۱۳ اگست کو 'ویت نام کی قومی آزادی کی کمیٹی' تشکیل کی گئی، جس نے 'اتحادیوں کے وارد ہونے سے پیشتر جاپانی فاشسٹیوں سے اختیار چھین لینے کا فیصلہ کیا' (اصطلاحات دلچسپ ہیں)۔ گیاپ نے ہنوئی پہنچنے کے لئے، جہاں وہ اس وقت پہنچا جب اس کے مقامی ساتھی اختیار حاصل کر چکے تھے، حملے شروع کر دیئے تھے کہ ہو نے آخر کار عام بغاوت کا اعلان کیا، جسے وہ کئی دفعہ ملتوی کر چکا تھا:-

"اس وقت قومی آزادی کی کمیٹی عارضی حکومت کے مترادف ہے۔ اس کے گرد جمع ہو جاؤ۔ اس کے احکام کا احترام کرو..... جدوجہد کی راہ بہت طویل اور کٹھن ہے۔ جاپانیوں کی شکست کا مطلب یہ نہیں کہ ہم آزاد اور خود مختار ہو گئے ہیں....."

"میرے ہموطنو! اٹھو۔ آؤ آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنی قوتیں بروئے کار لائیں۔ آزادی حاصل کرنے کی پرجوش جدوجہد میں دنیا کی متعدد مظلوم اقوام ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ہم پیچھے نہیں رہ سکتے..... ویت منھ کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر آگے بڑھو۔"

اس دستاویز پر 'انگوین اے کوک' نے آخری دفعہ دستخط کئے۔

جنگ کا یہ اعلان ہوا تے، سائیگان اور ہنوئی میں بھی مشتہر کیا گیا۔ ہر جگہ جذبات مشتعل ہو رہے تھے۔ 'انگوین اے کوک'— اس نام نے اعلیٰ درجے کا ڈرامہ خیالات کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ جاپان کی قابض فوجیں— شکست خوردہ لیکن اب بھی با اختیار— چشم پوشی کرنے کو تیار تھیں، بالکل اسی طرح جیسے ہو کی رہائی کے وقت کومنتانگ کے لیڈروں نے کیا تھا۔ انہوں نے ایشیائی انقلاب کو یورپیوں کی واپسی پر ترجیح دی۔

جب ژاں سینتنی نے کنمنگ سے روانہ ہونے کی کوشش کی کہ دارالخلافے پہنچ کر جاپان کی شکست کی تصدیق ہو جانے پر فرانسیسی حقوق کا دعویٰ کر سکے تو امریکی فوج کا جنرل ویڈمیر اس کی نقل و حرکت میں حائل ہوا اور اسے ۲۲ اگست تک سفر کرنے کی

اجازت نہ دی - اس دوران میں ویت منھ کے ایجنٹوں نے بے اطمینانی کا ایسا موڈ پیدا کر دیا تھا جو ۱۶ر اگست کو نکتۂ عروج پر پہنچ گیا یعنی اسی دن جب جاپانیوں نے (جن کی حکومت ایک دن پہلے ہتھیار ڈال چکی تھی) پانچ ماہ پہلے باؤدائی کی مقرر کی ہوئی کمزور شاہی حکومت کو تمام اختیارات منتقل کئے - اس دفعہ حریف کا ہو اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا.....

۱۷ر اگست کو جب سیلنتی ابھی کنمنگ میں ہی پھنسا ہوا تھا سول سروِنٹس یونین نے ہڑتال کا اعلان کیا۔ ہنوئی کی دم گھٹنے والی گرمی میں، جس سے دن کے آخری حصّے میں مون سون کی بارش کے باعث نجات ہوئی، سفید نیکر پہنے ہوئے ہزاروں آدمیوں نے شہر کی سڑکوں پر مارچ کیا اور میونسپل تھیٹر کے سامنے جمع ہوئے - پیلے اور سُرخ رنگ کے شاہی جھنڈے کے ساتھ کئی سنہری ستارے والے —— جو ویت منھ کا نشان تھا —— سرخ جھنڈے لٹک رہے تھے - چند سو گز دور سینیر ریذیڈنسی میں 'ٹانکن کی مجلسِ شورہ' جلدی میں بلایا ہوا اجلاس منعقد کر رہی تھی ۔ظاہر تھا کہ واقعات بہت تیز رفتار کے ساتھ آگے بڑھ گئے تھے اور اس کے اراکین، جو دولت اور حیثیت کے مالک تھے، پیچھے رہ گئے تھے ۔تھوڑی سی بحث کے بعد وہ گھبرا کر منتشر ہو گئے -

مقامی ویت منھ لیڈروں نے اپنا ہاتھ دکھایا تھا لیکن بغاوت پر ابھی قابو نہیں پا سکے تھے - ایسا کرنے کے لئے انھیں دو دن کی مہلت درکار تھی، جس میں وہ اپنے آدمی اس تحریک میں شامل کر سکیں، تیاری کر سکیں اور اسے اپنے ڈھب پر لا سکیں -

۱۸ر اگست کو دوبارہ مظاہرے ہوئے، جو اتنے ہی طویل اور بے جہت تھے جتنے کہ پہلے مظاہرے ۔لیکن ۱۹ر اگست کو 'انقلاب سے پہلے کا زمانہ'، 'عام انقلاب' میں بدل گیا۔ یہ وہ اصطلاحات ہیں جو پارٹی کے پروپیگنڈا کے عملے نے بعد میں رائج کیں - اجتماع زیادہ وسیع تھے اور مختلف النوع اور ان میں قلیوں اور عورتوں کی تعداد زیادہ تھی ۔تھیٹر کے سامنے والے حصّے پر سنہری ستاروں والے سُرخ جھنڈے تقریباً بلا شرکتِ غیرے لہرا رہے تھے۔ ان جھنڈوں کو نصب کیا جاتا تو چند لوگ مُکّے دکھاتے لیکن عوام کی اکثریت ان جھنڈوں

کو اسی طرح سلامی دیتی جیسے انھیں فرانسیسیوں نے ترنگے جھنڈے کو سلامی دینا سکھایا تھا۔

۱۹ر اور ۲۰ر اگست کی درمیانی رات کو عوامی بغاوت کا آغاز ہوًا۔ فرانسیسیوں پہ حملے کیئے گئے اور ایک اندازے کے مطابق دس سے زیادہ فرانسیسی مارے گئے۔ باقی ماندہ کے لئے دہشت کے زمانے کا آغاز ہوًا، جو چھ ماہ تک جاری رہا —— جنوب میں مقابلتاً مختصر لیکن اتنا ہی زیادہ خون آشام۔

یہ کمیونزم کے طریقِ کار کی کامیابی تھی:۔ جھنڈیاں، اشتہار، مائکروفون، مترنم نعرے بازی، حتےٰ کہ نعرے لگانے والوں کے سانس پھول جاتے۔ خلقت کو قیادت مہیا کی گئی، اسے ڈھب پر لایا گیا اور صحیح شکل میں ڈھالا گیا۔ اس دوران میں ویت منھ کے منتخب دستوں نے سرکاری عمارات پہ قبضہ کیا اور ہند چینی گارڈ کے اسلحہ اور گولہ بارود کو اپنے تصرف میں لائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قوم پرست تنظیمیں غائب ہوگئی ہوں۔ ۲۰ر اگست کو طلبا کی یونین نے ویت منھ کے ساتھ الحاق کر لیا۔ شہر ہو اور اس کے ساتھیوں کے اختیار میں تھا۔

اس دوران میں اس کے نائب شاہی دارالخلافے ہوائے میں سرگرمِ عمل تھے۔ ۲۵ر اگست کو ان کی کوششوں سے باؤدائی دست بردار ہوگیا اور اس نے 'ڈیموکریٹک ری پبلک' کو خدا سے حاصل ہونے والے وہی اختیارات سونپے، جو اس کے آباواجداد نے اسے دیئے تھے۔ اور سائیگان میں اتنی تیز رفتار سے بڑھتے ہوئے کہ قوم پرستوں کو خبر بھی نہ ہوئی، کمیونسٹوں کے ایک چھوٹے سے فریق نے ۲۳ر اگست کو تران وان جیو کی انتہا پسند قیادت میں 'جنوبی ویت نام کی عارضی ایگزیکٹو کمیٹی' کا اختیار سنبھالا۔

فلپ داویلیر یوں بیان کرتا ہے:۔

۔" جاپانیوں کے ہتھیار ڈالنے کے دس دن بعد ۲۵ر اگست ۱۹۴۵ء کو ویت نام کے سارے علاقے پہ ویت منھ کا قبضہ تھا۔ گفت وشنید، دوسری تحریکوں اور علاقوں میں اپنے آدمیوں کے داخلے کی پالیسی، پراپیگنڈے اور —— سب سے بڑھ کر —— جاپانیوں کی غیر جانب داری کے نتیجے میں اسے اپنے ملک پہ اختیار حاصل ہوگیا تھا۔۔۔۔"[1]

---

[1] ویت نام کی تاریخ، صفحہ ۱۴۲۔

ہو خود ابھی تک پس منظر میں ہی رہا تھا۔ آزادی کی اس کمیٹی کے کئی اراکین، جو اس سے قبل اسی مہینے میں اس کی قیادت میں تشکیل کی گئی تھی، اب تک ہنوئی پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے بائیں بازو کے ممتاز رہنماؤں کی ایک نگران حکومت بنانا شروع کر دی تھی۔ تاہم یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مقامی صورتِ حال اور جاپانیوں کے ارادے واضح ہونے تک ہو اسی طرح پسِ پردہ ہی رہے۔

عام لوگ بہت حیران تھے کہ اس بغاوت کی پشت پناہی کون آدمی کر رہا ہے اور داستانیں گشت لگا رہی تھیں — جو اُمید افزا نہ ہوتیں۔ تقریباً آپ بیتی پر مبنی ناول "بغاوت کے راستے"[۱] میں انگوین تیاں لانگ اس ہیرو (جو اس وقت قید خانے میں تھا) اور اسی کوٹھڑی میں رہنے والے ایک ساتھی کے درمیان ایک گفتگو بیان کرتا ہے۔ "ویت منھ کا لیڈر کون ہے؟" "لوگ کہتے ہیں کہ کوئی چینی کرنیل ہے، جس کا نام ہوچی منھ ہے.....؛" اس دوران میں ویت نامی معاملات پر دسترس رکھنے والے فرانسیسی ماہر غور و فکر میں مشغول تھے۔ ان میں سے کچھ ماہر اس نتیجے پر پہنچے کہ اس بغاوت کا لیڈر ٹریڈ یونینوں کا لیڈر ہوانگ کوک ویت ہے، جو جاسوسی کے محکمے کی فائیلوں میں بابا کانگ کے نام سے مشہور تھا۔ پولیس کے ہاتھوں کئی کئی گھنٹوں کی اذیتوں کے باعث اس کے اعضا گھلے جا چکے تھے اور وہ بہت زیادہ شہرت کا مالک تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہو ۲۱ر اگست کو ہی ہنوئی پہنچ گیا تھا — اس سے ایک دن پہلے جب سینٹنی وہاں پہنچا اور جاپانیوں نے اسے حراست میں لیا۔ پہلے تو وہ خاموشی سے دوستوں کے ساتھ رہتا رہا۔ عارضی حکومت میں ہو کا ایک ساتھی ہو کی اپنے ساتھیوں — یا کم از کم ان لوگوں کے ساتھ جو تونگ بو (پولیٹ بیورو) کے رکن نہیں تھے — کے ساتھ پہلی ملاقات کا حال بیان کرتا ہے۔ کیتھولک طلبا کی ایسوسی ایشن کے صدر، انگوین مانھ ہا، نے جو ابھی ابھی ویت منھ کی پہلی حکومت میں قومی معیشت کا

---

۱ ایڈیتیوں دو سوای، پیرس، ۱۹۵۲ء۔

وزیر مقرر ہُوا تھا، مندرجہ ذیل شگفتہ بیان بہم پہنچایا :-

"ہمارا خیال تھا کہ یہ آدمی ہو چی منھ، جس کے متعلق افواہ گرم تھی کہ بغاوت کو کمانڈ کر رہا ہے، انگوین اے کوک ہے، وہی انقلابی جو جوانی کے زمانے میں ہمارے ذہنوں پر سوار تھا اور جس نے ہمارے تخیّل کو جلا بخشی تھی ...... گیاپ، جسے ہم یونیورسٹی کے زمانے سے جانتے تھے اور جو (ایسا معلوم ہوتا تھا) ۲۰ر اگست سے اس بغاوت کی رہنمائی کر رہا تھا، ہر شام آٹھ بجے سے رات کے بارہ بجے تک مختصر کابینہ کا اجلاس بلایا کرتا تھا، جس میں عوامی معاملات پر بحث ہُوا کرتی تھی۔ ایک شام کو اس نے ہمیں بتایا :- 'کل ہو چی منھ بھی شریک ہوں گے'۔ یہ ۲۵ یا ۲٦ر اگست کی بات ہے۔"

"دوسرے دن جب ہم غلام گردش میں کھڑے باتیں کر رہے تھے تو ہم نے اجنبی شکل کے ایک آدمی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے نیکر پہنی ہوئی تھی، ہاتھ میں چھڑی تھی، اور سر پر ایک بہت ہی عجیب و غریب نوآبادیاتی ہیلمٹ تھی، جس پر بھورے رنگ کا روغن کیا ہُوا تھا۔ وہ حقیقی بوڑھا کردار معلوم ہوتا تھا۔ یہ کون ہے؟ ایک دیہاتی 'کان بو' (عملے کا)، جو ابھی ابھی دھان کے کھیتوں سے آیا ہے؟ مفصل کا کوئی فاضل؟ لیکن ہماری نظر ایک ایسی چھوٹی سی چیز پر پڑ گئی، جو ان دنوں بالکل غیر معمولی بات تھی اور جس سے واضح تھا کہ وہ پارٹی کا کوئی عام رکن نہیں ہے :- اس کی قمیض کی جیب سے امریکی سگرٹوں کا پیکٹ باہر نکلا تھا......"

"وہ میرے پاس آیا اور بہت دوستانہ لہجے میں پُوچھا :- 'کیا آپ ماران کے داماد ہیں؟[1]'

"یہ ہماری پہلی ملاقات تھی ......"

---

[1] موسیو ماران اگست ۱۹۴۴ء میں آزادی ملنے کے وقت سیبن ریجنل کونسل کا چیئرمین تھا۔ انگوین مانھ ہائے نے پانچ ماہ بعد ویت منھ کو چھوڑ دیا۔ پہلے وہ نوم پینھ چلا گیا اور پھر پیرس، جہاں وہ جنوبی ویت نام میں امن اور غیر جانب داری کی مہم کا ایک لیڈر بن گیا۔

"کابینہ کے اجلاس میں ہو سادگی اختیار کرتا - خود مختاری کے اعلان کے موقع پر یکم ستمبر کو وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا لے کر آیا، جس پہ لوگوں میں مشتہر کرنے کے لئے اعلان لکھا ہوا تھا - اس نے یہ ہمارے سامنے رکھ دیا، یکے بعد دیگرے سب کو پڑھایا اور ترمیمیں منظور کیں ـــ حالانکہ اس مرحلے پہ یعنی کمیونسٹ دشمن قوم پرستوں کے کابینہ میں شامل ہونے سے پیشتر شاذ ہی بحث کی ضرورت پیش آتی .....۔"

"ویت منہ کی مکمل حکمرانی تھی اور ہمیں شاذ ہی کوئی اعتراض ہوتا - اس کی اصل پالیسی یہ تھی کہ چینیوں کو ملک سے دور رکھنے اور بغیر لڑائی کے جلد از جلد خود مختاری حاصل کرنے کے لئے فرانس سے سمجھوتا کیا جائے ـ ..... اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟ جب وہ فروری ۱۹۴۶ء میں حد سے زیادہ قوم پرست وی - این - کیمو - ڈی - ڈی کے لیڈروں کو کابینہ میں لانے پہ مجبور ہو گیا تو حالات بگڑنے شروع ہوئے - جب اس نے یہ خبر ہمیں سنائی تو کہا :- "اب سے ہماری حیثیت صرف دوستوں کی ایک منڈلی کی نہیں ہوگی - ہمیں اپنے خیالات کی حمایت کرنی ہوگی - ہم میں سے کئی اصحاب کو اپنے متعین مقام چھوڑنے ہوں گے۔"

"وہ ایک بڑا سا رومال چہرے کے سامنے رکھے رو رہا تھا - اس لمحے نے ہم پہ گہرا اثر چھوڑا۔"

"میں نے اسے صرف دو دفعہ برہم ہوتے ہوئے دیکھا - ایک دفعہ جب پراپیگنڈا کے وزیر تران ہوئی لیو نے، جو ویت منہ وزیروں میں سب سے زیادہ متعصب وزیر تھا، فرانس کے سخت خلاف ایک اعلان ہنوئی کی گلیوں میں لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے مشتہر کرایا - اس نے کابینہ کے اجلاس میں اسے ملامت کی :- اچھا تو نو آبادیاتیوں کو گالیاں دینے میں بہت مزا ہے - اور اس کا آپ کو فائدہ کیا ہوگا؟ دوسری دفعہ ڈاک کے محکمے کے وزیر نے تسلیم کیا کہ وہ صدر کی خواہشات کے مطابق خاص ٹکٹ شائع کرنے میں ناکام رہا تھا - ہو چی منہ کن تندی کے ساتھ اس غریب پہ پل پڑا : "دیکھا! لوگ خود مختاری کے لئے چلّا رہے ہیں اور اس کے باوجود ایک ٹکٹ چھاپنا

بڑی زحمت ہے۔"

۲۹ر اگست کو حکومت کے سربراہ اور وزیروں کے ناموں کا اعلان کیا گیا۔ صدر ہوچی منھ؟ لوگ حیران ہوئے کہ یہ کون ہے؟ زیادہ باخبر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ وہی کمیونسٹ لیڈر ہے، جس کا نام انگوین اے کوک تھا۔ کیا یہ صحیح تھا؟ اخباری نمائندوں کے سوال کے جواب میں صدر نے انکسار کے ساتھ یہ کہنا کافی سمجھا: 'میں ایک انقلابی ہوں۔ میں اس وقت پیدا ہوا جب میرا ملک غلام تھا۔ میں نے جوانی کے زمانے سے اسے آزاد کرانے کی جدوجہد کی ہے۔ یہ میری ایک خوبی ہے۔ میرے ماضی کا لحاظ رکھتے ہوئے میرے ساتھیوں نے مجھے حکومت کا سربراہ چنا۔' دوسرے دن کمننگ ریڈیو نے لیڈر کی زندگی کا خلاصہ مشتہر کیا، جس میں سے کمیونسٹ سرگرمیوں اور روابط کا ذکر حذف کر دیا اور اسے ایک تجربہ کار قوم پرست کی حیثیت میں پیش کیا۔

چند ہی مہینوں میں ہوچی منھ اس نسل کے لئے، جو ابھی تک اپنی حقیقی انفرادیت ڈھونڈنے کے لئے جدوجہد کر رہی تھی، 'چچا ہو' بن گیا۔ ذرا غور کریں کہ ستمبر ۱۹۴۵ء میں پہلے۔ 'بچوں' اور پھر 'بوڑھوں' سے وہ کس طرح مخاطب ہوتا ہے:۔

"میرے بچو!"

"آج ہم ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویت نام کے پہلے سال کا آغاز کرتے ہیں ..... آپ کے والد اور ان سے پہلے ان کے والد کے برعکس یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ ایک آزاد ریاست کی مہیا کی ہوئی تعلیم سے بہرہ ور ہوں گے ..... اسی سال کی غلامی نے ہمارے ملک کی طاقت کو گھٹا دیا ہے۔ اب ہمیں اپنے آباؤ اجداد کی دی ہوئی میراث کو دوبارہ حاصل کرنا ہے اور دنیا کی دوسری اقوام کے ساتھ چلنا ہے۔ کیا ویت نام شہرت و عظمت حاصل کرے گا؟ کیا اس کے عوام پانچ براعظموں کے عوام کے برابر باعزت مقام حاصل کریں گے؟ اس کا انحصار بہت حد تک آپ کی سرگرم کوششوں پر ہوگا ......[1]"

---

[1] مجموعہ، صفحہ ۵۴۔

یہ اسلوب بیان انتہائی ٹھس ہے اور بے جا وطن پرستی پر مبنی ہے۔ لیکن الفاظ میں فخر اور خلوص کا ایک انداز ہے، جو ایسے معاشرے میں مسرت دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس کی خصوصیات میں خاندان کا احساس بھی اتنا ہی شامل ہے جتنا قوم پرستی اور شدتِ جذبات کا عنصر۔

'بوڑھوں کو خط' میں سے میں صرف افتتاحی الفاظ کا اقتباس پیش کروں گا۔ یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں :-

"حضرات!

میں ایک بوڑھے آدمی کی حیثیت میں آپ سے مخاطب ہوں ......"

۷۔ گفت و شنید کنندہ

بے شک فرانس کے ساتھ تعلقات میں کھچاؤ بڑھتا گیا۔ جاپان کی یکایک شکست کی وجہ سے ہو اور اس کے ساتھیوں کو خیال ہُوا کہ وہ 'جمہوری فرانس' کی مدد کے بغیر 'جاپانی فاشستیوں' سے چھٹکارا پا سکتے ہیں اور یہ کہ ہند چینی میں مکمل اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جانے کے باعث انھیں حق پہنچتا ہے کہ اپنے سابقہ آقاؤں کے ساتھ کم التفات سے پیش آئیں۔ دوسری باتوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری تھا۔ قوم پرستوں سے پیچھے رہ جانے کے ڈر سے یہ ضروری تھا کہ ویت منھ نو آبادیاتی نظام کے خلاف شدید حملے کا آغاز کریں اور فوری خود مختاری کا مطالبہ کریں کہ باؤ دائی تخت سے دست بردار ہونے سے پہلے اور بعد اس مطالبے کی حمایت کر رہا تھا۔ (سابقہ شہنشاہ دراصل ہو کی حکومت میں 'سینیر ایڈوائزر' مقرر ہونے والا تھا۔)

تاہم ۲۷ اگست کو وو انگوین گیاپ ژاں سینتنی سے ملاقات کے لئے گیا ـــــ فرانس کے نمائندے کے ہنوئی پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد۔ گیاپ نے اس سے

'مشورے اور ہدایات'[1] حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی اور جب سینٹنی نے ایک بڑے امریکی افسر میجر پٹی کی موجودگی میں اسے اطلاع دی کہ چینی افواج سولھویں خطِ متوازی کے شمال میں، جو تقریباً تورین کے ساتھ واقع ہے، داخل ہو کر جاپانیوں کی جانشین بننے والی ہیں تو وہ اپنی پریشانی چھپا نہ سکا۔

ویت منھ کی راہ میں یہ پہلی غیر متوقع رکاوٹ حائل ہوئی تھی۔ انھیں خیال تھا کہ فرانس سے تعاون بہرحال سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن حالانکہ ہو اور اس کے وزراء اس شام کے اجلاس میں اسی نتیجے پر پہنچے ہوں گے تاہم ۲ر ستمبر کو خودمختاری کے اعلان کے موقع پر منعقد ہونے والے عام جلسے میں انہوں نے فرانس کے متعلق بیان میں معتدل لہجہ اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

جب ان افواج کے کمانڈر انچیف جنرل لیکلرک نے جنھیں مشرقِ بعید میں فرانس کی حکومت دوبارہ بحال کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا، لنکا میں بہت سخت الفاظ میں بیان دیا کہ فرانس ہندچینی میں اپنے حقوق کی حفاظت کا تہیہ کر چکا ہے، چاہے اسے مسلح افواج استعمال کرنی پڑیں، تو حالات نے کچھ بہتر صورت اختیار نہ کی۔ جلسے میں فرانس کے خلاف پُرزور تقریروں کی ذمہ داری کسی حد تک اضطراب اور شدتِ جذبات پر عائد ہوتی ہے۔ ہوچی منھ نے بھی، جو اپنے چند ساتھیوں کو فرانس کے خلاف حملوں میں اعتدال برتنے کی تلقین کیا کرتا تھا، ایک ولولہ انگیز تقریر کی، جو — تمہید کے بعد جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے — فرانس کے خلاف ایک طویل احتجاج تھا۔

اتنی خلقت خاص طور پر اس پُراسرار آدمی کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئی تھی، جو ان چند ہیجان خیز دنوں کی وجہ سے ان کا لیڈر بن گیا تھا۔ ان منظم مظاہروں کے دوران میں جو تمام دن ہوتے رہے، لوگوں نے دراصل فرانس کے خلاف نفرت کا اظہار نہیں کیا۔ ژاں سینٹنی اپنی کتاب[2] میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ 'کئی سو ہزار

۱۔ ژاں سینٹنی، ناکام امن کی تاریخ، صفحہ ۸۶۔

۲۔ ژاں سینٹنی، ناکام امن کی تاریخ، صفحہ ۹۲۔

لوگوں نے اس جلسے میں شرکت کی ۔۔۔۔ جن میں کافی کیتھولک پادری بھی شامل تھے' ۔ وہ 'جلوسوں کے نظم وضبط' اور' بغاوت انگیز نعروں کی غیر موجودگی' کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتا ہے ۔ حالانکہ جلوس کے راستے میں وہ سڑک بھی شامل تھی، جس پر گورنر جنرل کا محل واقع تھا، جو نو آبادیاتی راج کا نشان تھا اور اس کا موجودہ گھر بھی ۔ لیکن گورنر جنرل اور اس کے ساتھیوں نے 'معاندانہ اشاروں کا مشاہدہ نہیں کیا'۔

وہ آگے چل کر بتاتا ہے کہ ہو پہلے ہی 'اعتدال پسند کی حیثیت میں نمایاں ہونا چاہتا تھا' بہرحال اس دن اس تقریر میں، جو اس نے بادنھ چوک میں بنے ہوئے ایک چبوترے سے کی، اعتدال پسندی کا کوئی خاص عنصر موجود نہیں تھا ۔ اس کی داڑھی ہوا میں اُڑ رہی تھی اور اس کی آواز جذبات سے بھرا گئی تھی ۔

"۔۔۔۔ اسّی سال سے زائد مدت سے فرانسیسی نو آبادیاتیوں کے ٹولے نے، تین رنگوں کے تحت جو آزادی، مساوات اور اخوت کا نشان سمجھے جاتے ہیں، ہمارے ملک کو لوٹا ہے اور ہمارے عوام پر مظالم ڈھائے ہیں ۔۔۔۔ فرانسیسیوں نے ہمیں کوئی سیاسی آزادی نہیں دی ہے، انہوں نے وحشیانہ قوانین نافذ کئے ہیں، انہوں نے سکولوں کی نسبت قید خانے زیادہ تعمیر کئے ہیں، انہوں نے ہماری بغاوت کی کوششوں کو خون کے دریاؤں میں ڈبویا ہے، انہوں نے ہماری نسل کو افیون اور شراب سے بدمست کرنے کی کوشش کی ہے ۔۔۔۔ اقتصادی میدان میں انہوں نے ہمیں اس طرح سے لوٹا ہے کہ ہم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے ہیں، انہوں نے ہمارے دھان کے کھیت، ہماری جاگیریں، ہمارے جنگل، ہماری کانیں لوٹی ہیں ۔۔۔۔ انہوں نے نغو ٹیکسوں کا بوجھ ہم پر لادا ہے ۔۔۔۔ انہوں نے ہمارے سرمایہ داروں کو دولت کمانے سے روکا ہے، انہوں نے ہمارے عہدے داروں سے غیر انسانی حد تک فائدہ اٹھایا ہے ۔۔۔۔[1]"

"اس لئے ہم، نئے ویت نام کی عارضی حکومت کے ارکان، عوام کے نمائندے، اعلان

---

[1] اس تقریر کے الفاظ ہو کی اس تقریر سے بالکل مشابہہ ہیں جو اس نے تور کانگریس میں کی ۔

کرتے ہیں کہ ہم فرانسیسی نوآبادیاتی راج کو تسلیم نہیں کرتے، فرانس اور اپنے ملک کے درمیان معاہدوں کو تسلیم نہیں کرتے، ان حقوق کو تسلیم نہیں کرتے جن کا فرانسیسی دعویٰ کرتے ہیں... ...... فرانسیسی نوآبادیاتیوں کی دخل اندازیوں کے خلاف لڑنے کے عزم کا ادعا کرنے میں عوام یکجان ہیں ......[1]"

جو شخص بھی اس تقریر کے بعد ہو سے ملا ہے ان سطور پر حیرانی اور تعجب سے غور کریگا کہ آخر اتنے سیانے اور اپنے آپ پر قابو رکھنے والے شخص کو آخر کیا ہو گیا تھا کہ اس نے اپنی دیرینہ تلخی کا اظہار اس وقت کیا جب وہ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے والا تھا۔ پال موس، جو اس سے اچھی طرح سے واقف ہے، رائے زنی کرتا ہے کہ صدر ہوچی منہ کا پہلا سرکاری کام دیرینہ جلاوطن انگوین اے کوک کا آخری انقلابی کام بھی تھا۔ ایک آدمی کے ذہن میں اس کی ایک ذات دوسرے کو منصب سونپ رہی تھی اور تلخی کو شاید آخری میراث گردانا جا سکتا ہے۔[2]

اس مرحلے پر ایک اور واقعہ سے ظاہر ہوا کہ فرانس اور ویت منہ کے درمیان تعلقات بہتر بنانے کے لئے کافی محنت درکار تھی۔ کلکتہ میں فرانسیسی مندوبین کی جماعت نے ری پبلک کے دو کمشنر مقرر کئے تھے، ایک جنوب کے لئے یعنی موسیو سیدیل، اور ایک شمال کے لئے یعنی موسیو میسمر۔ دونوں کو ملک میں پیراشوٹ کے ذریعے ۲۲ اگست کو اتارا گیا۔ لیکن جبکہ اوّل الذکر زیادہ مشکل کے بغیر سائیگان پہنچ گیا، موخرالذکر تھائی انگوین کے نزدیک پہاڑی علاقے میں اترنے کے بعد ویت منہ کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ اس سے بہت سختی کا سلوک کیا گیا—— قید کیا گیا، بیڑیاں ڈالی گئیں اور اِدھر اُدھر گھسیٹا گیا۔ اس کا ایک ساتھی، ڈاکٹر بران کو دل کا مریض تھا اور 'دوائی' کھانے کے بعد انتقال کر گیا۔ میسمر اپنے وائرلیس آپریٹر مارموں کے ساتھ ۱۸ اکتوبر کو فرار ہو جانے میں کامیاب ہو گیا

---

1. 'مجموعہ' جلد دوم' صفحہ ۳۶ - ۳۷۔
2. 'ویت نام' ایک جنگ کی عمرانیات' صفحہ ۸۸

کیونکہ وہ دیہاتی، جن کے وہ سپرد کیا گیا تھا، چاند کا میلہ منانے میں مصروف تھے۔ گھپ اندھیرے میں دھان کے کھیتوں میں ٹھوکریں کھاتے، خطرے کی گھنٹی کی وجہ سے پریشان وہ دونوں دس گھنٹے تک مشکل چلتے ہوئے آخر کار تعاقب کرنے والوں سے بچ کر نکل گئے اور باک ننھ میں چینیوں کے پاس پہنچ گئے — جو دونوں میں سے کمتر بد تھے۔ وہاں سے میسر نے ہنوئی کی راہ لی، جہاں اس نے تزاں سینتنی سے صلاح مشورہ کیا۔ جسے اس دوران میں اس کے قائم مقام کے فرائض انجام دینے کی ہدایات مل چکی تھیں۔ وہ اتنا تھک گیا تھا کہ اس نے سینتنی کو سرکاری طور پر جانشین بننے کی ہدایت کی اور خود سائیگان کے راستے فرانس لوٹ گیا۔ سات ماہ بعد وہ والات میں ویت منھ کے ساتھ گفت و شنید کے لئے مندوبین کی ایک جماعت کے سربراہ کی حیثیت میں ہند چینی واپس آیا۔

بڑھتی ہوئی مشکلات کی وجہ سے میانہ روی کی پالیسی کی حوصلہ افزائی نہیں ہو رہی تھی۔ ہنوئی میں نئے آقا اوائل ستمبر کی تمام مایوسیوں، خاص طور پر ۱۹۴۵ء– ۱۹۴۴ء کے موسم سرما کے ہیبت ناک قحط، کے نتائج کے لئے اپنے فرانسیسی پیشروؤں کو قابلِ ملامت گردانتے تھے۔

۲، ستمبر کو ہو نے اپنی حکومت کو چند اقتصادی اور مالی اقدام کرنے پر آمادہ کیا، جس سے قحط کے اثرات میں کچھ کمی واقع ہونے کا امکان تھا:۔ عام چندے کی بنا ڈالی گئی، ہر دس دن کے بعد روزہ رکھنے کی ابتدا کی گئی، چاول اور جو سے شراب بنانے کی ممانعت کی گئی، خوراک کی فصلوں کی پیدائش افزا کاشت کے احکام جاری کئے گئے، ہر جگہ پیداوار میں زیادہ اضافہ کرنے پر زور دیا گیا۔

اس وقت ویت منھ کے فرانس کے ساتھ تعلقات اور ہو اور اس کے وزراء کی عوام کے ساتھ سخت گیری کے متعلق غور کرتے وقت یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ان پہلے ہفتوں میں خوفناک قحط کی دہشت نے سیاسی آزادی حاصل کرنے کی خوشی کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ ویت منھ کے مطابق بیس لاکھ اور فرانسیسی اور جاپانی ذرائع کے مطابق چار لاکھ اموات واقع ہوئیں۔ مرنے والوں کی تعداد کچھ بھی ہو یہ ہیبت ناک ابتلا تھی جس نے انقلابی حکام کو مجبور کر دیا کہ روزے رکھنے کی ابتدا کریں اور اس لفظ میں ایک عجیب

مذہبی گونج پائی جاتی ہے ۔ لیکن بات چاہے 'روزنے' کی کریں یا 'راتن' کی صورتِ حال المناک تھی اور اس وقت کی جانے والی بہت سی زیادتیوں کا سبب بھی یہی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ویت منھ حکومت کے سیاسی اور معاشرتی انداز پہ ایک یک رنگ اور سخت قسم کی سادگی اثر انداز ہونے لگی ۔

۲۵ ؍ نومبر کو مرکزی کمیٹی نے مندرجہ ذیل ہدایات جاری کیں :-

"ہند چینی کے عوام کے بڑے دشمن فرانسیسی نوآبادیاتی حملہ آور ہیں ۔ اس لئے ہماری تمام کوششیں ان کے خلاف مرتکز ہو جانی چاہئیں ۔ اس وقت ہماری قوم کا بنیادی فرض یہ ہے کہ عوام کی طاقت کو یکجا کر کے مضبوط بنائیں ، فرانسیسی نوآبادیاتی حملہ آوروں کا مقابلہ کریں ، اندرونی غداروں کا خاتمہ کریں اور عام معیارِ زندگی بہتر بنائیں ۔"

اس لئے اب 'سب سے بڑے دشمن' (بہت معقول وجہ کی بنا پہ) جاپانی فاشستی نہیں تھے اور نہ ہی کومنتانگ کا جنگجویانہ نظام ۔ 'سب سے بڑے دشمن' ایک دفعہ اور 'فرانسیسی نوآبادیاتی حملہ آور' تھے ۔

تاہم حالات ایسی صورت اختیار کر رہے تھے کہ ہو کو فرانسیسیوں سے دوبارہ رابطہ قائم کرنے پہ مجبور ہونا تھا ۔ جنرل لیکلرک کی مہم جُو افواج سائیگان کی طرف روانہ ہو چکی تھیں ۔ اس اثنا میں برطانوی فوجوں نے جاپانی فوجوں کی جگہ لے لی تھی ۔ جنرل لوہان کے ماتحت بھوکے چینی دستے ٹانکن پہ حملہ آور ہو رہے تھے ۔ ان کے ساتھ وہ قوم پرست لیڈر بھی تھے ، جن کے خلاف صدر کوانگسی اور ینان میں بیس سال تک لڑتا رہا تھا ۔ یوچو کے سمجھوتے سے عارضی صلح عمل میں آئی تھی ۔ اس کے علاوہ کمیونسٹوں کی مخالف کئی تنظیمیں — مثال کے طور پہ دائی ویت — ونھ ین اور فوک ین ہیں ہو کو نقصان پہنچا رہی تھیں ۔ ان حالات میں فرانس کو مفید توازن کی حیثیت میں استعمال کرنا ناگزیر نظر آ رہا تھا ۔

لیکن ہو اور اس کی کابینہ کے ارکان دی گال کے نمائندوں سے اس وقت تک دوچار ہونے کے لئے آمادہ نہیں تھے جب تک انھیں امریکہ کی خیر خواہی کا یقین نہ ہو جائے ۔ روس بہت دُور تھا اور پھر ہو کی سخت آرزو تھی کہ اس وقت مدد کے لئے اس سے

رجوع نہ کرے۔ بعد میں حقیقی دوستوں کو تسلیم کرنے کے لئے اور بہت سے مواقع ہوں گے۔ ۲۶ راگست کو ایک امریکی تحقیقاتی مشن آیا، جس کا اس معیار سے بھی زیادہ پُرجوش استقبال کیا گیا جو سرد جنگ سے پہلے رائج تھا۔ اس دن جب امریکی قومی ترانہ بجا تو لوگوں نے دیکھا کہ انگوین گیاپ ستاروں اور دھاریوں کو بھینچے ہوئے مکّوں سے سلامی دے رہا تھا۔

ویت منھ لیڈر ہنوئی میں امریکی نمائندے کے ساتھ پُرخلوص نہیں تو گہرے روابط قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے نو آبادیاتیوں کے خلاف امریکی جذبے سے، جو ایشیائی سیاست کے بارے میں امریکی اندازِ فکر کی بنیاد تھا، پوری طرح فائدہ اٹھایا۔ فرانسیسی ویتنامی بات چیت کے سلسلے میں جو عنقریب ہونے والی تھی[1] ہو اور اس کی کابینہ کے ارکان اکثر میجر ارشمیدس پٹی، کپتان فارس اور جنرل گالاگھر کے ساتھ نظر آتے۔

اس بات چیت کا اس کے صحیح تاریخی تناظر میں جائزہ لینا ہے:۔ "نو آبادیوں کو آزادی دینے" کے عمل کے آغاز کی مثالیں مقامی طور پر انڈونیشی بغاوت اور مستقبلِ قریب میں ہندوستان کے حقِ خود اختیاری اور چینی کمیونزم کے ارتقا میں ملتی ہیں۔ اسی طرح سیاسی فضا بھی اہم قابلِ لحاظ امر ہے:۔ فرانس پر ایسی حکومت راج کر رہی تھی جس کا نائب وزیر اعظم موریس تھورے تھا (جبکہ ماؤزے تنگ ابھی تک ٹانکن کی سرحد سے ہزاروں میل دور چین کے شمال مغربی صوبوں میں پھنسا ہوا تھا) آخر میں جنگی صورتِ حال پر غور کرنا بھی ضروری ہے:۔ ینان کی چار 'افواج' ظاہری طور پر جاپانیوں سے زمامِ اقتدار حاصل کرنے کے لئے اور در اصل وہاں رہائش پذیر ہونے کے ارادے سے ٹانکن میں چاروں طرف پھیل رہی تھیں اور جنرل لیکلرک کی مہم جُو فوج، جو جنوب میں پہلے ہی اپنے قدم جما چکی تھی، شمال کی طرف پا برکاب تھی۔

آیئے شطرنج کی بساط پر مہروں کا جائزہ لیں۔ پہلے ہنوئی میں قومی کمیونسٹ حکومت،

---

1 دیکھیں باب ۱۲۔

جو ابھی تک غیر یقینی حالت میں اپنا راستہ ٹٹول رہی تھی۔ اس نے بے باک اقدام کی بنا پر طاقت تو حاصل کر لی تھی لیکن کم تعداد ذرائع اور ناتجربہ کار حامئیوں کی وجہ سے مخالف تنظیموں کی مخاصمت کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ دوسرے، ایک فرانسیسی فوجی دستہ، جو ٹانکن پر چڑھائی کر رہا تھا اور جس کے آگے آگے سیاسی مندوبین کی ایک جماعت آ رہی تھی، جو اس حکومت کی نمائندگی کر رہی تھی جس نے فاشستیوں کے خلاف جنگ کی تھی اور جس کے ارکان میں ایسے لوگ شامل تھے جو بہت عرصہ تک ہو کے دوست رہے تھے۔ تیسرے، چینی لٹیروں کا ایک گروہ، جو ٹانکن میں سرگرم عمل تھا اور جسے ایسی حکومت کی حمایت حاصل تھی جس کا تھوڑے عرصے میں ڈھیر ہو جانا یقینی تھا — یہ بات سب پر عیاں تھی۔ لیکن یہ گروہ اتنا غیر منضبط اور بھوکا تھا کہ ان کی موجودگی سے شمالی ہند چینی میں طوائف الملوکی اور تباہی کا خطرہ تھا۔ یہ تھیں بنیادی باتیں جن کا پال موسُ نے ۱۹۴۶ء کی "سیاسی جنگی مثلث" کی صورت میں خلاصہ کیا ہے۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ان دو آدمیوں نے، جنھیں ان کشیدگی سے پُر اور فیصلہ کُن مہینوں میں کلیدی حیثیت حاصل رہی، اس مسئلے کو کس طرح سلجھایا — سینتنی اور ہوچی منھ۔ ان لوگوں کو اہمیت دینے کا مطلب جنرل لیکلرک (یہاں پر جو کچھ سینتنی کے متعلق کہا گیا ہے اس کا اطلاق اسی حد تک اس پر بھی کیا جا سکتا ہے) یا اَدمیرال دارژانلیو یا موسیو موتے یا جنرل لوہان کے کردار کو گھٹا کر پیش کرنا نہیں ہے۔ ان میں سے ہر شخص اپنی حیثیت، اپنے مقام اور اپنے ماضی کے مطابق اپنا کردار ادا کرتے میں کم یا زیادہ حد تک اپنی آزادیٔ عمل اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ اس کے برعکس فرانسیسی قوم پرست سینتنی محض عزمِ صمیم اور غیر مبہم اندازِ فکر کی بنا پر مسائل کو جانچنے کا ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جو اس زمانے میں بالکل نیا تھا جبکہ مارکسی ویت نامی نے رومانی انقلابی کا کردار ادا کرنے کی ترغیب کی مزاحمت کی اور اس کی بجائے وقت کے تقاضوں کے مطابق مسائل کے حل میں

---

۱ ویتنام، ایک جنگ کی عمرانیات، صفحہ ۷۴،

میانہ روی اختیار کی - یہ بات قابلِ غور ہے کہ گفت وشنید کے لئے رضامندی کا اظہار کرکے ہو ان جبلی افعال کے خلاف نبرد آزما ہو رہا تھا جو اسے ایسے شخص کے سلسلے میں چوکنا رہنے کا مشورہ دے رہے ہوں گے جو ہند چینی کے سابقہ گورنر جنرل آلبر سارو کا داماد اور "لوپاریا" کا چہیتا ہدف ہی نہیں تھا (باوجود اس کے کہ وہ نسبتاً آزاد خیال تھا) بلکہ بنک آف انڈو چائنا کے ڈائرکٹر ژاں لوراں کا دوست بھی تھا - ویت منھ لیڈر اس قدامت پسند پسِ منظر سے ہٹ کر دیکھنے اور سینتنی کی انسانی خوبیوں کو تسلیم کرنے کی اہمیت رکھتا تھا - اس کے سلسلے میں اتنا کہہ دینا میرے نزدیک بہت ہے -

لیکلرک کی طرح سینتنی بھی پیرس سے یہ مقصد لے کر روانہ ہوا تھا کہ ہند چینی میں فرانس کی املاک کو دوبارہ بحال کرے - اس کا خیال تھا کہ جاپان کی کامیابیوں، آدمیرال دوکو کی تعاون کرنے کی پالیسی اور ۹ مارچ ۱۹۴۵ء کی تذلیل کے باعث یہ املاک اگر تباہ نہیں ہوئیں تو انھیں نقصان ضرور پہنچا تھا - ان میں سے ایک ملک مسلح طاقت تھی - لیکن فرانس کی "عزت" بحال ہوتے ہی اسے غلبہ حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ گفت وشنید شروع کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہیئے - اس نے بہت جلد مشرقِ بعید میں فرانس کے وسائل، اس کے اتحادیوں کے جذبات، وہ خطۂ زمین جس پر جنگ لڑی جائے گی اور انقلاب کی پشت پہ جذبات کی شدّت کا اندازہ کر لیا تھا - ان تمام باتوں نے اسے تب ہی خبردار کر دیا تھا کہ اپنے ملک کو اس خطرناک مہم میں نہیں دھکیل دینا چاہیئے -

اس نے جان لیا تھا کہ یہ بات کتنی ضروری ہے کہ اسے اس دلدل میں دھنسنے سے احتراز کرنا چاہیئے، پسپا ہونے کے لئے ہمیشہ جگہ چھوڑنا چاہیئے اور آزادئ عمل برقرار رکھتے ہوئے ناگزیر کو تسلیم کرنا چاہیئے - بعض لوگ اس پر گھرے سیاسی تدبر کے بجائے حکمتِ عملی کی بصیرت اور آزادئ خیال کے بجائے عملیت پر یقین رکھنے کا الزام لگائیں گے - اور کیوں نہ لگائیں؛ جب حکمتِ عملی سے اس حد تک کام لیا جائے تو صحیح طریقے سے جانچے ہوئے لوازم کو دانائی اور حقیقت پسندی کو اعلیٰ غور وفکر کے برابر گردانا جا سکتا ہے - آخر ایسی آزاد خیالی کی قدر ہی کیا ہے جو جابرانہ طریقِ کار کو محض خیالی طور پر بُرا گردانے؛ سیاست میں صحیح اعتدال پسندی

کا مطلب یہ ہے کہ طاقت کا مظاہرہ کرنے اور طاقت استعمال کرنے کے درمیان کہاں حد مقرر کی جائے۔

سینٹنی کو فرانس کے حقوق تسلیم کرانے کے لئے ویت منھ کے دارالحکومت کے اندر لیکلرک کے ٹینکوں کی پشت پناہی درکار تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ویت نام کی خود مختاری کے دعوے کو ماننے کے لئے تیار تھا۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے یہ دلیرانہ قدم اٹھانے کے لئے پیرس کی اجازت لئے بغیر سب سے پہلے لیکلرک کی زبان سے یہ بات نکلی اور سینٹنی اور اس کے دو بڑے شرکائے کار پینیوں اور سالاں کے لئے دائرۂ عمل وسیع ہو گیا۔ اور یہ جرنیل یقیناً خود مختاری دینے کے عمل کو ایسا کھیل تصور نہیں کرتا تھا جو شہزادوں اور کٹھ پتلیوں کے ساتھ کھیلا جائے۔ اس نے ہنوئی میں اپنے ساتھیوں کو تار کے ذریعے اطلاع دی کہ اس کی مہم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ایک ایسی 'حقیقی حکومت' وہاں موجود نہ ہو، جو اپنا نقطۂ نظر اس کے سامنے پیش کر سکے۔ سینٹنی اور اس کے رفقائے کار نے یہ موقف اختیار کیا کہ ایک ایسا سیاسی گروہ جو اتنا طاقتور ہو کہ حقیقی مزاحمت پیش کر سکے وہی اتنا طاقتور ہو گا کہ اس پر انحصار کیا جا سکے۔ اس لئے انہوں نے انقلابی تحریک میں نااتفاقی پیدا کرتے اور چینیوں کے حامی قوم پرستوں، جاپانیوں کے حامی عناصر، 'ترقی پسندوں' اور کمیونسٹوں کے درمیان موجود رقابت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ویت منھ کے کٹر گروہ کے ساتھ گفت و شنید کرنے کے کٹھن راستے کا انتخاب کیا۔

جب ہو نے اپنی جانب سے صورتِ حال کا جائزہ لینا شروع کیا تو چینی خطرے اور انتہا پسند ویتنامی قوم پرستوں کی طرف سے ہونے والی مخالفت کا پوری طرح اندازہ کیا۔ اس نے رائے عامہ کے دباؤ اور فوری طور پر آزادی حاصل کرنے کے لئے عوام کی نہ بجھنے والی پیاس کو ذہن میں رکھا۔ اس نے جنرل لیکلرک کی مہم جُو فوج کی طاقت، فرانسیسی نوآبادیاتی راج کی یاد اور صدیوں کے چینی حملوں کی یاد کو ترازو میں رکھا۔ اس نے تسلیم کیا کہ پیرس میں تین پارٹیوں کی حکومت کے قیام سے فرانس اور ویت نام کے درمیان حقیقی تعاون کی

اُمید بندھتی تھی، لیکن اسے نظر آ رہا تھا کہ یہ حکومت کتنی ناپائیدار ہے اور ٹال مٹول کے لئے تیار - اس نے چین کے غیر ترقی یافتہ ہونے اور روس کے (اس مرحلہ پر) ان کی مدد کو نہ پہنچنے کی روشنی میں اپنے ملک کی اقتصادی اور تکنیکی ترقی کے لئے ان مواقع کا اندازہ لگایا جو فرانس اس نئی ری پبلک کو فراہم کر سکتا تھا۔ ماضی، حال اور مستقبل اسے سب مختلف اطراف میں کھینچ رہے تھے۔ ترازو کے پلڑے یعنی جذبات اور ٹھوس حقائق کے درمیان اور پرانے جھگڑوں اور نئی خواہشات کے درمیان آگے پیچھے جھک رہے تھے - ان کے درمیان انتخاب کرنا ضروری تھا ......-

اپنی ہر لمحہ بصیرت سے پُر کتاب 'ویتنام - ایک جگ کی عمرانیات' میں پال موس ہو کی اس وقت کی رائے کا اقتباس پیش کرتا ہے، "کچھ عرصے کے لئے فرانس کے گوبر پر ناک چڑھانا تمام زندگی چین کا گوبر کھانے سے بہتر ہے[1]" یہ قول فرانس کے ہنری چیلام کے شایاں ہے اور اسے ۶ر مارچ ۱۹۴۶ء کے معاہدے کے کتبے کی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے - لیکن اس سلسلے میں ہو کے فیصلے کو محض سیاسی مصلحت بینی خیال کرنا مشکل ہے۔

یہ امر بے حقیقت نہیں کہ اس کا سیاسی شعور فرانس کے ڈھانچے میں ڈھلا تھا، کہ وہ مارکسزم کے ابتدائی اصولوں کی تعلیم کے لئے ژاں لونگے، پال وایاں کوتوریر، ٹرولزراوو اور ژاں دورے کے زیر بار احسان تھا، یا یہ کہ اس نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ تور کے مقام پر کیا تھا - اور یہ محض اتفاق نہیں تھا کہ مذاکرات میں اس نے موسیو کاپو، موسیو بوکے اور موسیو بابو، کی ثمویت پسندی کی جو حالانکہ بائیں بازو سے تعلق رکھتے تھے، شاید انتہائی بائیں بازو سے مگر پھر بھی یہ چاہتے تھے کہ شروع سے آخر تک فرانس کی آواز تیز اور واضح طور پر سُنی جانی چاہیئے -

فرانس کے ابتدائی زمانے سے سخت مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد، تیس سال تک کامنٹرن کا ایجنٹ رہنے کے بعد، پہلے ماسکو میں اور اس کے بعد بورودون کے تحت تعلیم حاصل

---

[1] صفحہ ۸۵

کرنے اور پڑھانے کے بعد، بیس سال تک بیس مختلف ناموں کے تحت ایشیا میں گھومنے اور کومنتانگ کی سازشوں اور دہشتناکیوں کا تجربہ کرنے کے بعد یہ قدرتی بات تھی کہ وہ ہمیشہ سے زیادہ ان عوامل سے ـــــ نوآبادیاتی راج کے مظالم کی یادوں کے علاوہ ـــــ باخبر ہو، جو اس کا رشتہ انقلابی روایت سے جوڑتے ہیں۔

تھوڑے عرصے کے لئے فرانس کے گوبر پہ ناک چڑھانا بہتر ہے .....؛ ہاں، لیکن جیسا کہ کئی مہینوں تک اس کے سینٹنی کے ساتھ، سالاں کے ساتھ، لیکلرک کے ساتھ، فرانسیسی اخبار نویسوں کے ساتھ، باسک کے علاقے کے کسانوں کے ساتھ، برتاؤ سے واضح طور پر ظاہر ہوگا اس بات کی تہہ میں اور باتیں بھی چھپی تھیں۔ یہ محض راضی برضا کا موڈ نہیں تھا، جس نے ہو کو مجبور کر دیا کہ فرانس کے ساتھ معاہدہ کرے اور نہ ہی محض 'خارجی حقائق' کے لحاظ سے مسائل کا حسابی اندازہ۔ اُسے دراصل اپنی زندگی اور تربیت کے دو بے ربط نصفوں کو دوبارہ متحد کرنے کی شدید خواہش آگے دھکیل رہی تھی۔ یہ تفرقہ اس کے ہموطنوں کی تقدیر میں منعکس ہو رہا تھا۔ اور وہ ـــــ اس سے انکار کیوں؟ ـــــ بھائی چارے کے احساس سے بھی باخبر ہو گا۔

لیکن ایک اور پہلو بھی ہے جسے بھولنا نہیں چاہیے :- دوستانہ ذرائع سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش میں یہ شخص، جو ایک زمانے میں 'لوپاریا' کا ایڈیٹر اور نگران رہا تھا، ظاہر ہے کہ دوسری فرانسیسی نوآبادیوں کا بھی لحاظ رکھتا تھا۔ وہ ایک ناقابلِ تلافی شگاف پیدا ہو جانے سے احتراز کرنے کی فکر میں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایسی مثال قائم کرنا چاہتا تھا، جو پیرس کو قابلِ قبول ہو اور مراقش، میڈغاسکر اور سینی گال کے باشندوں کے لئے جلد یا بدیر آزادی حاصل کرنے میں مدد دے، جن کی آرزوں اور غم و غصے میں وہ کئی سال پہلے شریک رہا تھا۔ اس کا حب الوطنی کا جذبہ اور ایشیائی ممالک کے مسائل کے ساتھ اس کی وابستگی کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو، ہو کے زیادہ عمومی مقاصد اور عقائد کو کم حیثیت دینا بالکل غلط ہو گا۔ 'فرانسیسی نوآبادکاری کا عمل' کے مصنف کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ نوآبادیات کا مسئلہ بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ اب جبکہ حالات نے اسے ایسی حیثیت

عطا کی تھی کہ وہ فرانسیسی حکام کے ساتھ مساوات کے اصول کے تحت بات چیت کرے تو نوآبادیوں کے مسائل کو بھولنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

آخر میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حالانکہ انقلابی حکومت کے اندر اس کے مقابلے پر کوئی اور لیڈر نہیں تھا تاہم اسے دو اطراف سے مخالفت کا اندازہ کرنا تھا۔ دائیں طرف قوم پرست گروہ تھے، جو ٹانکن میں چینی افواج کے داخلے پر اتنے ہی خوش تھے جتنا وہ ناخوش اور جنھوں نے اس کی حکومت کو تباہ کرنے کی کوشش میں خون بہانے سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ بائیں طرف تونگ بو (ویت منھ کی 'پولٹبیورو) کے اندر ایک طاقت ور گروہ، جس میں لنگڑا ہوانگ کوک ویت، جو صحیح وجوہ کی بنا پر فرانسیسیوں کا کٹر مخالف تھا، ہوتنگ ماؤ، جو پچھلے بیس سال سے چینی کمیونسٹ پارٹی کا رکن تھا، اور تران ہوئی لیو' ایک سابقہ قوم پرست جنگجو، جس نے اپنے تعصبات کو ویت منھ کے اندر نقش کر دیا تھا، شامل تھے، اس کی پالیسیوں کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ سابقہ شہنشاہ باؤدائی ——— اب 'وتھ تروئی' کابینہ کا سینیئر ایڈوائزر ——— عوام میں اپنی شہرت بحال کرنے کی خاطر حکومت پر یہ الزام لگا کر اس کی مذمت کرنے والا تھا کہ یہ بہت اعتدال پسند ہے۔

فروری ۱۹۴۶ء کے اواخر میں یعنی معاہدوں پر دستخط ہونے سے چند ہی دن پہلے مجھے ہو کی تکلیف دہ صورتِ حال کا وافر ثبوت ملا۔ کئی ممتاز شخصیتوں اور آخر میں خود صدر کے ساتھ انٹرویو کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ وہ کتنے شدید گومگو کے عالم میں ہے۔ تران ہوئی لیو کی آنکھیں بے رحم تھیں اور اُلجھے ہوئے بالوں کے نیچے پرانے پُرشکن چمڑے کی طرح کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے اعصاب تلخی اور نامنظوری کے احساس سے تنے ہوئے تھے ——— وہ صرف فرانس کے "جرائم" کے متعلق بات کر سکتا تھا۔ باؤدائی نے، جس کے چہرے پر کوفت کا اظہار نمایاں تھا، مجھے بتایا کہ اسے پیرس کے ساتھ کسی بھی معاہدے کے متعلق بہت شکوک تھے۔ وو انگوین گیاپ نے، جو صدر کا دستِ راست تھا، مصالحت کے امکان کو بالکل خارج از بحث نہیں کیا لیکن اس نے مجھے جتایا کہ ویت نامی اتنے طاقتور ہیں کہ فرانس کو مجبور کر سکتے ہیں اور اگر ان پر دباؤ ڈالا گیا تو وہ شدید زیرِ زمین

حملوں کی پالیسی اختیار کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ (بڑی پیشانی والا سر جھکا کر اس نے کس طریقے سے یہ بات کہی! اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں اور اس کی آواز ایسی تھی جیسے چہرے پر تھپڑ مار رہی ہو) ہو بالکل مختلف زبان میں بات کر رہا تھا یا کم ازکم اس کا لہجہ بالکل مختلف تھا۔

ستمبر ۱۹۴۵ء میں فرانسیسی اخبار نویسوں کے ساتھ اولیں انٹرویو میں ہی (جن میں 'لوفگارو' کا جیمز دوکو کے شامل تھا) ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرانس کے ساتھ مصالحت کرنے کی خواہش ویتنام کی خود مختاری کو تسلیم کرانے کے مضبوط عزم سے بھی زیادہ نمایاں تھی۔

اس نے ژاں میشل ہرترش کو بتایا:-

"فرانس اور ویتنام کی عرصہ ہوا شادی ہوئی تھی۔ شادی تمام عرصہ کامیاب نہیں رہی لیکن ہمیں اس کے منسوخ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا..... فرانس ایک عجیب وغریب ملک ہے۔ یہاں قابلِ ستائش خیالات جنم لیتے ہیں لیکن سفر پہ روانہ ہونے کے وقت یہ ان خیالات کو برآمد نہیں کرتا.....[۱]"

اور آندرے بلانشے سے اس نے کہا: "اگر فرانسیسیوں کو امن کے جذبے کے تحت یہاں بھیجا جائے تو انھیں ستانے والا میری لاش پر ہی انھیں ستائے گا۔[۲]"

جنوری ۱۹۴۶ء کے اوائل میں یعنی اسی دن جب بہت منظم عام انتخابات کے نتیجے میں ویت منھ کو اتنی اکثریت حاصل ہوگئی کہ وہ مطمئن ہو جائے تو اس نے 'ریزِ نانس' کے خصوصی نامہ نگار پی۔ ایم ویسینگ کو یقین دلایا:

"ہم فرانس اور فرانسیسی عوام سے نفرت نہیں کرتے۔ یہ ہمارے لئے بہت بری بات ہوگی کہ ہم دوسرے لوگوں کو موقع دیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ ہم آپس میں مصالحت چاہتے ہیں — ہمیں مصالحت ضرور کرنی چاہیے۔ لیکن

---

۱ 'تربیوں دے ناسیوں' ۱۴ اپریل ۱۹۵۶ء

۲ 'پیلے رنگوں کی بستی' صفحہ ۱۹۳

میرے الفاظ یاد رکھنا :۔ اگر ہمیں لڑائی پہ مجبور کیا گیا تو ہم آخر دم تک لڑنے کے لئے عزم کئے ہوئے ہیں "

میں نے اسے داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، مجھے اس کے داخل ہونے کی آواز بھی نہیں آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بھکاری پادری کے سینڈلوں کی طرح اس کے سینڈل محل کے چمکتے ہوئے فرش پہ پھسلتے چلے جا رہے تھے۔ اس محل میں پہلے فرانس کا ریزیڈنٹ رہا کرتا تھا۔ "آپ کی تشریف آوری کا شکریہ، جناب عالی"۔ آواز باریک تھی اور اس میں ذرا تتلاہٹ پائی جاتی تھی۔ اور اس کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ فقرے کچھ رک رک کر نکل رہے تھے حالانکہ ویت نامی زبان کے فقرے ٹیبل ٹینس کے کھیل میں تیز مقابلے کی طرح اوپر تلے چلے آتے ہیں۔ اس کی آواز جرمن کے بھی اتنی ہی مشابہہ تھی جتنی چینی کے۔

اس زمانے میں میں اس شخص کی داستان میں غرق تھا اور اس کے متعلق اخبار نویسوں سراغ رسانوں، ولیوں کے سوانح نگاروں اور پروپیگنڈا کرنے والوں کا لکھا ہوا ہر لفظ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا ..... لیکن اس خصوصی مطالعہ کے بغیر بھی میں اس ہستی کا گرویدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا، جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ قد میں زیادہ لمبا اور زیادہ جھکا ہوا ہو گا اور اس کے چہرے پر اتنا اطمینان اور اتنی قناعت نظر نہیں آئے گی۔ میں حیران تھا کہ اس کے تجربات ـــ برسوں مفرور اور لمبے لمبے عرصے تک جیل میں رہنے ـــ نے اس پر زیادہ تلخی کے نشانات نہیں چھوڑے تھے۔

بزرگانہ شفقت کے غیر متوقع عنصر کے علاوہ جو چیز میری توجہ کا مرکز بنی وہ اس کی بڑی پیشانی، سفید بالوں کے گچھے اور گھنی بھوؤں کے نیچے آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک تھی۔ یہ بال اس حد تک سیدھے کھڑے تھے کہ اگر اس کے چہرے مہرے اور طرزِ عمل میں ایک قابلِ حرمت آن بان نہ ہوتی تو وہ بالکل سرکس کا 'مسخرہ' لگتا۔ ان غیر معمولی آنکھوں سے جو کچھ ظاہر ہوتا تھا اس کے لئے لفظ 'بے تصنع' موزوں ہے لیکن مجھے اس کے متعلق چند ایسی باتیں معلوم تھیں جو اس امکان کو خارج از بحث کر دیتی ہیں کہ اس کے خاص

اوصاف میں بھولا پن بھی شامل ہو سکتا ہے۔

میں نے اس کی خوش خلقی اور التفات میں کچھ اناڑی پن کا شائبہ پایا۔ جب اس نے مجھے چائے پینے کے لئے کہا، یا مجھے کرسی کھینچ کر دی، یا سگریٹ پیش کیا تو اس انداز میں جیسے نوآبادیاتی گورنر کا آرائشی سامان استعمال کرنے کے لئے معذرت پیش کر رہا ہو۔ اس وقت سے لے کر اب تک لوگوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ یہ اناڑی پن ایک سوانگ تھا، جس کی بہت احتیاط سے مشق اور تیاری کی گئی تھی اور جس کا مطلب یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ بھی ایک چھوٹا موٹا کمیونسٹ ہے، جو غلط جگہ پیدا ہوا۔ لیکن کیا وہ دلربا انداز اور تعلق پیدا کرنے کا وہ غیر معمولی ملکہ —— وہ ملکہ جس سے فوری طور پر خلوص اور براہِ راست تبادلہ خیال شروع ہو جائے اور عام الفاظ ایک نئی اور حیران کن حد تک تازہ گونج اختیار کر لیں بناوٹ سے پیدا ہو سکتا ہے؟

اس دن جو باتیں ہوئیں اس کا خاکہ میرے ذہن میں اتنا نامکمل کیوں ہے؟ حالانکہ میں نوجوان، اجنبی اور غیر اہم شخص تھا لیکن اس کے باوجود وہ پُر خلوص اور پُر توجہ نظروں سے متواتر میری طرف دیکھتا رہا اور اس نگاہ کی آب و تاب نے ہمارے درمیان گفت و شنید کی یادداشت کو پسِ پشت ڈال دیا۔ وہ دونوں پاؤں ساتھ ساتھ رکھے ایک کشادہ صوفے پر ترچھا بیٹھا ہُوا اپنی موہوم آواز میں باتیں کر رہا تھا —— ستم ظریف بھوت کی آواز میں:-

"آپ جیسی نسل کو، جس نے دنیا کو آزادی کے ادب سے نوازا ہے، چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ کرے ہمارے ہاں دوست مل جائیں گے۔ جناب عالی! آپ نہیں جانتے کہ میں ہر سال وکٹر ہیوگو اور مشیلے کتنے شوق سے دوبارہ پڑھتا ہوں۔ ان کا انداز سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ یہ انداز آپ کے ملک کے عوام کا انداز ہے، جو حیرت انگیز طریقے سے ہمارے ملک کے عوام کے انداز کے مشابہ ہے ...... اس کے برعکس یہ انداز ان فرانسیسیوں کے انداز سے کتنا مختلف ہے جنھوں نے آپ کے ملک کی یہاں غلط نمائندگی کی ہے ...... جناب عالی! اگر نوآبادیاتی نظام لوگوں میں اس حد تک تغیر لانے کی طاقت رکھتا ہے تو

یہ نظام یقیناً بُرا نظام ہوگا۔"

اس کی داڑھی حرکت کرنے لگی، اس کے ہاتھ اور بھی فصیح ہو گئے اور اس کی آواز اور بھی باریک اور تیز۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ مخالفانہ تنقید نہ شروع کر دے، جس سے اس کے مہمان کے جذبات کو ٹھیس لگے، اس نے فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پایا ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر دوڑنے لگی اور گال کی بڑی بڑی ہڈیاں چمکتی ہوئی آنکھوں کی طرف اُٹھ گئیں، جن میں سے — وقتی طور پر — بھولا پن واقعی غائب ہو گیا تھا۔ اس کی اینٹھی ہوئی مسکراہٹ نے، جس سے اس کے غمگین دانتوں کی قطار فوراً ہی ظاہر ہو گئی، مجھے احساس دلایا کہ اس شخص کی دلربائی کی حدیں مقرر ہیں۔ لیکن چینی دلال سے اس کی وقتی مشابہت ذہن سے جلد ہی مٹ گئی اور میں ایک دفعہ اور سینٹ فرانسس کے پیروکار گاندھی کی لاچار کر دینے والی نگاہ سے لطف اندوز ہونے لگا۔

اس کا ریت کے رنگ کا تار تار چغہ دیکھ کر سن یاٹ سین کے چغے اور ساتھ ہی پرانے فیشن کی ان یونیفارموں کی یاد تازہ ہوتی، جو جنوبی فرانس کے ساحل کے ساتھ واقع چھوٹے بندرگاہی شہروں میں اپنی پنشن کے سہارے رہنے والے نو آبادیوں کے سابق ملازم اب بھی کبھی کبھی پہنتے تھے۔ اس لباس میں ہو قدیم انام کی قابلِ احترام افسر شاہی کا ایک فرد معلوم ہوتا، جس نے انقلابی کے جنم میں دوبارہ آنا منتخب کیا ہو۔

ٹانکن میں فرانس کے کردار کے متعلق میری کسی رائے کے جواب میں اس نے تلخ انداز میں کہا: "لیکن اب ہم بلوڈیولز کے زمانے میں نہیں رہ رہے ....."۔ کیا یہ بے تصنع جواب سوچا سمجھا جواب تھا یا ذہنی فروگزاشت؛ شام کی کلاس میں سنا ہوا فقرہ؟ سانس لینے کے لئے رکے بغیر اس نے بہت سنجیدگی کے ساتھ ویت منھ کی ماہیت اور مقاصد کا خلاصہ بیان کیا اور اسے سیدھے سادے قومی جمہوری محاذ کے روپ میں پیش کیا، جس میں کمیونسٹ دوست اکثریت میں ہونے کے باوجود باقیوں سے زیادہ اہم کردار نہیں ادا کر رہے تھے۔ میں یہ تصور کرنے میں حق بجانب ہوتا کہ میں ایک ایسے زیرک انسان کی باتیں سن رہا ہوں جو آزادی اور اصلاح کے بارے میں ترقی پسند خیالات رکھتا ہے اور جو بجٹ پاس کرانے

کے لئے عمل میں آئی ہوئی پارلیمانی کوالیشن یا انتخابی اتحاد کی وضاحت کر رہا ہے۔

لیکن اس کی ان سوالوں سے پہلو تہی کرنے کی قابلیت، جنھیں وہ قبل از وقت یا ٹیڑھے محسوس کرتا، اپنے آپ کو ایسے اعتدال پسند شخص کی حیثیت میں پیش کرنے کی مہارت سے تجاوز کر گئی تھی، جس کے مقاصد سے خطرہ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ فروری ۱۹۴۶ء کے اِن آخری دنوں میں اس کے اور سینٹنی کے درمیان مذاکرات آخری مرحلے میں پہنچ گئے تھے۔ لیکن جب میں نے اس مسئلے پر اس کے خیالات جاننے کی کوشش کی تو اس نے جنرل ڈی گال کی تعریف میں ایک دو لفظ کہہ کر، دوسری دہائی میں پیرس کی یاد تازہ کر کے، آندرے مالرو کے متعلق باتیں کر کے، مجھ سے فرانسیسی اخبارات کے بارے میں سوالات کر کے بار بار پہلو بچایا۔ آخر میں اس نے مسکرا کر کہا: "ہمارے درمیان سمجھوتہ ہو جانے کا امکان ہے موسیو سینٹنی بہت نفیس آدمی ہیں......"

اس سے میں یہی کچھ حاصل کر سکا۔ لیکن بہت سے دوسرے اخبار نویسوں کی طرح میں بھی انٹرویو کے دوران مبہوت تھا۔

سمجھوتے کا اِمکان واقعی نظر آ رہا تھا۔ سینٹنی کے ماتحت موسیو پینوں اور شمال میں فرانسیسی افواج کے کمانڈر جنرل الیساندری نے ۲۸ ستمبر کو ہو کے ساتھ پہلی دفعہ سرکاری رابطہ قائم کیا۔

ویت منھ لیڈر خوش اخلاقی سے پیش آیا لیکن اس نے کوئی توقع نہیں دلائی۔ اور جب اس کے ملاقاتیوں نے مسئلے کی تہہ تک پہنچ کر اس یادداشت کا ذکر کیا، جو "ویت منھ لیگ" نے جولائی میں کمننگ بھیجی تھی اور جس میں "کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ دس سال" میں خود مختاری کا مطالبہ کیا گیا تھا، تو ہو حیرانی سے انکا منہ تکنے لگا۔ اس نے ان سے کہا کہ اسے ایسا کوئی واقعہ یاد نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ عارضی حکومت، جس نے اب ہنوئی میں پوری طرح قدم جما لئے تھے، اب ان شرائط پر قائم نہیں رہی تھی جو اس کے اراکین نے اس وقت تجویز کی تھیں جب وہ انقلابیوں کی حیثیت میں جدوجہد

کر رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود دونوں فرانسیسیوں نے بلا تامل ایشیا میں فرانس کے ہیڈ کوارٹر چندر گڈھ کو بذریعہ تار یہ اطلاع دی کہ انھوں نے ہو کو 'معقول اور معزز' شخص پایا ہے۔

۱۵ر اکتوبر کو ہو اور سینتنی کی ملاقات ہوئی تو مذاکرات شروع ہو گئے۔ ذاتی سطح پر حالات ٹھیک رہے۔ اپنی کتاب 'ایک ناکام امن کی تاریخ' میں سینتنی لکھتا ہے:[1]

"ہو چی منھ کے ساتھ اولیں تعلقات سے میں نے یہ تاثر لیا کہ یہ تارک الدنیا شخص، جس کا چہرہ ذہانت، چالاکی اور نکتہ رسی کا مرکب منعکس کرتا ہے، انتہائی لیاقت کا حامل ہے ..... وہ ذہانت، تہذیب، بے پناہ توانائی اور مکمل بے غرضی کی وجہ سے عوام میں ہر دلعزیز ہو گیا اور اس نے اتنی شہرت پائی کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی باتیں، اس کے کام، اس کا طرزِ عمل، اس کی ہر چیز کسی کو بھی باور کرانے کے لئے کافی تھی کہ مسائل کے حل کے لئے طاقت کا استعمال اسے نامرغوب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تمام عرصے میں ہند چینی کا گاندھی بننے کی اسے بہت تمنا تھی۔"

لیکن راستہ طویل تھا۔ ان دونوں نے اتنے مختلف مقامات سے سفر کا آغاز کیا۔ ہو چی منھ کے نزدیک خود مختاری ستمبر سے وجود میں آچکی تھی، حکومت نے اپنا عہدہ سنبھال لیا تھا اور حقیقی مذاکرات اس وقت تک ناممکن تھے جب تک ان بنیادی حقائق کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ لیکن ژاں سینتنی کا موقف یہ تھا کہ ہند چینی پر فرانس کی فرماں روائی اور اس کے حقوق کو تسلیم کرنے کے بعد ہی کوئی نئی حکومت قانونی طور پر قائم کی جا سکتی ہے۔

اس کے علاوہ دونوں فریقوں کے اندرونی جھگڑوں کے باعث کوئی سمجھوتہ کرنے کے عمل کی رفتار سست ہو رہی تھی۔ جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، ہو کے لئے ضروری تھا کہ قوم پرستوں کی طرف سے مخالفت اور تونگ بو کے اندر اپنے ساتھیوں کی انتہا پسندی کو ملحوظِ خاطر رکھے۔ سینتنی کو اپنی جگہ ۱۹۴۵ء کے موسمِ گرما کے شروع سے ہی یقین ہو گیا تھا کہ فرانس کے طاقت کے بل پر دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

---

[1] صفحہ ۱۶۶-۱۶۷

اگست کے شروع میں پیرس میں مارشل ژوین کے ساتھ ایک ملاقات کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔ ’ہمیں تین لاکھ آدمیوں کی ضرورت پڑے گی‘، اس نے چیف آف سٹاف کو بتایا، جس نے محض کندھے اچکائے۔ اس نے اصرار کیا: ’اس لئے ہمیں گفت و شنید کرنی پڑے گی؟‘ ژوین نے ایک لفظ زبان سے نہیں نکالا۔

سینٹنی جانتا تھا کہ اگر اسے تین لاکھ آدمی مہیا کرنے کا وعدہ کر بھی لیا جاتا تو انھیں ہند چینی پہنچانے کا ذریعہ کوئی نہیں تھا۔ ایشیا میں سخت اقدام کی پالیسی اختیار کرنے کے لئے فرانس کے پاس اب فوجی وسائل نہیں تھے اور بحری وسائل تو اس سے بھی کم تھے۔ امریکہ کے پاس، جو اس قسم کی پالیسی کی مخالفت کر رہا تھا، فرانس کی پیش قدمی کو روکنے اور موقعہ پڑنے پر طاقت کا طاقت سے مقابلہ کرنے کی طاقت تھی۔ اور پھر چین بھی بڑی سرعت سے بحال ہو رہا تھا۔ اس لئے یہ بات قطعی تھی کہ ہند چینی میں فرانس کی موجودگی کو نئی شکل دینی پڑے گی۔

یہ سب باتیں سینٹنی پر واضح تھیں، لیکن اس کے رفقائے کار کا کیا ہو؟ ان میں مختلف النوع عناصر شامل تھے۔ ایک طرف تو چند سابقہ نو آبادیاتی منتظم تھے، جو بہت تجربہ کار اور لائق تھے، لیکن ویت منھ کے خلاف تعصب سے کام لیتے تھے۔ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ وہ ’انقلاب‘ ہی، جس کی وجہ سے انہوں نے طاقت حاصل کی تھی، چند روز کی بات ہے، اور اس کے بعد اس کا کوئی نام بھی نہیں لے گا۔ دوسری طرف خصوصی ملازمتوں کے نوجوان افسر تھے، جو ویت منھ کے ہم پیشہ افسروں کے لئے پُرخلوص جذبات کا اظہار کرتے۔ ان کی قوت، جوش اور ہمت نے انھیں بہت متاثر کیا۔

اور پھر سینٹنی کے لئے ضروری تھا کہ اپنے خیالات کسی نہ کسی طرح ہائی کمشنر تیری دار ژانلیو ــــ جو صرف ’فرانس کی عظمت‘ کے متعلق سوچتا اور اس کے باوجود ایسے طریقے اختیار کرنے سے اجتناب نہ کرتا جن سے اس کے مقصد کو اتنا نقصان پہنچ سکتا تھا کہ اس کی تلافی ممکن نہ ہوتی ــــ اور پیرس کی حکومت سے تسلیم کرائے، جہاں سے اڈمیرال کو ۲۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو جنرل دی گال کی روانگی تک ہمیشہ حمایت حاصل رہی۔ یہ صحیح ہے کہ جونہی جنرل

کی جگہ موسیو فلیکس گوایں اور موسیو سوستیل (سمندر پار کے علاقوں کا وزیر) کی جگہ موسیو موتے نے لی تو حریت پسند گروہ کے لئے حالات کچھ سازگار ہو گئے۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں مہم جو فوج کا کمانڈر جنرل لیکلرک سینتنی کے خیالات سے اتفاق رکھتا تھا۔ موخر الذکر نے بھی انہی خطوط پر جوانہ پیش کئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت فرانس کو فوج کے استعمال پر سخت پابندیاں عاید کرنا ہوں گی۔ اور اس نے اس مسئلے اور اس کے ایشیائی پس منظر کے درمیان تعلق کی وضاحت بھی کی تھی۔ اگر وہ کبھی ایک سپاہی کے رجحانات پر عمل پیرا ہونے پر آمادگی محسوس کرتا تو اس کے ذہین مشیر — کرنل رے پی توں، محکمہ جاسوسی کا سربراہ اور موسیو پال موس، جو ایشیائی عمرانیات کا بین الاقوامی سطح پر مشہور ماہر تھا — جن کی خدمات اس نے حاصل کی ہوئی تھیں، اسے دبا دیتے تھے۔ انہوں نے اسے قوم پرست تحریک کی طاقت اور اس علاقے میں تحریک کی حمایت حاصل کرنے کے امکان کا احساس دلا دیا تھا۔

لیکلرک کے نزدیک منتہائے مقصود مندرجہ ذیل تھے :۔ اوّل، اسے جنگی اہمیت کے مختلف مقامات پر فرانسیسی فوج کو دوبارہ تعینات کرنا چاہیئے تاکہ مسائل کے سیاسی حل میں طاقت کے اس معقول دباؤ سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ دوم، چینیوں کو شمالی ہند چینی سے بے دخل کیا جائے کہ وہ یہاں قبضہ جمانے کی تیاری کر رہے تھے۔ سوم، ایک ایسی مقامی حکومت کے صلاح مشورے سے، جسے اس علاقے میں حقیقی اقتدار حاصل ہو، فرانس اور نئی ریاست کے درمیان خصوصی تعلقات کی نشاندہی کی جائے اور انھیں استوار کیا جائے۔ یہ کام بہت جلد ہونا چاہیئے کیونکہ مدوجزر کی وجہ سے وہ ٹانکن میں صرف اسی صورت میں داخل ہونے کی امید کر سکتا تھا کہ یہ کام فروری کے آخر یا مارچ کے شروع میں ہو جائے۔

۱۳ر فروری کو آدمیرال دارژانلیو ظاہری طور پر ایک بالکل مختلف پالیسی کی وکالت کرنے کے لئے، جس پر عمل پیرا ہو کر فرانس کو مقامی معززین سے مصالحت کرنا اور بالآخر بادشاہت بحال کرنا تھا، سائیگان سے پیرس کے لئے روانہ ہوا۔ دوسرے ہی دن

جنرل لیکلرک نے ــــ جو ہائی کمشنر کے فرائض انجام دے رہا تھا ــــ اپنی حکومت کو ایک تار بھیجا جس میں بتایا گیا تھا کہ ویت منھ کے ساتھ مصالحت کرنا بہت اہم معاملہ ہے اور اس کے لئے انہیں فوری طور پر لفظ 'خود مختاری' زبان سے ادا کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ اس کے فوراً ہی بعد اس نے سینٹنی کو بتایا، جو سرکاری کام کے لئے سائیگان میں مقیم تھا، کہ یہ کام جتنا جلد ممکن ہو ختم کر لینا چاہیئے۔

لیکن ہنوئی میں مذاکرات بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ مذاکرات چینی فلیٹ میں کئے جا رہے تھے، جس میں مصالحت کرانے والے شریک ہوتے اور حصہ لیتے۔ جب بھی وہ مناسب سمجھتا، اور خاص طور پر اس وقت جب مذاکرات کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا، تو ہو کا پو، ایک پرانے سوشلسٹ کارکن، بابو، ایک پرانے دوست، یوسکے، ایک زمانے میں ایبل بونارد کی کابینہ کا رکن جو اب کمیونسٹ ہو چکا تھا، اور کبھی کبھی ایک شخص سولوفیف کی خدمات حاصل کرتا[1]۔

معاہدے کی راہ میں دو بڑی رکاوٹیں تھیں۔ پہلی یہ کہ 'دوک لاپ' کی، جس کا ہنوئی

---

[1] یہ غیر معمولی شخصیت اس وقت ہنوئی کی سیاسی فضا کا کافی حد تک صحیح علامت ہے۔ روس کی سفید فام فوج میں ایک افسر کی حیثیت میں ملازمت کرنے کے بعد اس نے پیدل چین کو عبور کیا اور جاپان میں پناہ لی۔ اس کے بعد اس نے ٹانکن میں فارن لیجن میں ملازمت کی اور ایڈمرل کولچاک کے آخری فوجی مشن کے ساتھ واپس روس چلا گیا۔ پھر وہ فرانس گیا، جہاں اس نے زراعت کی تعلیم پائی۔ فرانس کے حقوقِ قومیت حاصل کر لینے کے بعد وہ ہند چینی واپس آیا اور ہنوئی میں رہائش اختیار کی۔

۱۹۴۱ء میں آڈمیرال دوکو کے جاسوسی کے محکمے نے، جس کی حکومت وشی کے اختیار میں تھی، چنگ کنگ میں روسی سفارت خانے میں اسے ایک عجیب و غریب مشن پر بھیجا۔ اسے روس کے ساتھ ایک خفیہ تجارتی معاہدے کے متعلق گفت و شنید کرنے کے کام پر مامور کیا گیا، جس کی رو سے ہند چینی ربڑ اور روسی جنگی سامان مہیا کرے گا۔ کہا جاتا ہے کہ جرمنوں کے روس پر حملہ کرنے (۲۲ جون) سے چند ہی دن پہلے روسی سفیر نے اس کا پُرخلوص طریقے سے استقبال کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۲۳ یا ۲۴ جون کو دوسری ہی ملاقات میں سفیر نے بہت افسوس کے ساتھ اسے بتایا کہ اب اسکا ملک جنگی سامان بیچ نہیں سکتا۔ اب تو انھیں جتنا ممکن ہو بغیر مول تول کے خریدنا ہے۔

میں ۲ ستمبر کو یعنی ہوائے میں اسی قسم کے اعلان کے چھ ماہ بعد اعلان کیا گیا تھا، کس طرح تعریف اور حد بندی کی جائے۔ کچھ لوگوں نے اس کا ترجمہ 'آزادی' کیا اور کچھ نے 'خود مختاری'— صاف ظاہر ہے کہ ہو اور اس کے ساتھیوں نے دوسرے مفہوم کے حق میں رائے دی[1]۔

دوسری رکاوٹ کا تعلق ویت نام کی نئی فرمانروائی کی ترتیب سے تھا کہ کسی صورت فرانس کی سرداری بحال کی جاسکے۔ سینتنی کا دعویٰ تھا کہ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ویت نام فرنچ یونین میں، جو ابھی ابھی تشکیل کی گئی تھی' اور انڈوچائینیز فیڈریشن میں، جو ان دنوں قائم کیا جا رہا تھا، شامل ہو جائے۔

۱۶ فروری ۱۹۴۶ء کو ہو نے اسے اطلاع دی کہ وہ فرنچ یونین کی رکنیت کی بنیاد پہ گفت و شنید کرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن اس نے فیڈریشن کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ ہی خود مختاری کے مطالبے سے دست بردار ہوا۔ سینتنی نے یہ خبر لیکلرک تک پہنچادی' جس نے پیرس پہ زور دیا کہ اسے تسلیم کرے۔ گواین حکومت نے بالاخر جواب دیا کہ فرانس خود مختار ویت نامی حکومت کو دو شرائط پر تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے :- پہلی یہ کہ جب فرانسیسی مسلح افواج چینی افواج کی جگہ لینے کے لئے آئیں تو ویت نامی حکومت کو ان کا دوستانہ استقبال کرنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ کوچن چین (نام بو) —— جس کے متعلق ہنوئی کا دعویٰ تھا کہ ویتنام کا حصہ ہے —— کو استصواب رائے سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے۔

مصالحت کے لئے شرائط تقریباً پوری ہو گئی تھیں۔ لیکن ہو نے تمام تر ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینے سے احتراز کیا اور کابینہ میں تبدیلیاں کر کے قوم پرستوں کو اس میں شامل کیا۔ دوسرے ہی دن ۲۶ فروری کو ویت منھ نے سرکاری اعلان میں بتایا کہ :

"صدر ہوچی منھ نے فرانس کے سرکاری نمائندے موسیو سینتنی سے ویت نام اور فرانس کے درمیان سرکاری طور پہ گفت و شنید شروع کرنے کے امکان کے متعلق بات چیت کی ہے۔ صدر نے دوبارہ اس بات پر زور دیا ہے کہ ویت نام 'خود مختاری اور تعاون'

---

[1] زبان کے لحاظ سے وہ یقیناً صحیح تھے۔ دوک لاپ :- اکیلے رہنما۔

کی پالیسی پہ قائم ہے ۔ موسیو سیلتنی نے کہا کہ فرانس ویت نام کے اس حق کو تسلیم کرنے پر رضامند ہے کہ فرینچ یونین کے اندر ویت نام کی اپنی حکومت، اپنی فوج اور اپنا خزانہ ہو....“ بالآخر معاہدے کے لئے راستہ ہموار معلوم ہوتا تھا۔

تاہم چینیوں کو بات چیت کے ذریعے فوجیں واپس بلانے پر رضامند کرنا باقی تھا۔ اس سلسلے میں آڈمیرال دارژانلیو کا سفارتی مشیر آشیل گلارک چنگ کنگ میں فرانس کے سفیر موسیو میریہ کے ساتھ مل کر کوششیں کر رہا تھا۔ سرکاری طور پہ یہ معاملہ ۲۸ فروری کو طے ہوا، جب چنگ کنگ کی حکومت ہند چینی پہ فرانس کی فرمانروائی اور ۳۱ مارچ تک فرانسیسی فوجوں کے کومنتانگ کی فوجوں سے اختیارات لینے کے حق کو تسلیم کرنے پہ رضامند ہوگئی۔ اس کے بدلے میں فرانس نے شنگھائی، کینٹن، ٹائنسن اور ہانکو میں مراعات ترک کر دینے اور کوانگ چووان کا پٹہ چھوڑ دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن فوراً ہی چینی فوجی حکام کو معلوم ہوا کہ وہ جنرل میکارتھر کی اجازت اور ویتنامیوں کے ساتھ مصالحت کے بغیر اس قسم کی ہامی نہیں بھر سکتے۔

۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو قومی اسمبلی نے ہنوئی میں ہونے والے ایک اجلاس میں ہوچی منھ کی سرکردگی میں ایک نئی کوالیشن حکومت کی حمایت میں ووٹ دیا۔ اس کا بوڑھا حریف چینیوں کا حامی انگوین ہائی تھان نائب وزیر اعظم اور کمیونسٹوں کے مخالف دو لیڈر انگوین تونگ تام اور وو ہونگ کھانھ خارجی معاملات اور دفاع کے وزیر مقرر ہوئے۔ اس وقت اسمبلی میں ویت نام کوک دان دانگ اور دوسری انتہائی قوم پرست پارٹیوں کے اسی ڈپٹی تھے، حالانکہ انہوں نے جنوری کے انتخابات میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔

ہو نے آخری حکمت عملی کے طور پہ ویٹیکن سے رابطہ قائم کیا۔ ان دنوں ہولی سی کی نمائندگی ایک پاپائی ڈیلیگیشن کر رہا تھا، جو پرانے شاہی دارالخلافے، ہوائے، میں مقیم تھا۔ انگوین مانھ ہا مارچ کے اوائل میں وہاں پہنچنے والا تھا۔ اسے جنوب سے شمال کی طرف چاول بھیجنے کے مسئلے کا مطالعہ کرنا تھا۔ صدر نے اسے مونسینر دراپیے کے نام تعارفی خط دیا اور اسے زبانی ہدایات بھی دیں کہ ٹوہ لگائے کہ پریلیٹ کے ہنوئی کا دورہ کرنے اور یہاں تک کہ شمال میں رہائش پذیر ہونے کا کوئی امکان ہے یا نہیں۔

ہو نے یہ واضح طور پر سمجھ لیا تھا کہ اس قسم کے جذبے کے اظہار سے پارسا ہائی کمشنر آدمیرال دارژانلیو اور فرانسیسی حکومت کے ایم ۔آر۔ پی کے ارکان پر اچھا اثر پڑے گا اور ویت نام کے کیتھولک زیادہ تعاون پر آمادہ ہوں گے ۔ لیکن مونسیز درایسے نے ، جو کھلم کھلا شاہ پرست خیالات کا حامل تھا ، یہ کہہ کر اس رائے کو رَدّ کر دیا کہ یہ حفاظتی مفادات کے منافی ہے ۔

پچا ہو کو اپنے راستے میں آنے والی رکاوٹوں سے فائدہ اٹھانے اور انھیں اپنے مخالفین کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا ڈھنگ آتا تھا ۔مخالف جماعتوں کے منع کرنے کی صورت میں میں ذمہ داری کیسے قبول کر سکتا ہوں ؟ مجھے تمام رجحانات اور ہر قسم کے دباؤ کا لحاظ رکھنا ہے ....؛ ہو کے انداز میں سختی آ گئی ۔ وہ کوچن چین کے متعلق اپنے مطالبے پر قائم رہا اور اس نے انڈو چائینز فیڈریشن سے واسطہ رکھنے سے انکار کر دیا ۔گفت و شنید کا مستقبل خطرے میں تھا ۔

۴ ؍مارچ کو ہنوئی میں خبر ملی کہ جنرل لیکلرک اور اس کی فوج کا فرانسیسی بدرقہ ہائی فانگ کی طرف روانہ ہو چکا ہے ۔ چینی خائف ہو گئے اور انھوں نے ویتنامیوں پر زور دیا کہ زیادہ اعتدال کا راستہ اختیار کریں ۔

دوسرے دن یعنی ۵ ؍مارچ ۱۹۴۶ء کو ہنوئی کے نواح میں ہونگ کا ہنھ کے مقام پر ویت منھ کی سنٹرل کمیٹی کا اجلاس ہوا ، جس میں یہ فیصلہ کیا گیا :۔

" اس موقعے پر ملک کی حفاظت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ امن قائم رکھا جائے نہ کہ پُل جلائے جائیں ۔ (ویت منھ) دو غلط رجحانات سے باز رہتے ہیں :۔ (۱) کسی قیمت پر بھی جنگ کرنا ، اور (ب) یہ تصور کرنا کہ اگر ایک دفعہ فرانس کے ساتھ معاہدہ ہو گیا تو تمام مشکلات دور ہو جائیں گی ۔ یہ لوگوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ چیانگ کائی شیک کی فوجوں اور مقامی رجعت پسندوں کی اشتعال انگیزیوں کے خطرے سے خبردار رہیں ۔[1]

---

۱ عظیم تواریخ وغیرہ ، صفحہ ۵۶ ۔

اس رات ہو، سینتنی اور پینلوں کے درمیان ملاقات ہوئی اور بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔ ویت منہ کے لیڈر نے تسلیم کیا کہ 'ووک لاپ' کا مطلب 'آزادی' صحیح ٹھہرایا جا سکتا ہے اور یہ کہ وہ ویت نام کی انڈو چائینز فیڈریشن میں شمولیت کے امکان کو بالکل ہی خارج از بحث قرار نہیں دیتا۔ لیکن کوچن چین نئی ریاست میں خود بخود شامل ہو جائے گا۔ دونوں فرانسیسیوں نے بہتیری کوشش کی کہ وہ اس بات پر اصرار نہ کرے لیکن بالآخر انہوں نے ہار مان لی اور یہ مشورہ دیتے ہوئے کہ وہ اس معاملے پر اور غور کرے آدھی رات کو اُٹھ کر چلے گئے۔ فرانسیسی بحری بیڑہ پہلے ہی خلیج ٹانکن میں پہنچ چکا تھا.....

ہنوئی میں ہیجان کی کیفیت برپا تھی اور میں وہ وقت کبھی نہیں بھول سکتا جو میں نے اس رات وہاں گذارا۔ جنگ سر پر منڈلا رہی تھی۔ جب فرانسیسیوں نے چینی تاجروں سے اسلحہ خریدنے کی کوشش کی تو انھیں پتہ چلا کہ اس کی قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ یورپی گھرانوں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ وسیع پیمانے پر قتل و غارت ہوگا۔ فرانسیسی دستہ، جو جاپانیوں کے قبضے کے وقت سے قلعے میں مقید تھا، بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو رہا تھا.....

تاہم ۶ مارچ کو صبح صادق کے وقت ہو کے ایک ساتھی نے سینتنی کو جگایا اور اسے اطلاع دی کہ 'صدر آپ کی شرائط منظور کرنے کے لئے تیار ہیں'۔ (فرانسیسیوں کے جہاز سے اتر کر ویت نام میں در آنے کے خطرے سے آگاہ ہو کر چینی فوج کے جنرل چو نے ابھی ابھی ہو کو بہت تلخ انداز میں مشورہ دیا تھا کہ وہ 'فرانسیسیو سے سمجھوتا کرے') آپس کے صلاح مشورے سے فیصلہ کیا گیا کہ کاغذات پر بعد از دوپہر دستخط ہو جانے چاہئیں۔ تاہم ہائی فانگ کے واقعات نے اس سمجھوتے کو، جو دیر سے عمل میں آیا تھا، تقریباً برباد کر دیا۔ جب فرانسیسی جہاز لنگر گاہ کی طرف بڑھے تو چینیوں کے کمانڈر جنرل گاستوں وانگ نے یہ دعویٰ کیا کہ چین اور فرانس کے درمیان معاہدے کی اسے اطلاع نہیں دی گئی تھی اور فرانس کے اگلے جہازوں پر گولہ باری شروع کر دی۔

چوبیس آدمیوں کی موت کے بعد ہی جنرل والوئی نے اپنے آدمیوں کو گولی چلانے کے احکام دیئے۔ اس عمل کے دوران انہوں نے وہ تمام گولہ بارود تباہ کر دیا، جس کے متعلق کومنتانگ کے جرنیلوں نے منصوبہ بنایا تھا کہ وہ اس مالِ غنیمت کو اپنے تصرف میں لائیں گے۔

معاہدے کے مسودے کو آخری شکل دینے کے لئے جب ہو اور سینتنی کے درمیان دوپہر کو آخری ملاقات ہوئی تو صدر نے ہائی فانگ کے واقعے کا ذکر نہیں کیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا اور فرانسیسیوں کے عزم صمیم کا اندازہ کر لیا تھا۔ انہوں نے ساڑھے چار بجے دوبارہ ملنے کا فیصلہ کیا۔ سینتنی، پنیوں اور جنرل سالان (شمالی ہند چینی میں فرانسیسی افواج کا نیا کمانڈر، جس نے ویتنامیوں اور چینیوں دونوں کے ساتھ مذاکرات کے آخری مرحلے میں شرکت کی) کے لئے یہ سخت امید وبیم کی گھڑیاں تھیں۔ خوش قسمتی سے دوپہر کے تھوڑی دیر بعد لڑائی بند ہو گئی۔

ہنوئی میں موجود چند ایک اخبار نویسوں نے بھانپ لیا کہ بات آخری مرحلے میں پہنچ گئی ہے۔ جب وہ ہوٹل میٹروپول اور اس عمارت کے درمیان چہل قدمی کر رہے تھے جہاں حکومت کا سربراہ مقیم تھا تو انہوں نے شیمپین کے گلاسوں سے بھرے ہوئے ٹرے دیکھے، جو پے ماسٹر جنرل کے مکان کی طرف لے جائے جا رہے تھے، جہاں ہو مقیم تھا۔ اخبار نویس جلدی سے اندر گئے لیکن وہ دیر سے پہنچے اور دستخط ثبت کرنے کی رسم میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ رسم امریکی، چینی اور برطانوی مبصروں اور ہو کے اصرار پر فرانسیسی سوشلسٹ لوئی کاپو کی موجودگی میں ادا کی گئی۔

اب تمام لوگ سرکاری تصویر کے لئے کھڑے ہوئے۔ ایک طرف سینتنی اور دوسری طرف پنیوں اور سالاں کے درمیان پستہ قد ہو کھڑا تھا۔ مذاکرات میں خارجی معاملات کے سینئر ایڈوائزر ہواِنگ منھ گیام، ویت نامی سفارتی سروس کے برائے نام سربراہ انگوین تونگ تام اور وی۔ این۔ کیو۔ ڈی۔ ڈی پارٹی کے دو ہونگ کھا نے ویت منھ کے لیڈر کا ہاتھ بٹایا۔ اس طرح اس موخرالذکر شخصیت نے، جو فرانس دشمنی کے لئے مشہور

تھی، معاہدے پر ضامن کی حیثیت میں دستخط کئے۔

اس دستاویز میں یہ شرط طے پائی تھی کہ فرانس "ری پبلک آف ویت نام کو ایک آزاد ریاست کی حیثیت میں، جس کی اپنی حکومت ہے، جس کی اپنی پارلیمنٹ ہے، جس کے اپنے ذرائع آمدنی ہیں اور جو انڈو چائینز فیڈریشن اور فرینچ یونین کا حصہ ہے، تسلیم کرتا ہے، جہاں تک کوچن چین کے مستقبل کا تعلق ہے، فرانس نے وعدہ کیا کہ وہ مقامی باشندوں کی استصواب کے ذریعے ظاہر کی ہوئی خواہشات کا احترام کرے گا۔ اپنی طرف سے ویتنام کی حکومت نے اعلان کیا کہ "جب فرانسیسی فوج چینی فوج کی جگہ لینے کے لئے ویتنام آئے گی وہ بین الاقوامی معاہدوں کے مطابق اس کا دوستانہ استقبال کرنے، کو تیار ہوگی"۔ آخر میں یہ طے پایا کہ ہند چینی کی حیثیت اور ویتنام میں فرانسیسی مفادات کے متعلق "بے لاگ اور دوستانہ، گفت و شنید شروع کی جائے[1]۔

ژاں سینتنی بیان کرتا ہے کہ جب اس نے ہو سے مخاطب ہو کر مسلح تصادم کا خطرہ ٹل جانے پر اطمینان کا اظہار کیا تو ہو کا جواب یہ تھا: "مجھے اس سے اتنی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ فائدہ تو دراصل آپ کو پہنچا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے مطالبات اس سے زیادہ تھے ...... تاہم مجھے احساس ہے کہ ہر چیز ایک ہی دن میں حاصل نہیں ہو جاتی"۔ اسی خیال کے پیش نظر اس نے سینتنی اور ینیوں سے بغل گیر ہو کر کہا: "اگر کسی چیز سے میری ڈھارس بندھتی ہے تو وہ دوستی کا جذبہ ہے"۔ اس گفت و شنید سے پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان دو ملکوں کے درمیان تعلقات آئندہ کیا شکل اختیار کریں گے۔

مخالف جماعتوں اور کافی تعداد میں خود اپنے جنگجو ساتھیوں میں مایوسی اور تلخی کے احساس

---

[1] تھوڑی دیر بعد اس معاہدے کے تکملے کے طور پر جنگ بندی سے متعلق ایک فوجی معاہدہ ہوا، جس پر جنرل سالاں اور وو انگوین گیاپ نے دستخط کئے۔ فرانسیسی فوج کے مستقبل قریب میں ویتنام میں وارد ہونے سے متعلق ہو اور سینتنی کا ایک مشترکہ اعلان پورے ویتنام میں دیواروں پر چسپاں کیا گیا۔

سے پیدا ہونے والے امکانی خطرات سے ہو خوفزدہ تھا۔ کیا اس صورتِ حال کو ٹالا جا سکتا تھا؟ پال موس یہ سوال بہت معقول انداز میں پوچھتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کیا یہ بات ہو کے لئے فائدہ مند نہ ہوتی کہ وہ "انتظار کرتا اور فرانسیسیوں کو چینیوں پر زور آزمائی کرنے دیتا؟" اپنے خیال کی حمایت میں وہ مذاکرات کرنے والی فرانسیسی جماعت کے ایک رکن کی رائے کا اقتباس پیش کرتا ہے :۔ "حالات نے ہنوئی حکومت کے ہاتھ میں ایک گولی والا پستول دے دیا تھا۔ لیکلرک کو تسلیم کرنا، ہوا میں گولی چلانے کے مترادف تھا، جس کے نتیجے میں ہاتھ کا پستول خالی ہوتا ..... انتظار کرنے میں آخر حرج ہی کیا تھا؟"

"ویت نام، ایک جنگ کی عمرانیات" کا مصنف اس کا جواب یوں دیتا ہے :۔

"شاید حرج ہی حرج تھا۔ ہمارے ساتھ مصالحت کر کے ہو فرانس اور چین کے درمیان اُن معاہدوں کی بنا پر ہونے والے گٹھ جوڑ کے مقابلے میں تیار ہونا چاہتا تھا جن پر ابھی ابھی چنگ کنگ میں دستخط ہوئے تھے اور جن میں ہنوئی کی حکومت کا ذکر تک بھی نہیں تھا۔ کیا یہ لیکلرک اور جنرل لوہان کے درمیان مقامی گٹھ جوڑ تھا؟ ویت منھ اگر اس قسم کے شکنجے میں پھنس جاتے تو تباہ ہو جاتے ......"

فرانس اور ویت نام کے درمیان اس معاہدے کے سلسلے میں ہنوئی کے عوام کا ردِ عمل اتنی بے مہری اور بدگمانی پر مبنی تھا کہ ویت منھ نے سب کچھ داؤ پر لگا دینے کا فیصلہ کیا۔ ہو نے دوسرے ہی دن یعنی ۷ مارچ کو عوام کو ایک جگہ اکٹھے ہونے اور لیڈروں کی وضاحت سننے کی دعوت دی۔ ہو اور اس کے ساتھیوں کے متعلق کسی کی رائے کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن عوام کے سامنے ہر مسئلے کی وضاحت پیش کرنے اور ان کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر کام کرنے کی خواہش سے متاثر نہ ہونا ناممکن ہے۔ عقیدے اور طریقِ کار کا یہ مرکب ہمیں لینن کے متعلق سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

تاہم بہت بڑے پلاس دو تھیاتر کا منظر "جولیس سیزر" سے زیادہ مشابہہ ہے۔ اس لاتعداد اور جوش میں آئی ہوئی خلقت میں غضب ناک شور و غوغا اور قتل کی بھیانک افواہیں گشت لگا رہی تھیں۔ حکومت کے لیڈر ایک ایک کر کے تھیٹر کی بالکونی پر آئے۔

جب تجربہ کار سورما گیاپ نمودار ہوا اور اس نے سلامی کے لئے اپنا مکّا اُٹھایا تو مجمع پر ہیبتناک خاموشی طاری ہوگئی ۔ جنگ کے اس چھوٹے سے لیڈر کی آواز لاؤڈ سپیکروں کی مدد سے تھیئٹر میں ہر طرف گونجنے لگی :

"..... ہم نے مکمل خود مختاری کی جدوجہد کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے کی خاطر گفت وشنید کرنے کا فیصلہ کیا ..... ۱۹۱۸ء میں روس نے بریسٹ لٹووسک کے مقام پر ایک معاہدے پر دستخط کئے کہ جرمنوں کے حملے کو روک سکے اور جنگ بندی کے بہانے اپنی فوجی اور سیاسی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے وقت حاصل کر سکے ۔کیا وہ اس معاہدے کے نتیجے میں بہت طاقتور ملک نہیں بن گیا تھا ؟"

میری اور ایک دوست کی آنکھیں چار ہوئیں ۔ ان الفاظ میں کلبیت ناقابلِ یقین حد تک نمایاں تھی ۔ اس کے باوجود ان کا بہت اثر ہوا ۔ مجمع پر قابو پا لیا گیا تھا ۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ اس میں حرکت پیدا کی جائے اور اسے جوش دلایا جائے ..... اس موقع پر بوڑھا لیڈر نمودار ہوا ۔ وہ سنہری ستارے والے سرخ پھریرے کے ساتھ ، پرانا اور فرسودہ چغہ پہنے ہوئے ، سفید بالوں کا گچھا ہوا میں لہراتا ہوا ، خمیدہ قامت کھڑا بہت چھوٹا اور کمزور نظر آرہا تھا ۔ ہمارے کانوں میں ان الزامات کی آوازیں اب بھی گونج رہی تھیں جو ہنوئی کی گلیوں میں اس پر لگائے گئے تھے (کہ وہ غدار ہے ، کٹھ پتلی ہے ، یرغمال کے برابر ہے ، ایسا کمیونسٹ ہے جس نے اپنا ملک اپنے فرانسیسی ساتھیوں کے ہاتھ بیچ دیا ہے) ۔ اس لئے اس پرجوش استقبال کا منظر دیکھ کر ہم ششدر رہ گئے ۔ اس نے دونوں ہاتھ مجمع کی طرف دھکیلے جیسے جوش کی اس موج کو روک رہا ہو اور کچھ تلخ سی آواز میں تقریر شروع کی :۔

"لڑائی کی بجائے گفت وشنید کرنا ہماری ذہانت کا ثبوت ہے ۔ جب ہم پانچ ہی سال کے اندر گفت وشنید کے ذریعے آزادی حاصل کر سکتے ہیں تو پچاس یا سو ہزار انسانوں کی قربانی کیوں دیں "۔ جب اس نے اپنی تقریر ان الفاظ سے ختم کی " میں ، ہوچی منہ ، نے ہمیشہ آزادی کے راستے پر آپ کی رہ نمائی کی ہے ، میں نے تمام زندگی

ملک کی آزادی کی جدوجہد میں گذاری ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں موت کو غداری پر ترجیح دونگا۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے آپ کو دغا نہیں دیا......" تو ہم نے بالکونی سے دُور ہونے کی وجہ سے اس کی گالوں پر بہتے ہوئے آنسو دیکھے تو نہیں لیکن اس کی آواز میں سنے ضرور۔ اور مجمع پر اس کی تقریر کا غیر معمولی اثر ہوا۔ عوام نے اس معاہدے کو اسی وقت قبول کر لیا۔

اس کے ساتھ ساتھ پارٹی کا عملہ نئی پالیسی وضع کر رہا تھا۔ تربیت یافتہ اور کٹّر عناصر کے لئے جو ہدایات تونگ بونے اسی دن جاری کیں وہ انہی باتوں کی نقل تھیں جو پلاس دوتھیاتر میں مجمع سے کہی گئیں۔

"ہماری قوم اپنی موجودہ جدوجہد میں بالکل اسی طرح فرانسیسی قوم سے منسلک ہے جیسے پہلے چینی قوم کے ساتھ تھی.... ہمارا بڑا دشمن فرانسیسی رجعت پسند عنصر ہے.... ہمیں ان فرانسیسیوں کے ساتھ، جو مخلص جمہور پسند ہیں، بغیر کسی شرط کے تعاون کرنا چاہیئے..... اور جہاں تک ممکن ہو فرانسیسی ویتنامی جمہوری محاذ قائم کرنا چاہیئے [1]"

عوام کو یہ باتیں ابھی نہیں بتائی جا سکتی تھیں لیکن فرضِ منصبی کے طور پر اس کی کوشش کی گئی۔

اس پروگرام پر عمل درآمد کرنے کی ویت منھ کی کوششوں کی بہت مخالفت کی گئی اور اس مخالفت کا سب سے بڑا باعث حکومت کا نام نہاد 'سینیئر ایڈوائزر' وِنھ تھوئی یا باؤ دائی تھا، جس نے سینتنی کے ساتھ گفت و شنید میں شریک ہونے سے متواتر انکار کیا تھا، حالانکہ وہ سینتنی کو کئی سالوں سے جانتا تھا۔ وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ فرانس اس کی بجائے ان 'مرخوں' سے گفت و شنید کرے۔ وہ مذاکرات کا بائیکاٹ کرنے سے مطمئن نہیں ہوا۔ جونہی معاہدوں پر دستخط ہوئے وہ وہاں سے بھاگ

---

1 فلپ دا دیلر، ویتنام کی تاریخ، صفحہ ۲۳۱

نکلا اور ہانگ کانگ میں رہائش اختیار کی۔

وہاں باؤ دائی جلد ہی اس زندگی کی نسبت زیادہ عیش کی زندگی گذارنے لگا جو وہ ہنوئی میں ویت منھ راج میں گذارتا تھا۔ فضول گو کالم نویسوں نے اس کی خانگی زندگی کے تذکرے شروع کر دیئے۔ اس کی روانگی کے چند ماہ بعد اسے ہو کی جانب سے عجیب و غریب خط ملا، جس میں لکھا تھا:۔ "یہ بات آپ فراموش نہ کریں کہ آپ ویتنام اور اس کی تاریخ کا نشان ہیں۔ اپنی زندگی کو اپنے نام، اپنے ملک کے نام، جو ہم سب کا ملک ہے، اور اس خود مختاری کے لائق بنائیں جو آخر کار ہم نے حاصل کر لی ہے......" ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے روبسپیر سولھویں لوئی کو لکھ رہا ہو، جو وارن میں قید ہونے سے بچ گیا تھا اور جس نے پندرھویں لوئی کا ذوق وراثت میں پایا تھا.....

لیکن مارچ ۱۹۴۶ء میں دو اس سے بھی بڑی رکاوٹیں راستے میں حائل ہوئیں:۔ جنرل لیکلرک کی افواج کی واپسی، جس سے حادثات ہو جانے کا اندیشہ تھا، اور "بے لاگ اور دوستانہ، مذاکرات" جن کے ذریعے ان امور کی وضاحت کرنا تھی جنھیں ۶ر مارچ کے معاہدے میں غیر واضح چھوڑ دیا تھا، مثلاً کوچن چین کا مستقبل، فرنچ یونین میں شامل ہونے والے ارکان کا مسئلہ......

پندرہ ہی دن پہلے اس مضمون کی بات چیت عام ہوئی تھی کہ اگر کبھی فرانسیسی فوجیں ٹانکن کے دارالخلافے میں داخل ہوں تو ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔ اب وہ پُرامن طریقے سے وارد ہو گئیں اور دوسری بکتر بند ڈویژن کے سابقہ کمانڈر کا ہند چینی کے کمیونسٹ لیڈروں نے بہت اچھی طرح استقبال کیا۔ اس قسم کے خوشگوار نتائج سیاسی تجزیات پر مبنی پیشینگوئیوں کو غلط ثابت کر دیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جس گروہ نے ۱۸ر مارچ کو لیکلرک کی خاطر مدارات کی وہ ان فرانسیسی باشندوں پر مشتمل تھا جنھوں نے پورے ایک سال تکلیف دہ حد تک غیر محفوظ زندگیاں گذاری تھیں لیکن ویتنامیوں نے ان پُرجوش رنگ رلیوں کے دوران بے عیب سلوک کا مظاہرہ کیا۔ فرانسیسی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے داخلے کے خلاف انہوں نے کوئی مظاہرہ نہیں کیا ــــ اور درحقیقت یہ گاڑیاں اور ٹینک فرانس اور

ویتنام کے جھنڈوں سے سجے ہوئے تھے۔

جنرل لیکلرک ان الفاظ پر تیوریاں چڑھائے اور بڑبڑائے بغیر نہ رہ سکا جن الفاظ میں ووانگوین گیاپ نے ہائی فانگ میں اس کا استقبال کیا: "مزاحمت کی تحریک کے ویتنامی سپاہی کی حیثیت میں مَیں آپ کا مزاحمت کی تحریک کے عظیم فرانسیسی سپاہی کی حیثیت میں استقبال کرتا ہوں ......" لیکن دوسرے دن (۱۸ مارچ) پانچ بجے جب میں نے اسے ہو کے مکان کی سیڑھیوں پر تیزی میں چڑھتے، اپنے میزبان سے ہاتھ ملاتے اور اپنی عمیق اور گلوگرفتہ آواز میں یہ کہتے سنا: "جنابِ صدر، تو آج ہماری ملاقات دوستوں کی حیثیت میں ہوتی ہے؟" تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ چند منٹ بعد شیمپین پیتے وقت جب سینتنی نے اس روایت پرست، وفادارِ حکومت اور مثالی گالسٹ کو پورے جوش میں ہنستے ہوئے دیکھا تو وہ ششدر رہ گیا۔ اور دوسری دفعہ ــــ پہلی دفعہ جہاز سے اترتے وقت اس نے بہت اونچی آواز سے 'فرانس، ویتنام اور فرنچ یونین زندہ باد' کا نعرہ لگایا۔ ساتھ والے کمرے میں گیاپ مبہوت کھڑا بڑبڑا رہا تھا: "اب ہمیں آگے بڑھنا چاہیئے...." یہ صحیح ہے کہ اس فقرے کی وضاحت کئی طریقوں سے کی جا سکتی ہے، لیکن اس وقت ایسے معلوم ہُوا جیسے یہ رفیقوں کی طرح اکٹھے کام کرنے کا وعدہ تھا۔

یہ ملاقات اتنی خوشگوار رہی کہ چند دن بعد صدر ہونے میرے ساتھی پی-ایم-ویلیگ سے کہا: "لیکلرک؟ وہ وفادار اور دیانت دار آدمی ہے ــــ جسے آپ فرانسیسی میں طرحدار کہہ لیں۔ کاش گفت وشنید میں ہمیشہ ایسے ہی انسانوں سے واسطہ پڑے۔"[1] اس دَوران میں جنرل نے خیرخواہی کے جذبے کے ٹھوس ثبوت کے طور پر طے کیا کہ اس کے دستہ محافظین کا دو تہائی حصہ ویت منھ کے سپاہیوں پر مشتمل ہو گا، جنھیں اس مقصد کے لئے ہتھیار بھی مہیا کئے جائیں گے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سائیگان میں آدمیرال دارژانلیو کو سینتنی اور لیکلرک

---

[1] 'پیرس-سائیگان' ۳۱ مارچ ۱۹۴۶ء

کی پالیسی سے بالکل اتفاق نہیں تھا۔ اس نے شمالی حصے سے عجیب سی علیحدگی اختیار کر رکھی تھی اور اس کے مسائل پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کمانڈر انچیف کے ساتھ ایک پُر شور انٹرویو میں آدمیرال نے یہاں تک کہہ دیا کہ جو کچھ ہنوئی میں ہوا ہے اس کا میونخ کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکتا ہے[1] لیکن ایک ایسے معاہدے سے سرد مہری برتنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، جس کی پیرس اور باقی دنیا میں[2] داد دی گئی تھی اور جس کی وجہ سے جنوبی ویتنام کے عوام میں نجات کا ایک مخصوص احساس پایا جاتا تھا۔ ہائی کمشنر نے اس 'معقول معاہدے' پر اطمینان کا اظہار کیا اور اس کی منظوری کے طور پر ہو سے رسمی ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا۔ آدمیرال نہ تو اتنے قریب کے ماضی کے دشمن کے ہاں جانے پر رضامند تھا اور نہ ہی سائیگان میں اس کا استقبال کرنے پر۔ اس لیے اس نے رائے ظاہر کی کہ یہ ملاقات خلیج آلونگ کے خوبصورت ماحول میں 'ایمیل برتیں' نامی جہاز پر ہونی چاہیئے۔

۲۴ مارچ کو ہو اور سینتنی اسے ملنے کے لئے ایک کیٹالینا اڑن کشتی میں روانہ ہوئے۔ پرواز سے پہلے دونوں آدمیوں کی تصویر لی گئی۔ صدر سورج سے بچاؤ کرنے والی ٹوپی پہنے ہوئے ایک طرف کو دیکھ رہے ہیں، اس کے ہونٹ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، انہوں نے بانس کی چھڑی دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھامی ہوئی ہے۔ یہ وہی شخص نہیں ہے جس نے اتنے خوش و خرم انداز میں لیکلرک کی خاطر مدارات کی تھی۔ وہ اب پرانے فیشن کی ہالی ووڈ فلموں کا پامال کردار بن گیا ہے —— مشرقی سازشی، جو ہر پُرپیچ سازش کا منصوبہ بنا رہا ہو۔ لیکن وہ لوگ جنھوں نے اس ملاقات کا حال دیکھا ——

---

[1] بعد میں (دوسروں سمیت) موسیو ماندسے فرانس اور سینتنی کے ساتھ ایک گفتگو میں اس نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کہ اس نے لیکلرک کے ساتھ اس انداز میں بات کی تھی۔ لیکن بہت سے لوگ گواہی دیتے ہیں کہ اس نے یہ بات کہی تھی۔

[2] برطانوی، امریکی اور ہندوستانی اخبارات، ۷-۸ مارچ ۱۹۴۶ء

سینتنی سیمت۔ بتاتے ہیں کہ اس انقلابی اور آدمیراں میں شروع کی بات چیت متواضع، تقریباً پُر تپاک تھی۔ وہ لمبی لمبی مدت تک جہاز کے اگلے حصّے پر تنہائی میں بات چیت کرتے پائے گئے۔ لیکن ہو کی خواہش لیکلرک اور سینتنی کے بیچ میں پڑنے سے ہی پوری ہوئی: ۶ مارچ کے معاہدے میں لکھے ہوئے 'بے لاگ اور دوستانہ' مذاکرات پیرس میں ہونا طے پائے۔

اس درخواست کو ماننے میں فرانسیسی اپنے دارالخلافے کی اس جادو اثر طاقت پر بھروسہ کر رہے تھے، جو بوڑھے لیڈر کی یادوں کو تازہ کر سکتی تھی اور اس کے نوجوان ساتھیوں کے خوابوں کو بھڑکا سکتی تھی۔ مہمانوں کو یقیناً احساس ہو جائے گا کہ فرانس کے ساتھ رشتے قائم رکھنے کی صورت میں انھیں کتنے فوائد ہو سکتے ہیں۔ ۱۶ اپریل کو ہی ایک ویتنامی پارلیمانی جماعت کا فرانس پہنچنے پر کافی پُر خلوص استقبال کیا گیا۔

اس دوران میں جنوب کے ایک پہاڑی مقام دالات میں ایک ابتدائی کانفرنس شروع ہوئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دونوں ممالک کے درمیان آئندہ تعلقات کی نوعیت کی وضاحت ہو سکے۔ کیونکہ یہ بات واضح تھی کہ ان تعلقات کی بنیاد نہ تو ۲ ستمبر ۱۹۴۵ء کے تلخ جذبات کے طوفان پر رکھی جا سکتی تھی اور نہ ہی ۱۸ مارچ ۱۹۴۶ء کی پُر خلوص ہم آغوشیوں پر۔ بات چیت یرسین لالئے کے چھوٹے سے سادہ ہال میں ہوئی اور اس کے بعد لانگ بیاں کے محل کے نفیس کمروں میں۔ لیکن مندوبین کی دونوں جماعتیں — جن میں سے ایک کا سربراہ وو انگوین گیاپ تھا اور دوسری کا پیئر میسمر —— بقول گیاپ، 'پُر تپاک اختلافِ رائے'، سے زیادہ کچھ حاصل نہ کر سکیں۔

ہو سکتا ہے کہ اختلافِ رائے پُر تپاک ہو لیکن یہ اختلاف دو بنیادی باتوں کے سلسلے میں بہت گہرا تھا۔ اوّل، دونوں ملکوں کے درمیان رسمی رشتے کی نوعیت۔ ہو اور اس کے ساتھی ۶ مارچ کے بیان کو دو فرمانروا قوتوں کے درمیان مساوات کی بنیاد پر شرکت (فرنچ یونین اور انڈوچائنیز فیڈریشن کے اندر 'آزاد ریاست') خیال کرتے تھے جبکہ فرانس کے نمائندوں کا مؤقف تھا کہ ہنوئی کے معاہدے پر دستخط کر کے نئی ریاست نے —— ہند چینی فیڈریشن کی سطح پر —— اپنے آپ کو ایک مخروطی شکل کے

اہرام میں شامل کر لیا ہے جو نیچے سے اُوپر تک فرانسیسی ری پبلک کے سہارے کھڑا ہے۔
غلط فہمی کی دوسری بنیاد زیادہ ڈرامائی تھی۔ اس کا تعلق کوچن چین سے تھا۔ ویت منھ کے نزدیک ۶ مارچ کے معاہدے میں لکھا ہُوا استصواب محض رسمی بات تھی کیونکہ ظاہر تھا کہ 'عوام' ایک غیر منقسم خود مختار ریاست میں مدغم ہونے کے حامی تھے۔ دوسری جانب فرانسیسی کوچن چین کو اور کچھ نہیں تو جنوب کی علاقائی خود مختاری کی ضمانت تصور کرتے تھے۔ اس کے علاوہ قانونی طور پر یہ فرانسیسی علاقہ تھا، جسے پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر کسی کے 'حوالے' نہیں کیا جا سکتا تھا۔

نام بو کا یہی سوال کانفرنس کے اس سنگین واقعہ کا باعث بنا، جس کی تحریک گیاپ نے کی۔ اس نے فرانسیسی فوج کے ہاتھوں جنوب کے عوام کے امکانی مصائب کی وہ رقت انگیز تصویر کھینچی کہ فرانسیسیوں ـــــ خاص طور پر میسمر ـــــ کی طرف سے سائیگان میں ستمبر ۱۹۴۵ء کے مظالم سے متعلق تلخ لہجے میں فوری جواب آیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس حکومت کے تحت، جس کے وزیرِ داخلہ آپ ہیں، ہنوئی میں رہنے والے فرانسیسیوں کا کیا حشر ہوگا، مستقبل ہی بتا سکتا ہے۔

دونوں جماعتوں کے علیحدہ ہونے سے پیشتر مجھے گیاپ اور میسمر سے ان مذاکرات کے متعلق ان کی رائے پوچھنے کا موقعہ ملا، یہ بات صاف ظاہر تھی کہ مصالحت کا وہ جذبہ ـــــ ہو، لیکلرک اور سینٹنی کا معجزہ ـــــ جو مارچ میں موجود تھا اب لگے وقتوں کی بات تھی، لیکن مسائل کے حل کے لئے عقل پر مبنی خواہش اب بھی باقی تھی۔ بحث و تمحیث میں جہاں مخالف نظریات اجاگر ہوئے تھے وہاں باہمی ضروریات کا احساس بھی سامنے آیا تھا۔ اور جب میں نے پائدار مصالحت کے سلسلے میں گیاپ کے اعتماد پر شک و شبہ کا اظہار کیا اور ۷ مارچ کے اجلاس میں بریسٹ لٹووسک کے معاہدے کی طرف اس کا اشارہ اسے یاد دلایا تو وہ اس بات پر حیران اور برہم نظر آیا کہ مجھے یہ بات ابھی تک یاد تھی اور اس نے مجھے قائل کرنے کی بہت کوشش کی کہ ایک عام اجلاس میں پیش کئے ہوئے دلائل کابینہ کے ایک وزیر کو کسی بات کا پابند نہیں کر سکتے۔

باقاعدہ گفت وشنید فرانس میں ہونے والی تھی۔ ویت نام کے مندوبین کی جماعت کا سربراہ ہو نہیں تھا بلکہ فام وان دونگ۔ تاہم صدر اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیرسگالی کے دورے پر یورپ جارہے تھے اور اس دورے کا مقصد یہ تھا کہ گفت وشنید کے لئے موزوں نفسیاتی فضا پیدا کی جائے۔ اسے امید تھی کہ پیرس میں اس کی دوستیاں، بائیں بازو کے کارکنوں کی یادیں اور اس کی ذات کی دل کشی مذاکرات کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنے میں مدد دے گی۔ اور اگر مصالحت کے لئے اس کی اپنی ٹیم کے جوش کو ابھارنے کی ضرورت ہو تو اسے موقعے پر موجود ہونا چاہیے۔

تاہم روانہ ہونے کے وقت اسے بددل کر دینے والا تجربہ ہُوا۔ ژور ژبی دو نے فرانسیسی مندوبین کی جماعت کی سربراہی اپنے دوست ماکس آندرے کے سپرد کر دی جو ایم۔ آر۔ پی میں صاحب اثر شخصیت تھی۔ آندرے ایک مشن پر ہنوئی آیا اور انگوین مانھ ٹا ـــــ جو ہو کی کابینہ میں وزیر رہ چکا تھا اور آندرے کی طرح کیتھولک تھا ـــــ نے مہمان کی صدر کے ساتھ ملاقات کرانے کے لئے ایک دعوت کا انتظام کیا۔ ہو متاثر نہیں ہُوا۔ آندرے کے جانے کے بعد اس نے اپنے میزبان سے پوچھا:۔"اُس شخص کا ماضی کیا ہے"؟ اسے بتایا گیا کہ یہ شخص بنک میں کلرک تھا۔ ہو نے کہا:۔"مجھے تعجب نہیں ہُوا۔ اس قسم کے آدمیوں کے ساتھ ہم یقیناً زیادہ مسافت طے نہیں کر سکتے"!

۸ - ملاقاتی

۳۰ مئی ۱۹۴۶ء کو ہو پیرس جانے کے لئے جہاز پر سوار ہُوا۔ وہ بارش کی وجہ سے ایک بھورے چوغے میں لپٹا ہُوا تھا۔ اس کے ساتھ جنرل سالان تھا، جو معاہدے کے مجوزوں میں سے تھا۔ جنرل کی موجودگی ۶ مارچ کے جذبے پر دلالت تھی۔

یکم جون کو جہاز دمشق پہ سے گذر رہا تھا تو ریڈیو سے صدر کو معلوم ہُوا کہ آدمیرل دارژانلیو کی ہدایات پر سائیگان میں کوچن چین کی ریاست کا اعلان کر دیا گیا ہے، جو "ایک آزاد ریاست ہوگی، جس کی اپنی حکومت، اپنی پارلیمنٹ، اپنی فوج اور اپنے مالی وسائل ہوں گے اور جو انڈو چائینیز فیڈریشن اور فرانسیسی یونین کا حصّہ ہوگی" ــــ یہ بالکل وہی عبارت تھی، جو ۶ مارچ کو ہو (پورے) ویتنام کے لئے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا ..... یہ صحیح ہے کہ اس اعلان میں یہ بھی لکھا تھا کہ کوچن چین کی حیثیت "۶ مارچ کے معاہدے میں لکھے ہوئے استصواب کی شرط پر" معین کی جا رہی ہے۔ لیکن واقعات پہ سبقت لے جانے اور نام بو کے مستقبل کو ایک خاص ڈگر پر ڈالنے کی خواہش اتنی واضح تھی کہ ویت منھ لیڈر حیران ہوگیا اور اس کے ہوش خطا ہو گئے ــــ خاص طور پر اس لئے بھی کہ یہ اعلان اس کی روانگی کے دوسرے ہی

دن کیا گیا اور اس کی حیثیت ایک چیلنج کی تھی، جس کے رَدِ عمل کے طور پر ممکن تھا کہ اس کے نائبین تشدد پر اتر آئیں......

اس کے بعد جب اسے پتہ چلا کہ اس کے جہاز کا رخ پیرس سے بیاریتز کی طرف موڑ دیا گیا ہے اور یہ کہ اس جگہ اسے اُس وقت تک رہنا پڑے گا جب تک نئی فرانسیسی حکومت کی تشکیل نہ ہو جائے (۲ر جون کے انتخاب کے نتیجے میں) تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں اس کے لئے کسی قسم کا جال تو نہیں بچھایا گیا؛ کہیں فرانسیسیوں کے لئے مارچ کے معاہدے کی حیثیت محض مغالطے میں ڈالنے کی چال تو نہیں؟ کہیں اسے دھوکا تو نہیں دیا گیا؟

اس نے بہت تلخ لہجے میں ژاں سینتنی سے کہا، جو بیاریتز کے ہوائی اڈے پر اس کے استقبال کے لئے آیا تھا، کہ اب اسے فرانس میں قیام کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، کہ مذاکرات کا وقت ختم ہو چکا ہے، کہ اب تو ایک ہی کام ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ وہ واپس گھر چلا جائے ۔ وہ ناراض کم اور دل شکستہ زیادہ معلوم ہوتا تھا - اور اس کی پریشانی عیاں تھی - سینتنی نے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا، اسے یقین دلایا کہ آدمیرال دارژانلیو کا اقدام بالکل عارضی ہے، کہ استصواب رائے ضرور ہو گا، کہ کوچن چین کے کچھ حلقوں کے باقاعدہ مطالبے کے دباؤ کے تحت ہائی کمشنر کو ایسا کرنا پڑا - یہ بات کہ یہ حلقے نمائندہ ہیں یا نہیں اور یہ کہ ان کا کوئی حقیقی اثر و رسوخ ہے یا نہیں، انتخاب کے وقت ظاہر ہو جائے گی۔

تو صدر ہوٹل دو پالے میں قیام کے لئے چلا گیا۔ چند ہی دنوں میں اس کا سکونِ قلب بحال ہو گیا، وہ باسک کے دیہاتی علاقے کو پسند کرنے لگا اور مچھیروں اور کسانوں سے باتیں کرتا بے فکری سے چھٹیاں منانے لگا۔ (یہاں کی زمین اچھی ہے - جہاں سے میں آیا ہوں وہاں کی اس سے بھی بہتر ہے، لیکن وہاں کھانے والے بہت ہیں.....") اس نے کئی بار سمندر کی سیر بھی کی اور لوردبھی گیا۔ اور جب شارل تیلوں، جو ہوائی فوج کا وزیر اور ان دنوں فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کا بہت با اثر رکن تھا، ان حالات کی تحقیقات کرنے کے لئے آیا جن کے تحت اسے "دوسرے درجے کے ہوٹل میں جس کی مرمت

ہو رہی تھی ..... بند کیا گیا تھا، تو ہو نے مسکرا کر جواب دیا کہ اس محل میں قیام کی نسبت وہ زیادہ بدتر مصائب جھیل چکا ہے۔

۲۲ر جون کو ہو اور سینٹنی بالآخر بیاریٹز سے پیرس کے لیئے روانہ ہوئے، جہاں ایم۔ آر۔ پی کے لیڈر ژورژ بی دو کی قیادت میں نئی حکومت کی تشکیل ہو چکی تھی۔

"(سینٹنی لکھتا ہے) ہم چار بجے تک پیرس پر پرواز کر رہے تھے۔ لوبورژے کے ہوائی اڈے پر اتنے لوگ تھے کہ وہ سیاہ نظر آ رہا تھا۔ فرانسیسی حکومت کی نمائندگی سمندر پار کے ممالک کے وزیر موسیو ماریس موتے کر رہے تھے اور اس کے ساتھ بہت سے سول اور فوجی حکام تھے۔ ہوائی اڈے کی عمارت پر فرانسیسی اور ویتنامی جھنڈے ساتھ ساتھ لہرا رہے تھے۔ میں نے اپنے مہمان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے خون بالکل غائب ہو گیا تھا اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس کا گلا اتنا خشک تھا کہ گو وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کی زبان سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔ جب جہاز اڈے پر آ کر رکا تو اس نے میرا کندھا مضبوطی سے تھام کر کہا: "تم جو کچھ بھی کرو مجھ سے علیحدہ نہ ہونا۔ یہاں تو اتنے آدمی ہیں!""

تصویر کا دوسرا رخ سررشتہ امور تشریفات ژاک دو میں نے پیش کیا ہے:-

"جہاز کے لوبورژے پر اترنے میں بہت سی سفارتی ذمہ داریاں درپیش تھیں..... جب نئے صدرِ مملکت حفاظت سے کار میں بیٹھ گئے، جس کے گرد پولیس کے سولہ موٹر سائیکل تھے، تو ہماری جان میں جان آئی۔ ہر قسم کے سنگین حادثات پیش آ سکتے تھے۔ یہ ظاہر تھا کہ ہوچی منھ نے عالی منشی کا چوغہ پہنا ہوا ہے —— اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ منافقت کر رہا تھا۔ کیا وہ واقعی مصالحت چاہتا تھا یا محض وقت گذار رہا تھا؟ اس کے سب سے پُرجوش حامی فرانس میں رہنے والے ویتنامی تھے۔ وہ مقامی مشکلات اور ٹانکن پر حکومت کرنے کے سلسلے میں ہو کی بے بسی سے ناواقف تھے ..... اس کے علاوہ فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی چوری چھپے ان کی سرگرمیوں کو چلا رہی تھی۔ اس دورے کے لیئے کوئی شگون بھی اچھا نظر نہیں آ رہا تھا.....۔"[1]

---

[1] "کے دورے"، صفحہ ۹۷

جو لوگ اس کا استقبال کرنے کے لئے آئے ان میں سوشلسٹ ڈپٹی پال ریوے شامل تھا، جو میوزے دو لوم کا ڈائرکٹر، نو آبادیاتی نظام کا کٹر مخالف اور ویت نام کی آزادی کا چیمپین مشہور تھا - دونوں بغلگیر ہوئے - ریوے نے کہا :- 'کامریڈ کامریڈ کا استقبال کرتا ہے'- ہو نے اس سے کہا کہ ہم ایک ہی انٹرنیشنل کے حامی نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اس نے تھوڑی ہی دیر بعد یہ کہتے ہوئے کہ :- 'آپ جیسے لوگوں کے ساتھ میں فوراً امن پر آمادہ ہو جاؤں گا -' پیرس میں زیادہ وقت کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں کی نسبت ورکرز انٹرنیشنل کے بائیں بازو کے ارکان کے ساتھ گذارنے سے گریز نہ کیا - ان میں سب سے زیادہ بارسوخ رکن ژاں رو کو تو اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ :- 'ان کی نسبت میری آپ سے زیادہ نبھتی ہے'- (لیکن رو مسکرا کر بتاتا ہے کہ اس بات پر رائے زنی کئے بغیر ہم دونوں کو معلوم تھا کہ ان الفاظ میں وہ 'فریب مصلحت آمیز' شامل ہے جو نطشے کے نزدیک پارسا لوگوں میں پایا جاتا ہے) -

وہ رائل مونسو میں ٹھہرا - اس نے اسے سفارت خانے کی شکل دے دی اور وہاں متواتر ملاقاتیوں کا استقبال کرتا رہا - (تمام دنیا کی نو آبادیاتی اقوام کو آزادی دلانے کی مشغولیت) ایک دن فرحت عباس ہوتا تو دوسرے دن ڈیوڈ بن گوریاں ہوتا جو ان دنوں صرف یہودیوں کی ایجنسی کا سربراہ تھا، یا پھر بنک آف انڈوچائنا کا ڈائریکٹر پال برنارد ہوتا -

تاہم یہ تمام ملاقاتی اظہارِ عقیدت کے لئے نہیں آتے تھے - ایک دلچسپ دستاویز ہاتھ لگی ہے جس سے ان ویتنامی تارکانِ وطن کی ذہنی کیفیت کا پتہ چلتا ہے جن کا ذکر ژاک دوبیں نے کیا ہے - سینٹنی کی کتاب[1] میں 'کامریڈ انگوین اے کوک کی خدمت میں ایک کھلا خط' کا متن شامل ہے، جس کا ہو کے جذبات پر گہرا اثر ہوا -

"[دستخط کرنے والوں نے اعلان کیا کہ] ہم ان چند لوگوں میں سے ہیں جن کو

۱- 'ایک ناکام امن کی تاریخ'، صفحہ ۹۷،

آپ نے ۱۹۲۵ء میں تربیت دی۔ آپ کے خیالات نے ہم پر گہرا اثر چھوڑا ..... ہم نے آپ کو ویتنام کے نوجوان مزدوروں کا نشان گردانا .....۔"

"ہمیں شبہ تک نہ ہوا کہ ۸ر مارچ[1] کے بعد ہمیں آپ سے وابستہ تمام توقعات سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ آپ نے ایک معاہدے پر دستخط کئے ہیں جس میں خود مختاری کی بجائے خود انتظامی کو تسلیم کیا ہے! اس زمانے میں، جب آپ کا نام عظیم انقلابی تصور کا نشان سمجھا جاتا تھا، ہمیں آپ پر اتنا ہی اعتماد تھا جتنا آج ہمارے دلوں میں غصہ ہے ــــ ہم شرمندہ ہیں کہ ہم نے غلط بزرگ کا انتخاب کیا ......۔"

"لیکن ویتنامی عوام زیادہ دیر تک ناامیدی کا شکار نہیں ہوتے ...... وہ اس راستے پر اپنا سفر جاری رکھیں گے جس پر آپ زیادہ عرصہ نہ چل سکے .....۔"

ہو نے ان لوگوں سے گفتگو کرنے پر اصرار کیا، جنھوں نے اس پہ یہ کیچل دینے والا حملہ کیا تھا۔ بعد میں میں نے ان میں سے ایک سے کہا کہ ممکن ہے کہ صدر محض فرانس سے ایک چال کی سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہوں اور اس سے پوچھا کہ کیا اس نے اپنے اقدام کی ان خطوط پر حمایت کرنے کی کوشش کی؛ صدر نے جواب دیا:۔ "بالکل نہیں۔ اس نے مجھے باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کمزور اور غیر منظم حالت میں فرانس ویتنام کا بہترین رفیق ہے، کہ موجودہ پالیسی ایسی ہے جس کی قوم کو کم سے کم قیمت ادا کرنی پڑے گی، کہ تعمیرِ نو کے کام کو سب پر فوقیت حاصل ہونی چاہیئے ..... اس نے مجھے تقریباً اپنا ہم خیال بنا لیا ..... زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ مجھے احساس ہوا کہ وہ ٹھیک تھا۔"

۲۵ر جون کو اس نے رائل مونسو میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا، جس میں ہر خاتون کو ایک پھول پیش کیا۔ 'لوموند' کے نامہ نگار نے اسے 'خاموش اور خوش مزاج' قرار دیا اور بتایا کہ وہ شکل سے 'چھوٹی افسر شاہی' کا رکن معلوم ہوتا تھا۔ ۱۲ر جولائی کو

---

[1] ۶ر مارچ کے معاہدے کی طرف ایک اشارہ۔

ایک پریس کانفرنس میں ہو نے اعلان کیا کہ :۔ 'میں نے ہمیشہ خفیہ جگہوں میں زندگی گذاری ہے ۔میں ۲۰ر اگست ۱۹۴۵ء کو منظرِ عام پر آیا ہوں'۔ 'کیا وہ کبھی جیل میں رہا ؟' 'ہاں ——— یہاں ، وہاں اور ہر جگہ'۔ 'زیادہ عرصے کے لئے ؟' 'جیل میں گذاری ہوئی مدت ہمیشہ طویل ہوتی ہے .....'

اس کی چالاک سادگی ، اس کا ملنے جلنے کا برجستہ انداز ، اس کی بے ساختگی ، اس کا مشہور بے تصنع طرزِ اظہار ، اس کی زبانی چوٹیں ، اس کا مخصوص انداز اور لباس ، بر وقت اشارہ کرنے کا سلیقہ ، ان سب اداؤں نے پیرس کو بہت محظوظ کیا اور وہ اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا ۔ اس نے صرف مفلس اور صنعتی پیرس کو ہی نہیں ، جسے اس نے اپنا لیا تھا ، بلکہ ——— سینٹینی کی التجاؤں کے باوصف جنرل لیکلرک کی ناقابل توجیہہ کم سختی کے باوجود ——— اس دنیا کو بھی ، جس کے خلاف وہ تمام عمر جنگ آزما رہا ۔ اپنا گرویدہ بنا لیا ۔ اس عنوان کے تحت دانیال گریں کے الفاظ ، جو نو آبادیاتی راج کا ثابت قدم مخالف تھا ، پڑھنے کے قابل ہیں :۔

"باگاتیل کے گلاب کے باغ میں ہونے والی گارڈن پارٹی کے موقع پر مجھے ہوچی منھ کو ہنستے ، مسکراتے اور موسیو فرانسک گے کے ساتھ بغلگیر ہونے کے لئے جنگوں میں نام پیدا کرنے والے جرنیلوں کے ہاتھ چھوڑتے ہوئے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ۔ دوستی کی یہ تراوش فوق الفطرت ، ضرورت سے زیادہ اور پریشان کن تھی ۔ مجمع پر گھبراہٹ کا گراں احساس طاری تھا ۔"

گریں کی اس منظر کے متعلق رائے یقیناً اس گفتگو سے متاثر ہوئی تھی ، جو اس نے ابھی ابھی ہو کے ساتھ کی تھی :۔

"تسلیمات پیش کرنے اور اس کے ملک کی آزادی پر اس کی خوشیوں میں شریک ہونے میں مجھے جو خوشی نصیب ہوئی اس پر صرف نظری اختلافات کے ہی بادل نہیں چھائے بلکہ تا تو تھو کی یاد کے بھی ۔ سٹالن کے چند بہت جوشیلے پیروکاروں نے ، جنھیں اپنے لیڈر کا قرب حاصل تھا ، تھوڑا عرصہ ہوا سائیگان کے سابقہ میونسپل کونسلر کو ٹراٹسکی کے نظریات

کی حمایت کرنے کے جرم میں قتل کر دیا تھا۔"

"ہوچی منہ نے حقیقی جذبات کا اظہار کرکے کہا :۔"وہ عظیم محبِ وطن تھا اور ہمیں اس کی موت کا بہت افسوس ہے"۔ لیکن ایک ہی لمحہ بعد اس نے سنبھلی ہوئی آواز میں کہا: "وہ تمام لوگ جو میری وضع کی ہوئی پالیسی پر عمل نہیں کرتے نیست و نابود کر دیئے جائینگے۔"[1]

اس فقرے سے بہت کچھ ظاہر ہوجاتا ہے اور اسے اس لئے محفوظ کر لینا چاہیئے کہ یہ ہو کی پوری شخصیت پر روشنی ڈالتا ہے، خاص طور پر اس لئے کہ یہ الفاظ بائیں بازو کے ایک بارسوخ شخص کو اس وقت کہے گئے تھے جب صدر عمداً فرانسیسی عوام کو ہم خیال بنا رہا تھا۔

تعلقات بنانے کے سلسلے میں یہ دورہ بہت کامیاب ثابت ہو رہا تھا۔ جہاں تک سرکاری گفت و شنید کا تعلق ہے وہ کافی مطمئن تھا۔ ۲ر جولائی کو اس نے نئے وزیر اعظم موسیو بی دو سے پہلی بار ملاقات کی اور ان کے درمیان شائستگی کی کوئی کمی نہیں تھی۔ نیشنل رزسٹنس کونسل کے سابقہ لیڈر نے، جو حالانکہ علیحدگی میں بوڑھے انقلابی کے سلسلے میں نفرت کا جذبہ چھپا نہیں سکتا تھا، مختصر سی تقریر میں اعلان کیا :۔"ہمیں صدقِ نیت سے اور اس انسان پرستی کے گہرے احساس کی رہنمائی میں، جو کنفوشس اور مغربی فلاسفروں نے آزاد اور ایک دوسرے کے دستِ نگر انسانوں کے درمیان تعلقات کے ایک نئے تصوّر کی بنیاد کے طور پر قائم کی، اکٹھے مل کر کام کرنا ہے"۔ اور ۱۳ر جولائی کو ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویت نام کے صدر نے نامعلوم سپاہی کی قبر پر پھول چڑھائے۔ اس لمحے وہ فرانس کے سرکاری مہمان کے طور پر موسوم کر دیا گیا۔ اس رسم کے دوران اس شخص کے داخلی خیالات کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے، جس نے انگوین اے کوک کی حیثیت میں 'لوپاریا' کی بنا رکھی تھی اور ایشیائی اور افریقی لوگوں کو 'توپ کے چارے' کے طور پر استعمال کرنے کے خلاف اتنی سخت لعن طعن کی تھی۔

ان سب باتوں پر ژاک دو مین کے مشاہدات، پیشہ ورانہ تجسس اور ہلکی سی ناپسندیدگی

---

[1] اے سروییس دے کالونی، پیش لفظ اور صفحہ ۲۲

کا بے مثل، تقریباً مضحک، مرکب ہیں ......

"ہمیں ہوچی منہ کے سرکاری دورے کی نگرانی کرنی پڑی - عمر اور دل جمعی کے تقاضوں نے اس کے کائیاں اور اچھے طور طریقوں کو نکھار دیا ہے اور وہ ہر کام فطری آرام اور وقار سے کرتا ہے ..... جب ہمیں یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ معائنے کے وقت وہ کہاں بیٹھے تو باستیل ڈے پر اس نے ہمارے لئے ایک نئی مشکل کا اضافہ کر دیا - موسیوبی دو لے اپنے ساتھ نہیں بٹھانا چاہتے تھے - چچا ہو اصرار کر رہے تھے کہ وہ وزیر اعظم کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھیں گے - سرکاری چبوترے پر اس کی کرسی کی بالکل ٹھیک جگہ کا تعین مجھے کرنا تھا - کمیونسٹ لیڈر تھوڑے اور تیلوں مطمئن نہیں تھے -"

چند دن بعد ایک اور مڈھ بھیڑ کا خلاصہ ایسی فراست سے بیان کیا گیا ہے جو میل ملاپ کے موقع پر دومیں کی خشک طبعی سے متجاوز ہو جاتا ہے :

"ہم نے ہوچی منہ کے ساتھ علیحدگی میں کھانا کھایا - زبان پر اختیار رکھنے، اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے اور اپنے منصوبوں میں اعتدال کی ملاوٹ اور شائستگی کا نقش ابھارنے میں اس خود آموختہ شخص کی مہارت کی تعریف کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا - جو لوگ اس کے گرد جمع ہیں وہ بہت جذباتی، متعصب اور اپنے رویے میں غیر محتاط ہیں - اس کے برعکس وہ خود دانا اور صاحب فراست ہونے کا تاثر دیتا ہے - اگر وہ ممکن الحصول مطالبات سے ذرہ برابر بھی زیادہ حاصل کر سکے تو شاید ناممکن کا مطالبہ نہ کرے ؟ کیا یہ دو برائیوں میں سے کمتر نہ ہو گی ؟"[1]

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ہو کا ان دنوں فرانسیسی کمیونسٹ لیڈروں سے نسبتاً بہت کم رابطہ تھا - شاید وہ اس ڈر سے کہ کہیں قدامت پسند اور کیتھولک حلقے ویتنام کے خلاف نہ ہو جائیں، بات چیت کے دوران کمیونسٹوں کے ساتھ رابطے سے احتراز

---

[1] " کے دورے "، صفحہ ۹۹ - ۱۰۲

کرنا چاہتا تھا۔ شاید وہ یہ دریافت کرکے مایوس ہوگیا تھا کہ وہ ایشیائی سیاست کے متعلق بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ شاید اس سال کے شروع میں جنرل انگوین وان اکسوان کے سامنے موریس تھورے کی خیال آرائی کی یاد اب بھی اس پر گراں گذر رہی تھی۔ فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ 'فرنیچ یونین میں شامل ہر ملک میں فرانسیسی جھنڈا لہراتا ہوا دیکھنے کا دل سے خواہشمند ہے' اور یہ کہ وہ 'ہند چینی میں فرانسیسی مورچوں کے خالی کئے جانے کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا جانا نہیں چاہتا'۔ اس بات میں جتنی بھی صداقت ہو، ویت نامی مندوبین کی جماعت کے ایک رکن نے ہنوئی واپس پہنچ کر اعلان کیا کہ سمندر پار کے ملکوں کے مسائل کے متعلق فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کا کوئی واضح پروگرام نہیں ہے...[1]

ویتنامی کمیونسٹوں اور ان کے فرانسیسی ساتھیوں کے درمیان تعلقات کیسے بھی ہوں بے تکلفی پر مبنی نہیں تھے۔ ۱۹۳۵ء میں آئی۔سی۔پی ٹراٹسکی کے پیروکاروں سے تعاون کرنے پر رضامند ہوگئی تھی۔ فرانسیسی کمیونسٹوں نے اس کی مخالفت کی تھی اور جب دس سال بعد تعاون کا یہ ناطہ ٹوٹ گیا تو انھیں ناگوار حیرانی ہوئی۔ اس وقت آندرے مارتی نے اس دوسرے واقعے کو 'فروخت کرنے کا فیصلہ' کا نام دیا تھا۔ لیکن اب فرانسیسی ہوکی یہ دلیل تسلیم کرنے کے لئے تیار تھے کہ یہ بقا کی خاطر محض ایک چال تھی جو اس لئے چلی گئی تھی کہ کومنتانگ کی فوجیں اچانک ان کے علاقے میں داخل ہوگئی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ (ا) فرانس میں فرانسیسی کمیونسٹوں کی قوم پرستی کی حکمت عملی ان کی راہ میں حائل تھی، اور (ب) فرانسیسی کمیونسٹ ابھی کسی نتیجے پر ہی نہیں پہنچے تھے کہ نو آبادیوں کے متعلق ان کی پالیسی کیا ہونی چاہیئے۔

اس زمانے میں ہو کے سب سے گہرے تعلقات ایک کمیونسٹ نواز شخص ریموں اوبراک سے تھے، جو مارسیلیس ری پبلک کا کمشنر رہ چکا تھا اور جس کی بیوی لوسی ان

---

[1] فلپ دیویلر۔ 'ویتنام کی تاریخ'، صفحہ ۲۲

دنوں نیشنل اسمبلی کی رکن تھی۔ ہوانہیں ایک دن ایک دعوت میں ملا اور انھیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ دیہاتی علاقے میں رہتے ہیں۔ وہ ان الفاظ پر اچھل پڑا۔ پیرس میں بہت شور وغوغا اور بھیڑ ہے، کیا وہ ان کے مکان میں رہ سکتا ہے؟ اس اتفاقیہ ملاقات کے نتیجے میں تقریباً اگست کے وسط میں وہ اور اس کے گیارہ ساتھی اوبراک کے مکان میں منتقل ہو گئے اور ۱۵ ستمبر یعنی اس کی روانگی کے وقت تک وہیں رہے۔ ہر صبح وہ فجر کے وقت اٹھتا اور خاص ویتنامی انداز میں تین گھنٹے تک ایک پتھر پر بہت بے آرامی سے بیٹھ کر پیرس کے اخبار پڑھتا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے بہت سے ملاقاتیوں سے ملتا اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر پیرس روانہ ہو جاتا۔

تاہم اس وقت تک فرانکو ویتنامی کانفرنس، جو فونتین بلو کے مقام پر ۶ جولائی کو شروع ہوئی تھی، ناکام ہو چکی تھی۔ پال موس ہماری توجہ اس مایوسی کی طرف مبذول کراتا ہے۔ جو فونتین بلو —— پیرس سے دور ایک سرد مقام —— کے انتخاب اور فرانسیسی مندوبین کی جماعت کے ارکان کی ترتیب کے باعث ویتنامیوں پر چھا گئی تھی۔ فرانسیسی مندوبین کی جماعت ذہین ماہرین فن پر مشتمل تھی (ماکس آندرے کے علاوہ، جس کے متعلق ہنوئی میں ہونے بہت حقیر رائے قائم کی تھی اور جسے اس کے اپنے ساتھی شک کی نظروں سے دیکھتے تھے) لیکن ان میں ایک بھی سیاست دان اُس درجے اور شہرت کا نہیں تھا جو بین الاقوامی کانفرنس کا تقاضا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کی نمائندگی بھی ایک دوسرے درجے کی شخصیت کر رہی تھی موسیو بونڈے۔ اس وقت تک، ہو کے ساتھیوں کی نظروں میں، پیرس اور فرانس کی سیاسی زندگی نے ایک طلسماتی فضا قائم کر رکھی تھی، جس نے ممکن ہے ایک طاقتور نفسیاتی ہتھیار کا کام دیا ہو۔

لیکن بات اس سے کہیں زیادہ سنگین تھی۔ مسئلے کے حل کے دونوں بنیادی نقطہ نظر کے درمیان میں خلیج، دالات کے بعد سے آج تک کم نہیں ہوئی تھی۔ فرانس اور ویتنام کے درمیان تعلقات کے متعلق ہنوئی کی ٹیم کا اب بھی یہی خیال تھا کہ ان پر بین الاقوامی قانون لاگو ہوتا ہے جبکہ پیرس کی ٹیم اسے گھریلو معاملہ تصور کرتی تھی۔ اول الذکر کے لئے مسئلہ خود مختاری

کا تھا، جس کے ساتھ اتحاد یا شرکت کا سوال ملایا جا سکتا ہے، موخر الذکر کے لئے فرانسیسی بلاک کے اندر خود انتظامی کا، جو فرمانروائی کی واحد بنیاد تھی۔

کوچن چین (نام بو) کے مسئلے پر اختلافِ رائے کی وجہ سے، جو یکم جون کو سائیگان میں 'آزاد ریاست' کے قیام کے اعلان اور اس کے بعد کے ہفتوں میں موئی سطح مرتفع پر فرانسیسی قبضے کے نتیجے میں پیدا ہو گیا تھا، یہ بنیادی اختلاف بہت بڑھ گیا تھا۔ آدمیرال دارژانلیو نے گویا بات چیت کے مستقبل کو خطرے میں ڈالنے کے لئے پہلے ہی کافی اقدام نہ کئے ہوں۔ سائیگان کے اونچے طبقے کے اصرار پر ـــــ یہ اعلان کر کے کہ ہندچینی فیڈریشن میں کمبوڈیا، لاؤس اور خود کوچن چین کے کردار کا تعین کرنے کے لئے 'فیڈرل کانفرنس' کا اجلاس یکم اگست کو دالات میں ہو گا، اس مسئلہ پر کاری ضرب لگائی۔ کیا اب بھی کوئی یہ دعوٰی کر سکتا تھا کہ استصواب رائے ہو گا؟

اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ فونتین بلو کی بات چیت ملتوی کر دی گئی۔ اس وقت فرانسیسی لیڈروں کو شاید یہ احساس بالکل نہیں ہوا کہ ویت نام کے اتحاد کی خاطر ہو اور اس کے ساتھی خود مختاری کے سلسلے میں خاصی اہم مراعات دینے کے لئے تیار تھے۔ ویت نامی علاقوں کو دوبارہ اکٹھا کرنے کے عوض میں وہ فی الوقت فرمانروائی کے دعوے سے کسی حد تک دست بردار ہو جانے پر رضامند ہو جاتے۔ (اسی مسئلے نے ۱۹۵۸ء میں فرانس اور افریقی اقوام کے درمیان خلیج حائل کی اور گنی کے ساتھ قطع تعلق کا باعث بنا)

ہو نے بیان پر بیان جاری کئے، جو کبھی کبھی تلخ اور اکثر اوقات صلح پسند ہوتے۔ ۱۲ر جولائی کو اس نے اعلان کیا تھا کہ وہ 'انڈو چائینز فیڈریشن کو گورنر جنرل کے ماتحت علاقے کا روپ دھارنے سے روکنے کا تہیہ کر چکا ہے'۔ لیکن ۱۵ر اگست کو اس نے 'فرانک ۔ تیرر' کو بتایا:۔

"میں یہاں مصالحت کرنے کے لئے آیا تھا۔ میں خالی ہاتھ ہنوئی واپس جانے کی فکر میں نہیں ہوں۔ میں فرانس کی معیت میں وہاں واپس جانا چاہتا ہوں۔ دوسرے الفاظ میں میں ویتنامی عوام کے لئے فرانس کے تعاون کی یقین دہانی کے ٹھوس نتائج لے کر گھر واپس

جانا چاہتا ہوں - اس تعاون کی ہمیں توقع ہے ......"

چند دن بعد اس نے ہنوئی کو ایک تار بھیجا، جہاں ۲ ستمبر کو انقلاب اور خود مختاری کے اعلان کی سالگرہ منائی جانے والی تھی - اس تار میں اس نے تاکید کی کہ اس جشن میں فرانس کے خلاف کوئی کلمات نہ کہے جائیں - اور حالانکہ فونتین بلو کی بات چیت کی ناکامی تسلیم کی جا چکی تھی، ۱۱ ستمبر کو اس نے اسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار سے کہا: "ہمارے درمیان کوئی حقیقی نزاع نہیں ہے - ہمارے اختلافات اسی قسم کے ہیں جو ہر خاندان میں پائے جاتے ہیں...."

تاہم ویتنامی مندوبین کی جماعت پیرس سے روانہ ہو چکی تھی ـــــ پہلے سے مرتب کئے ہوئے بیان میں انھوں نے "اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وہ فرانسیسی حکام کے نمائندوں کے ساتھ مقامی طور پر گفت و شنید کر کے مخصوص مسائل کے حل کے لئے محدود نوعیت کے معاہدے کرنا چاہتے ہیں اور فرانس کے ساتھ اتحاد اور تعاون کی خواہش کا عملی ثبوت دینا چاہتے ہیں"۔

ہو مقاصد کے اس اعلان سے زیادہ کا خواہشمند تھا - اس نے مثبت اعلان کے ذریعے ۶ مارچ کے "معجزے" کو نئی زندگی عطا کرنے کی ضرورت محسوس کی - وہ سمندر پار کے ملکوں کے وزیر ماریس موتے سے تقریباً روزانہ بات چیت کرتا - جون میں موتے نے ہی فرانس میں اس کا استقبال کیا تھا اور ہو نے شروع ہی میں وزیر کو یاد دہانی کرائی تھی کہ پہلی جنگ عظیم سے پہلے ژورے کے دوست اور نوجوان وکیل کی حیثیت میں ہند چینی کے سیاسی قیدیوں کی جانب سے اس نے کیا کیا کوششیں کی تھیں ـــ ان قیدیوں میں ہو اور اس کا ساتھی خان چوترنھ بھی شامل تھے - ہو نے اس سے بغلگیر ہو کر کہا تھا: "آپ فرانس میں میرے سب سے پرانے دوست ہیں"۔

واضح تھا کہ صدر ایک رسمی معاہدہ کرنا چاہتا ہے، جو عوام کی نظروں میں اسے کامیابی سے ہمکنار کر دے گا اور اس پالیسی پر مہر ثبت کر دے گا جو اس نے ویتنام میں رائے عامہ کے باوصف اختیار کی تھی - وہ کہتا رہا: "مجھے خالی ہاتھ واپس نہ بھیجو - میرے اپنے انتہا پسندوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے ہتھیار مہیا کرو"۔ لیکن وہ طیش دلانے کی حد

تک چھوٹی چھوٹی باتوں پر لے دے کرتا اور وزیر بات چیت کے اختتام سے پہلے ہی بالکل تنگ آ گئے۔

یہ بات چیت ۱۳ اور ۱۴ ستمبر کو اپنے نقطۂ عروج پہ پہنچ گئی۔ ۱۴ کی شام کو موتے بالکل مایوس ہو کر گھر گیا۔ آدھی رات کے وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی — یہ ہو چی منھ تھا :۔ "ہمارے درمیان تقریباً سمجھوتا ہو ہی گیا ہے۔ بس چند تفصیلات باقی رہ گئی ہیں۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" موتے خود کو اتنا کمزور محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت مزید بات چیت کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ امن اور سکون کی خاطر اس نے کہا :۔ "میں آپ سے کل ملاقات کروں گا۔" لیکن ایک ہی گھنٹے کے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی دوبارہ بجی :۔ "میں آپ کی قیام گاہ کے لئے روانہ ہو رہا ہوں، دستخط کے لئے تیار ......"

ہو آدھی رات کے وقت پہنچا اور — ایک طرف سے بدھ کے بت اور دوسری طرف سے ویت منھ باڈی گارڈ کی ایک ہی نقطے پر مائل ہونے والی نظروں کے عین نیچے — موتے نے رات کے کپڑوں میں ملبوس پلنگ پر بیٹھے ہوئے اس دستاویز پہ دستخط کئے، جو بعد میں "۱۴ ستمبر کے عارضی تصفیے" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے متن میں مارچ کے معاہدے کی شرائط کا عام خاکہ دیا گیا، شمال میں فرانسیسی مفادات کے تحفظ اور کوچن چین میں "جمہوری آزادیوں" کے احترام کی شرائط رکھی گئیں۔ جنوب میں جنگ بندی کا وعدہ کیا گیا جس پہ دونوں اطراف نے جزوی طور پر عمل کیا۔

ہو سرچشمۂ حیات کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا، لیکن اس کی قیمت کے طور پہ اسے بہت سی تفصیلات کے بارے میں شکست ماننی پڑی۔ یہ مراعات خطرے سے خالی نہیں تھیں کیونکہ سائیگان میں آدمیرال دارژانلیو نے جن اقدامات کا اعلان کیا تھا ان کے نتیجے میں ویتنام کے عوام کے رویے میں سختی آ گئی تھی۔ مذاکرات کے ذریعے امن حاصل کرنے کی پالیسی کے طاقتور مخالفوں کی کوئی کمی نہ تھی اور انھوں نے فوراً یہ دلیل پیش کی کہ دارژانلیو کے اقدام اس دھوکے کا ناگزیر نتیجہ ہیں، جس کا ہو اپنی مرضی سے شکار ہو گیا تھا۔

فرانس میں تین ماہ کے قیام کے بعد ویتنام کا صدرِ مملکت ۱۹ ستمبر کو تولوں سے 'دوموں درویل' جہاز پر روانہ ہُوا۔ اس کے متعلق افواہ تھی کہ وہ بہت پریشان ہے اور اسے یقین تھا کہ اس عارضی تصفیے پر دستخط کر کے اس نے اپنی شہرت کھو دی ہے اور شاید اپنا پورا مستقبل بھی۔ لیکن جہاز کا کمانڈر بیان کرتا ہے کہ اس کے مہمان نے مہینے بھر کا سفر زندہ دلی سے گذارا اور وہ گفتگو میں شگفتہ خاطر ساتھی ثابت ہُوا، جو مختلف النوع مضامین پر بحث کرتا، یہاں تک کہ جہاز کے پادری کو خدا کی ہستی کے متعلق چھیڑتا رہتا۔

ہائی کمشنر نے اس سفر کے دوران میں ہو سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ چنانچہ انام کے ساحل کے قریب خلیج کام رانھ میں ملاقات کا انتظام کیا گیا۔ ۱۸ اکتوبر کو سہ پہر کے وقت میں نے اور دوسرے نامہ نگاروں نے، جو جہاز سوفراں پر موجود تھے، جہاز کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ چچا ہو عرشے پر کھڑا تھا، جو تپلے دبلے جسم، سفید بالوں کے گچھے، تار تار چوغے اور سپارٹن سٹائل کے چپل سے فوراً پہچانا جاتا تھا۔ ہو اور دارژانلیو کے درمیان سوفراں کے وارڈ روم کی خلوت میں دو گھنٹے سے زیادہ عرصے تک بات چیت ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے نامہ نگاروں کو بلایا۔ جب ہو نے ہمیں تقریباً ہنستے ہوئے اور اپنے معصومانہ انداز میں بتایا کہ "آدمیرال اور میں سمجھتا ہوں کہ سائیگان اور ہنوئی کے فرانسیسی اور ویتنامی اخباروں کا لہجہ بہت آتش مزاج ہے۔ ہم ہمیشہ ایک دوسرے کو گلدستے نہیں پیش کر سکتے، لیکن ہم ایک دوسرے کو گالیاں کیوں دیں؟ تو میرے دوستو! پریشان ذہنوں کو سکون پہنچانے کے لئے آپ اپنی سی کوشش کریں......" تو دارژانلیو لب بھینچے اور تیوری چڑھائے اسے تکتا رہا۔ اس نے مزید کہا کہ مجھے ان دہشت انگیز کارروائیوں کے متعلق سن کر بہت افسوس ہُوا ہے، جن کا جنوب میں ابھی تک ارتکاب ہو رہا ہے، اور یہ کہ اگر ۱۴ ستمبر کے عارضی تصفیے پر ایمانداری سے عمل درآمد کیا جائے تو آئندہ کانفرنس کے لئے، جو جنوری میں ہونے والی ہے اور فونتین بلو کے کام کی تکمیل کرے گی، راستہ ہموار کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

اس موقعہ پر آدمیرال نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کام میں لا کر کہا:۔ "میں جانتا ہوں

کہ معاہدے کی سمت میں ایک قدم ابھی اٹھایا جا چکا ہے .....؛ تب ایک بہت حیران کن بات ہوئی - ہم نے دیکھا کہ ہو ہائی کمشنر کی طرف بڑھے اور ان سے بغلگیر ہوئے - اس لمحے آدمیراں کا چہرہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا -

ہائی کمشنر کے ہوائی جہاز میں سائیگان واپس جاتے ہوئے میرے ساتھیوں اور میں نے اس انوکھی ملاقات کی اہمیت کو جانچنے کی کوشش کی - دارژانلیو کے اندازِ فکر کی تہہ کو پہنچنے کے لئے میں نے اس کے قریب ترین شریکِ کار سے پوچھا کہ آدمیراں کا کیا خیال ہے کہ ہو کے روبرو وہ کس مسئلے یا کس شخص سے دوچار تھے - ویتنامی قوم پرستی؟ ایشیائی انقلاب؟ مظلوم نوآبادیاتی عوام؟ کمیونزم؟

اس نے وثوق کے ساتھ کہا: "بے شک کمیونزم"۔

ہوچی منھ کے لئے وطن واپسی کوئی آسان کام نہیں تھا - اسے ۶ مارچ کے فوراً بعد کے دنوں میں بھی اتنا احساس نہیں ہوا تھا جتنا اس مرتبہ ہوا، اگر اس کی اپنی پارٹی کے جنگجو اور عملے کے ارکان نہیں تو مخالف پارٹیاں ضرور اسے غدار کے لقب سے نوازنہ رہی تھیں - تاہم وہ اپنی پالیسیوں کی حمایت کا پکا ارادہ کر چکا تھا اور نوآبادیاتی طاقت کے ساتھ دوستانہ صلحنامے کے لیے، خون خرابے کے بغیر انقلاب لانے کی اس طویل جدوجہد میں، شاید یہی لمحے اس کے "قابلِ تعریف اقدام کا باعث بنتے ہیں -

درحقیقت عوام کے نام ۲۳ر اکتوبر کا خطاب اس کی سب سے زیادہ اہم دستاویزوں میں شمار کیا جاتا ہے -

"میرے ہموطنو! ..... میں اپنے مشن کی روداد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں - فرانسیسی حکومت نے میرا پورے اعزاز کے ساتھ استقبال کیا ..... فرانسیسی عوام نے، جو ہمارے لئے دوستی کے پُرخلوص جذبات کے حامل ہیں، میرا پُرتپاک خیر مقدم کیا - میں آپ کی جانب سے ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ......"

"میں خود اختیاری اور ویتنام کو دوبارہ متحد کرنے کے مسئلے کا تصفیہ کرنے کی خاطر

پیرس گیا تھا۔ فرانس کے موجودہ حالات ان دونوں مسائل کے تصفیے کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ ہمیں انتظار کرنا ہوگا......"

"فرانس میں ہمارے قیام کے دوران میں مندوبین کی جماعت اور میں ویتنام کا جھنڈا سب کو دکھاتے رہے ہیں اور ویتنام کے مسائل کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے رہے ہیں ..... ہم نے بہت سے فرانسیسیوں کو ویتنام کا دوست بنا لیا ہے....."

"فرانس میں رہنے والے فرانسیسی ہمارے لئے خیر سگالی کے جذبات رکھتے ہیں ہمیں بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کرنا چاہیئے۔ ہمیں فرانسیسی مسلح افواج کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا چاہیئے اور فرانسیسی باشندوں کے ساتھ ہمارے تعلقات کی بنا مصالحت پر ہونی چاہیئے..... ہمیں ساری دنیا کو دکھا دینا چاہیئے کہ ہم مہذب قوم ہیں۔"

"نام بو میں فرانسیسی اور ویت نامی افواج کو لڑائی بند کر دینی چاہیئے.... انتقامی کاروائی سے احتراز کرنا اور بھٹکے ہوؤں کے ساتھ بردباری سے پیش آنا لازمی ہے۔ ہر شخص محب وطن ہے، لیکن ایسے زمانے بھی آتے ہیں جب حقیر اغراض کے لئے لوگ اعلیٰ ترین فرائض سے غفلت برتنے لگتے ہیں..... بھٹکی ہوئی بھیڑیں واپس آجائیں گی۔ ان کے ساتھ ہمیں تشدد سے پیش نہیں آنا چاہیئے[1]"

فرانسیسی معززین میں سے ایک، جو اس کے استقبال کے لئے آیا اور جس نے تمام دن اس کے ساتھ گذارا، اس موقعے کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے:-

"ہائی فانگ میں وجد کی کیفیت طاری تھی۔ میں نے اس قسم کا مظاہرہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ ساحل پر اترا تو اس نے لوگوں سے فرانس کا قومی ترانہ گانے کے لئے کہا۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ سب سے اگلی قطار میں یوریشین بچے بٹھائے گئے تھے....."

"ہائی فانگ سے ہنوئی تک گاڑی کا ساٹھ میل کا سفر بارہ گھنٹے میں طے ہوا۔ ہر آدھے میل کے بعد گاڑی کھلے میدان میں ٹھہر جاتی اور دہقان[2] دوڑ کر آگے آتے اور نعرہ تحسین بلند

1۔ "مجموعہ" جلد دوم، صفحہ ۷۶-۸۱ ۲۔ کسان۔

کرتے۔ منظر بیان سے باہر ہے ......"

"بوڑھا ہو، جو ہمارے ساتھ باتیں کرتے وقت پوری طرح پُر سکون تھا۔ میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جس کو اپنے اوپر اتنا قابو ہو ــــ دروازے کی طرف جاتا اور سُرخ رومال نکال کر آنکھیں پونچھتا ...... وہ کتنا حیرت انگیز ایکٹر ہے[۱]!"

مجھے پورا یقین ہے کہ ان دنوں اس کا خیال تھا کہ فرانس کے ساتھ مصالحت ہو سکتی ہے۔ گاڑی میں اس نے اس کا اظہار کُھلم کُھلا الفاظ میں کیا ....."

ہنوئی میں، جہاں اسی شام عوام نے اس کا پرتپاک استقبال کیا، 'فرانکو ویتنامی دوستی' کی حمایت میں تحسین کے نعرے بلند ہوئے۔ لیکن یہ نعرہ پٹ چکا تھا اور اس کی پریس کانفرنس، جو اس نے تھوڑی ہی دیر بعد بلائی، ایسے مقدمے میں صفائی کے وکیل کی خاتمے کی تقریر معلوم ہو رہی تھی جو اس کی حمایت میں نہیں جا رہا تھی۔ اب اس کا اپنے اوپر اعتماد ختم ہو رہا تھا۔ واپسی پر اسے پتہ چلا کہ اس کی اپنی پارٹی کی پولٹبیورو میں بے اعتمادی اور نکتہ چینی کی فضا پائی جاتی ہے۔ اس کے دونوں قابل ترین نائب، گیاپ اور دونگ، ایک والات اور دوسرا فونتین بلوسے، گہری مایوسی کے موڈ میں ملک واپس لوٹے تھے۔ گیاپ اب 'انتہا پسند عناصر' کے لیڈروں میں شمار کیا جاتا تھا جس نے ہو کی عدم موجودگی میں حقیقی اختیارات سنبھالے تھے۔ تین ماہ سے زیادہ مدت تک اس کا رویہ ایسا رہا تھا جیسے وہ طاقت کے استعمال کو ناگزیر سمجھتا ہو اور وہ بہت محتاط انداز میں اس کے لئے تیاریاں بھی کر رہا تھا۔ درحقیقت فلپ دیویلیر کی 'ویتنام کی تاریخ' کے اس باب کا عنوان ہی "گیاپ اپنے اسلحہ خانے کو مضبوط کرتا ہے" ہے، جو اسی زمانے سے متعلق ہے۔

اس کے باوجود ویتنام میں فرانس کے نمائندوں کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے رہے تھے۔ جولائی میں لیکلرک کی روانگی نے خاص طور پر گیاپ اور ان ویتنامیوں، کو

---

[۱] چند دن بعد ہنوئی کے تھیئٹر میں جب ایک مقرر جنوب میں نوآبادیاتی حکمرانوں کی بدسلوکیاں بیان کر رہا تھا تو میں نے اسے یہی مظاہرہ کرتے ہوئے پھر دیکھا۔ اسمبلی کے سامنے گیاپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس نے اپنا بڑا سا سرخ رومال نکالا اور جذبات کے عالم میں زور زور سے آنسو بہانے لگا.....

پریشان کر دیا تھا، جو اس پہ اعتماد کرنے لگے تھے۔ اس کے جانشین جنرل والوئی نے اعلان کیا تھا:۔ "ہمیں معاہدوں کو تسلیم کرنا چاہیے اور ان خود معترف اور پوشیدہ نو آبادکاروں کو پورے عزم کے ساتھ راستے سے ہٹا دینا چاہیئے جو ان معاہدوں کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں[1]" لیکن سوال یہ تھا کہ وہ ان عزائم پہ عمل بھی کرے گا یا نہیں۔

ایک اور حادثہ جس نے تشویش پیدا کی ژاں سینتنی کی ریٹائرمنٹ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے اپنا عارضی مشن، جو اس کے سپرد کیا گیا تھا، پورا کر دیا ہے اور چوں کہ جنگ ختم ہو گئی ہے اس لئے اسے سرکاری فرائض سے سبکدوش ہو جانا چاہیئے۔ اس لئے اس نے پیرس میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا تھا۔ اسے پوری طرح سے منظور نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا کوئی جانشین مقرر نہیں ہوا تھا۔ صرف جگہ پہ کرنے والے' مقرر ہوئے' پہلے کرنل کرےپین، بیلرک کا ایک اہلکار، اور پھر جنرل مورلیئر۔ دونوں نے متواتر اتفاق اور خیر سگالی کے جذبے کا اظہار کیا، یہاں تک کہ قوم پرست مخالفوں کے خلاف ویت منھ کی مدد کی۔ یہ ایسی پالیسی تھی جس پہ آدمیرال دارژانلیو کے سٹاف نے بہت نکتہ چینی کی۔

اس کے علاوہ فرانسیسیوں اور ویتنامیوں کے قائم کئے ہوئے مشترکہ کمشن بہت قابلِ قدر کام کر رہے تھے۔ 'لے تاں مودرن' کے مارچ ۱۹۵۰ء کے شمارے میں جے۔ ایچ۔ رائے دونوں قوموں کے ملے جلے گشتی دستوں کے طریقِ عمل کا ذاتی تجربے سے حال بیان کرتا ہے۔ یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس نے خود، یعنی ایک فرانسیسی سپاہی نے' ہوچی منھ کو' جب یہ لیڈر ہنوئی کے قلعے میں سرکاری دورے پہ آیا، کس طرح سلامی دی۔ وہ لکھتا ہے کہ وہ باہمی بے اعتمادی جس کا ابتدا میں اظہار کیا گیا تھا اب ختم ہو چکی تھی'۔

لیکن بہت سے لوگ یہ ثابت کرنے پہ تلے ہوئے تھے کہ معاہدہ 'ایک سنگدل دشمن کا بہت خطرناک فریب ہے، جو ہمیں ملک سے باہر نکالنے پہ تلا ہوا ہے'۔ یہ بات دارژانلیو کے ایک ساتھی نے کہی۔ ملی جلی مسلح افواج کے درمیان وقتی مخالفت بڑے حادثات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی اور یہ حادثات کھلم کھلا نقضِ امن کا باعث

۱۔ جنرل مارشاں، 'ہند چینی کا المیہ'، صفحہ ۶۵۔

بن سکتے تھے۔

اگست کے اوائل میں ویت منھ عناصر نے ایک فرانسیسی دستے پر، جو وسطی علاقے میں باک نِنھ کی طرف جا رہا تھا، حملہ کیا اور تنخواہ کی رقم، جو لانگ سون کی محافظ فوج کو دی جانے والی تھی، لے کر بھاگ گئے۔ ایسی شہادتیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حملہ ویت منھ کے مخالف عناصر یا — جیسا کہ ایک فرانسیسی افسر نے، جو معاملے کی تفتیش کر رہا تھا، مجھے یقین دلایا — جنوب کے رہنے والے لوگوں کی، جو ویت منھ فوج میں ملازم تھے لیکن ان معاہدوں کے خلاف تھے جن میں نام بو کے مسئلے کو بہت کم توجہ دی گئی تھی، اشتعال انگیزی کی سوچی سمجھی کاروائی تھی۔ اس کے باوجود یہ کاروائی ان واقعات کی خبر دیتی ہے، جو عین ممکن ہو سکتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ ۱۴ ستمبر کے عارضی تصفیے کے باعث کوچن چین میں لڑائی تقریباً بند ہو گئی۔ ستمبر کے اواخر میں نام بو میں زیرِ زمین فوجوں کے دورے کے دوران میں مَیں نے یہ تاثر لیا تھا کہ جنوب کے لیڈر عارضی تصفیے کی شرائط پر عمل درآمد کے خواہاں ہیں اور بہت اعتماد کے ساتھ اس وقت کے انتظار میں ہیں جب استصواب رائے ہو گا۔ انگ وان کھیم اور فام انگوک تھواں، جو دونوں بعد میں ہنوئی میں وزیر مقرر ہوئے، معاہدے اور تعاون کی باتیں کر رہے تھے۔ صرف ایک ایسا شخص، جس کی کوئی حیثیت ہو سکتی تھی، مصالحت کے خلاف نظر آتا تھا — 'پاگل پادری' ہوانھ فوسو، جس نے ہواہاؤ کی بنیاد ڈالی اور جس کی غیر معمولی شخصیت نے مجھ پر بہت گہرا اثر چھوڑا۔ چند ہفتے بعد وہ غائب ہو گیا.....

جب جنوب میں دیرپا امن بحال کرنے کی کوشش میں فرانسیسیوں اور ویتنامیوں نے بات چیت شروع کی (جیسا کہ انہوں نے فوراً ہی شروع کر دی) تو یہ جنوب میں ویت منھ تنظیم کے فوجی لیڈر انگوین بنھ کی مخالفت کی بنا پر ہر مرحلے پر معرضِ التوا میں پڑتی رہی۔ ٹانکن کے اس باشندے نے — جو کمیونسٹوں کا مخالف تھا اور جسے شمال میں ایک مشن کے دوران میں اپنے تصورات کی بنا پر زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا —

اپنی فوجوں سے ہتھیار چھیننے تو کُجا انھیں دوبارہ مختلف دستوں میں ترتیب دینے سے بھی انکار کر دیا۔ تاہم ہوا یہ کہ لڑائی اس کے علاقے سے بہت دور ــــ ہائی فانگ میں ـــــ شروع ہوئی۔

۱۱ ر نومبر کو ہونے فرانس کے اس بندرگاہ میں ایک فرانسیسی کسٹم ہاؤس کھولنے اور بیرونی تجارت کی نگرانی کرنے کے یک طرفہ فیصلے کے خلاف فرانسیسی وزیر اعظم موسیو بی دو سے احتجاج کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ یہ اقدام ۱۴ ر ستمبر کے عارضی تصفیے کی شرائط کے منافی ہے اور اس کے 'اس بات چیت پہ خاص طور پر سنگین اثرات ہوں گے....جو فرانکو ویتنامی مشترکہ کمشن دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ تعاون کی پالیسی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے شروع کر رہا ہے'۔ اس کے برعکس فرانسیسیوں نے دلیل دی کہ انڈو چائنیز فیڈریشن کے وجود سے، جس میں شامل ہونے کا فیصلہ ویتنام کر چکا ہے۔ (حالانکہ اس دستور میں، جو ۱۲ ر نومبر کو ہنوئی میں نیشنل اسمبلی نے منظور کیا، اس فیڈریشن یا فرینچ یونین کا کوئی ذکر نہیں ملتا) مرکزی حکام کو حق پہنچتا ہے کہ رکن ریاستوں کی تمام تجارت کی نگرانی کریں اور کسی ریاست میں داخل ہونے والے جہازوں کی پڑتال کریں، جن کے متعلق شبہ ہے کہ 'اکثر اسلحہ اور گولہ بارود لاتے ہیں'۔

۲۰ ر نومبر کو لانگ سون میں ویتنامی اور فرانسیسی فوجوں کے درمیان ایک جھڑپ کے بعد ایک چینی جہاز، جس میں موٹر میں استعمال ہونے والا پٹرول اور (کم از کم دعویٰ یہی کیا گیا) فوجی سامان لدا تھا، ہائی فانگ کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ فرانسیسی فوج کے سیکورٹی کے حکام نے عین اس وقت جب جہاز کا عملہ چینی بستی کی ایک گودی میں سامان اتارنے کی تیاری کر رہا تھا اسے روکنے اور اس کی تلاشی لینے کا حکم دیا۔ ویتنامی گارڈ کے ایک دستے نے فوراً مداخلت کی اور فرانسیسی کشتی پہ کئی فائر کئے۔ کشتی نے جوابی فائر کئے۔ تمام بندرگاہ اور پھر خود شہر میں مورچہ بندی کر دی گئی۔ بالآخر فرانکو ویتنامی مشترکہ کمشن نے ایک دوسرے پہ فائرنگ کو روکا۔

لیکن شہر کے کمانڈر کرنل دیب نے، جو 'ویت' سے دل سے نفرت کرتا تھا اور

جس کا واحد مقصد یہ تھا کہ ہنوئی کے ساتھ مصالحت کی بدنام کوششوں کے بعد فوج کی نیک نامی کو بحال کرے، مورچوں کو منہدم کرنے کے احکام جاری کئے اور اس کام کو جلد انجام دینے کے لیے بل ڈوزر بھیجے۔ بل ڈوزر کا گولیوں سے استقبال کیا گیا، جس پر کرنل ڈیب نے یورپی بستی سے تمام ویتنامی عناصر کو، جو اس علاقے میں منتقل ہو گئے تھے، نکال دینے کا فیصلہ کیا۔ اس عمل میں خاص طور پر سہ پہر کے دوران میں ایک فرانسیسی افسر کے مارے جانے کے بعد ضبط یا اعتدال سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔

ہنوئی میں ویتنامی اور فرانسیسی حکام نے اس معاملے کو بہت اہمیت دی اور اسی اہمیت کے موڈ میں ان کے درمیان بات چیت ہوئی۔ دونوں طرف اس واقعے کو بہت جلد ختم کر دینے کی شدید خواہش پائی جاتی تھی۔ مشترکہ کمشن نے فوری جنگ بندی اور فوجوں کی اپنی اپنی بستیوں میں واپسی کے احکام جاری کئے۔ ہو نے قانونی معاملات کے فیڈرل کمشنر موسیو دولاشاپیر کے ساتھ بات چیت کی، جو ایک مشن پر شمال میں آیا ہوا تھا، اور کسٹم اور بیرونی تجارت سے متعلق فرانکو ویتنامی کمیٹیوں کے فوری اجلاس بلانے کی تجویز پیش کی۔ آخر میں جنرل مورلیئر نے اپنے تین افسر — موسیو لامی، کرنل ہرکل اور مشترکہ کمشن کا سربراہ کمانڈانٹ فوندکو — اسی علاقے میں بد امنی کو محدود رکھنے اور جنگ بندی کا مقصد حاصل کرنے کی ہدایات دے کر جس پر ۲۱ر نومبر کو دستخط ہوئے، ہائی فانگ بھیجا۔

اسی دن شام کے وقت سائیگان میں قائم مقام ہائی کمشنر جنرل والوئی کی طرف سے کرنل ڈیب کو ایک تار موصول ہوا، جس میں اسے احکام دیئے گئے تھے کہ 'ہائی فانگ سے ویتنامی مسلح افواج کا اخراج' عمل میں لائے۔ ایسے شخص کا یہ غیر معمولی اقدام، جسے اس سے پیشتر 'حریت پسند' خیال کیا جاتا تھا، بحث کا موضوع رہا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ چند ہی ہفتے پہلے پیرس میں موسیو بی دو نے جنرل کو مشورہ دیا تھا کہ ویت منھ کے بہت دلیر ہو جانے کی صورت میں توپ خانہ استعمال کرے۔ نتیجتہً کرنل ڈیب نے اپنے آپ کو موسیو لامی اور کرنل ہرکل کے کئے ہوئے وعدوں کا

پابند خیال نہ کیا - آئندہ رات جب ہنوئی میں جنرل موریئر کو قائم مقام ہائی کمشنر کی طرف سے ایک تار ملا، جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ "ہائی فانگ میں اپنی پوزیشن بہتر بنانے کے لئے اس سنگین واقعے سے فائدہ اٹھاؤ"۔ تو اس کا رویہ اور بھی سخت ہو گیا۔

بالکل ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے سائیگان سوچی سمجھی پالیسی کے تحت نا اتفاقی کی بنا ڈالنا چاہتا ہو۔ ۲۲ر نومبر کی صبح کو جنرل موریئر نے جواب میں ایک تار بھیجا - اس میں اس نے بتایا کہ ہائی فانگ سے فوجوں کے اخراج کے مطالبے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے شہر پر قبضہ کر لینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس قسم کے فیصلے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم ۶ر مارچ کے معاہدے سے منحرف ہو رہے ہیں اور جنگ ٹانکن کے تمام فرانسیسی قلعوں تک پھیل جائیگی۔ موریئر نے دلیل پیش کی کہ جنگ کو پھیلائے بغیر مناسب تحفظات حاصل کرنے کا کافی امکان باقی ہے۔ چند گھنٹے بعد موریئر کو والوئی کی جانب سے ایک اور تار موصول ہوا، جس سے اس کے آخری شبہات رفع ہو گئے :-

"پہلے سے ٹھانی ہوئی جارحیت کے مقابلے میں .... آپ کی مصالحت کی دیانتدارانہ کوششیں مناسب نہیں ہیں .... وقت آ گیا ہے کہ ان لوگوں کو جنہوں نے فریب سے کام لے کر ہم پر حملہ کیا ہے سختی سے ایک سبق دیا جائے .... ہر ممکن ذرائع کا استعمال کر کے آپ ہائی فانگ پر قبضہ کریں اور ویتنامی حکومت اور فوج کو اپنے کئے پر پچھتانے پر مجبور کریں ....[1]"

۲۳ر نومبر کو اپنے 'سخت' رویے کی تائید پا کر اور چینی بستی میں ویت منھ فوجوں کے گھنے ارتکاز کا جائزہ لے کر کرنل ڈیب نے سیکٹر کو فوری طور پر خالی کر دینے کا مطالبہ کیا اور تنبیہہ کی کہ اگر ایسا نہ ہوا تو وہ فائرنگ شروع کر دے گا - تین گھنٹے بعد کوئی تسلی بخش جواب نہ پا کر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ویتنامی بستی کے ارد گرد فائرنگ شروع کریں اور زرہ بکتر والا ایک دستہ آگے بھیج دیا - دوسری جانب سے مزاحمت ہوئی

---

[1] 'نو آبادیاتی نظام کی خفیہ نوٹ بک'، جی شافار - کالمان لیوی ۱۹۶۵، صفحہ ۷۰ - ۷۲

تو اس نے نیوی کے توپ خانے کی مدد حاصل کی۔ سوفراں کے توپچیوں نے لاک ترے کی جانب بھاگتے ہوئے لوگوں کی ایک قطار دیکھی اور غلطی سے اسے فوجی دستہ سمجھا۔ چھ انچ کے گولے دیواروں کو چیرتے ہوئے مٹی کی جھونپڑیوں میں گرنے لگے اور وہاں کے باشندوں کے لئے کشت و خون کا بازار گرم ہوا۔

ویتنامیوں کے جانی نقصان کے متعلق کچھ اختلاف رائے ہے۔ پال موس کے مطابق، جس کی واقعیت پسندی اور ماخذ کے انتخاب کو اس طرح چیلنج نہیں کیا جا سکتا جیسے اس کے علم کو، یہ تعداد چھ ہزار ہے۔ یہ تعداد دوسرے ذرائع کے علاوہ آدمیرال باتے کے اندازے پر مبنی ہے۔ آدمیرال ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کے بیان کی ان کے ژاک را فائیل لیگ سیمت کئی دوست تصدیق کرتے ہیں، جو مہم جو فوج کی جانب سے لڑائی میں شامل تھے۔ اس کے بعد یہ بات بالکل حیران کن نہیں ہے کہ ہنوئی میں مارچ کے معاہدوں کو جنم دینے والی پالیسی کا عدم خیال کی گئی۔

لیکن ہوچی منھ اب بھی امید کا دامن تھامے نظر آتا ہے۔ اس نے نومبر کے اواخر اور دسمبر کے شروع میں اس سے ملاقات کرنے والے فرانسیسی صحافیوں اور سرکاری افسروں کو یقین دلایا کہ اگر سائیگان اور پیرس میں حقیقی خواہش موجود ہو تو صورتِ حال کو مزید بگڑنے سے اب بھی بچایا جا سکتا ہے۔ وہ ژاں سینٹنی کی واپسی کا بہت بیقراری سے انتظار کر رہا تھا، جو حکومت کے کئی ارکان (اور حیران کن بات یہ ہے کہ ان میں آدمیرال دارژانلیو بھی شامل ہیں) کی اپیل پر دوبارہ ہنوئی آنے پر رضامند ہو گیا تھا۔ مارچ کے مذاکرات کا ہیرو ۲۳ نومبر کو پیرس سے روانہ ہوا لیکن جب وہ سائیگان پہنچا تو قائم مقام ہائی کمشنر جنرل والوئی نے چھ روز تک اسے دوستانہ اور شفیقانہ انداز میں گھر میں مقید رکھا۔ صاف ظاہر ہے کہ تخویف کی اس پالیسی کے پیشِ نظر، جس پر جنرل والوئی فرانسیسی وزیر اعظم کی سرگرم حمایت میں کاربند تھا، وہ ٹانکن میں ایسے آدمی کی موجودگی کے بغیر ہی کام کر سکتا تھا، جس نے ہو کے ساتھ معاملات طے کرنے کے درخشاں امکان کا اعلان کیا تھا۔ ایک نیم سرکاری یادداشت میں جنرل والوئی نے دلیل پیش کی تھی کہ سینٹنی کی خدمات کو

اس وقت تک کے لئے اٹھا رکھنا بہتر ہوگا جب بات چیت کے زیادہ مفید مقاصد حاصل کرنے کا امکان ہو۔

سینتنی بالآخر ۲ دسمبر کو بذریعہ ہوائی جہاز ہنوئی پہنچا۔ فرانسیسی مندوبین کی جماعت کے ارکان اور امریکی اور برطانوی قونصل خانے کے افسروں نے اسے بتایا کہ صورت حال امید کی حدود سے تقریباً تجاوز کر گئی ہے اور اسے مزید بگڑنے سے شاید اعتماد کا وہ جذبہ ہی بچا سکتا ہے جو اس کے اور ہو کے درمیان موجود ہے۔ اس کی واپسی پر سرکاری دعوت کا انتظام کیا گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ اس دعوت میں جن خوشگوار توقعات کا پوری فرض شناسی سے مظاہرہ کیا گیا وہ کسی کو فریب نہیں دے سکتیں۔

واپسی کے ایک ہی دن بعد سینتنی کو صدر کی جانب سے ایک نوٹ موصول ہوا:۔

"مجھے آج سہ پہر کو پانچ اور چھ بجے کے درمیان آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔ میری صحت کے پیشِ نظر یہ ملاقات بے شک دو پرانے دوستوں کے درمیان ایک ذاتی ملاقات ہوگی۔"

"[سینتنی لکھتا ہے[1]] کہ ہوچی منہ بستر پر لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس کے ہاتھ، جو بہت دیر تک میری گرفت میں رہے، تپ رہے تھے۔ ہوانگ منہ گیام اور نام اس کے ساتھ تھے۔ وہ کمرے سے باہر نہیں گئے اور نہ ہی ہو نے انھیں ہمیں اکیلا چھوڑنے کے لئے کہا، جیسے کہ وہ عام طور پر کیا کرتا تھا۔ ہم نے اس کی صحت اور میرے سفر کے متعلق باتیں کیں ...... آخر میں اس نے ہائی فانگ کے واقعات کی طرف اشارہ کیا اور ان کے باعث پریشانی کی علامات اس کے چہرے پر نمایاں تھیں۔ اس نے اشارہ کیا کہ ان سنگین واقعات کا میری بیماری سے بہت تعلق ہے، جس کے باعث میں صاحبِ فراش رہا۔"

"میں نے اس سے کہا: 'ملک سے اتنا عرصہ دور رہنے کے آپ کے فیصلے پر پیرس میں میں نے جو تشویش ظاہر کی تھی اس میں میں حق بجانب تھا۔'"

"اس نے جواب دیا:۔ 'ٹھیک ہے لیکن آپ نے بھی تو واپس آنے میں اتنی دیر لگا دی۔'"

---

[1] 'ایک ناکام امن کی تاریخ'، صفحہ ۲۱۷

"اس موضوع پر ہم نے بات چیت یہیں ختم کر دی۔"

اس کے بعد کے دنوں میں اس نے اور فرانسیسیوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ 'پاری۔ سائیگان' کے برنارو ورانبر سے ۷ دسمبر کو اور 'اژانس فرانس پریس' کے نامہ نگار موسیو اٹھورتھ سے ۱۷ دسمبر کو۔ انھیں وہ بہت پریشان اور دل شکستہ نظر آیا، لیکن قطعاً مایوس نہیں۔ اس نے ورانبر سے یہ بھی کہا کہ: "ہم اس جنگ سے ہر قیمت پر گریز کرنا چاہتے ہیں۔ ہم خود مختاری حاصل کرنے کے بہت شدت سے خواہشمند ہیں، لیکن فرنچ یونین کے اندر خود مختاری۔ جنگ سے کوئی فائدہ نہیں۔ ویتنام کی بحالی اس قتلِ عام اور ان مصائب کی متحمل نہیں ہو سکتی....."[1] اور جب سینٹنی نے ہوانگ منھ گیام کو بتایا، جو صدر کا سب سے باسوخ کارکن تھا، کہ اسے اہم آسامیوں پر فرانس کے نامی مخالف لوگوں کو مامور دیکھ کر کتنی تشویش ہوئی ہے تو ہو نے (دوبارہ گیام کے ذریعے) اسے ایسے وزیروں اور افسروں کے نام بتانے کی دعوت دی، جنھیں وہ فرانسیسی نقطۂ نگاہ سے ناپسندیدہ خیال کرتا تھا۔

جس دن (۷ دسمبر) اس کا ہو کے ساتھ انٹرویو تھا اسی دن سینٹنی نے برنارد ورانبر کو یقین دلایا کہ: "اگر صدر ہو چی منھ، جن کے بیٔے میں دوستی سے زیادہ گہرے جذبات رکھتا ہوں، اپنے ساتھیوں پر ان نتائج کی اہمیت پوری طرح واضح کر دیں جو اس ناچاقی کے نتیجے میں برآمد ہوں گے، تو صورتِ حال کو بگڑنے سے بچایا جا سکتا ہے..... فرانس ۶ مارچ کے معاہدوں پر اب بھی قائم ہے......"[2]

بوجوہ ہو کا خیال یہ تھا کہ دوستی کا ہاتھ جو وہ اب بھی بڑھا رہا تھا عین وقت پر تھام لیا جائے گا۔ ۱۲ دسمبر کو پیرس میں چیمبر آف ڈیپوٹیز نے لیوں بلم کو حکومت تشکیل کرنے کی دعوت دی۔ صدر بوڑھے سوشلسٹ لیڈر کو ایک پرانا ساتھی اور فرانسیسی بائیں بازو کا نشان خیال کرتا تھا، جس کے ساتھ وہ اب بھی کئی رشتوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ

۱۔ 'پاری۔ سائیگان' ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء۔

۲۔ 'پاری۔ سائیگان' ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء۔

دو ہی دن پہلے اس نے 'لوپوپولیر' میں ایک اداریہ چھاپا تھا۔ جس میں خودمختاری کی بنیاد پر [ویتنام کے ساتھ] اخلاص پر مبنی معاہدہ' کا مطالبہ کیا تھا۔ اور وزیر اعظم کی حیثیت میں اس نے پہلا کام یہ کیا کہ سمندر پار کے ملکوں کے وزیر ماریس موتے کو، جس نے عارضی تصفیے پہ دستخط بھی کئے تھے، ایک مشن پر ہند چینی بھیجا۔ اب بھی صورتِ حال کو بگڑنے سے بچایا جا سکتا تھا...... ۱۵ر دسمبر کو ہو نے ایک یادداشت بلم کو بھیجی، جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ دونوں پارٹیاں ۲۰ر نومبر سے پہلے کی پوزیشنوں پر واپس چلی جائیں۔

وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اور صورتِ حال کو مزید بگڑنے سے بچانے کی دیر سے ہونے والی کوششوں کے خلاف بارسوخ حلقے سازشیں کر رہے تھے۔ یادداشت کو، جو بذریعہ سائیگان بھیجی گئی تھی 'راستے میں دیر ہو گئی' اور ۲۶ر دسمبر تک وزیر اعظم کے مشاہدے میں نہ لائی گئی، اس وقت تک ناقابلِ تلافی نقصان ہو چکا تھا۔[1]

حادثات کی تعداد تیزی سے بڑھتی گئی۔ ۱۵ر اور ۲۰ر دسمبر کے درمیان کئی فرانسیسی شہری مارے گئے۔ سترہ کو ایک فرانسیسی فوجی نے مزدور طبقے کے محلے میں ایک گنجان آباد گلی رودے ورمیسل میں گولی چلا دی۔ دس سے زیادہ آدمی مارے گئے۔ اسی دن سینٹنی کو ہوانگ ہونام کی جانب سے، جو ہو کا ایک نائب تھا، ایک پیغام موصول ہوا، جس میں اس کی 'سیاسی سوجھ بوجھ سے اہم اپیل' کی گئی تھی۔ دو دن بعد جواب میں اس نے صدر سے ایک تیکھے خط میں مطالبہ کیا کہ ان لوگوں کو قرار واقعی سزا دی جائے جو اس نئی شرمناک حرکت کے مرتکب ہوئے تھے، جس کے نتیجے میں دو اور فرانسیسی ہلاک ہوئے ہیں۔ تاہم سینٹنی تسلیم کرتا ہے کہ 'اندریں حالات یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خط مکتوب الیہ کو پہنچا بھی ہو'[2]

کیونکہ ۱۸ر دسمبر کو صورتِ حال بہت بگڑ چکی تھی۔ مورچے اور خندقیں، جو ویتنامیوں نے بنائی اور کھودی تھیں، فرانسیسیوں نے ڈھا دیں اور پُر کر دیں۔ دونوں جانب سے گولیاں چلیں

۱۔ فلپ داویلیہ، 'ویت نام کی تاریخ' صفحہ ۳۵۲

۲۔ 'ایک ناکام امن کی تاریخ' صفحہ ۳۵۲۔

ہائی فانگ کو دہرایا جا رہا تھا۔ لیکن اس دفعہ لڑائی کی ذمہ داری فرانس کے فوجی افسروں کی کم تھی اور ویت منھ کے افسروں کی زیادہ ۔ ایک ماہ قبل زیادہ الزام کرنل ڈیب اور جنرل والوئی کے حصے آیا تھا۔ ہنوئی میں ظاہر ہے کہ لڑائی کی ابتدا بدلہ لینے کی خاطر گیاپ (عوامی فوج کے سربراہ کی حیثیت میں) اور توُدے ملیشیا کے کمانڈر نے کی تھی۔

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہو خود آخر تک جنگ سے بچنے کی کوشش کرتا رہا؟ کئی دنوں سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ حالات نازک صورت اختیار کر گئے ہیں۔ ۱۷ ردسمبر کو اس نے ہوانگ کوک ویت سے پوچھا :۔ "کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ تمام بچوں کو نکال لیا گیا ہے؟"[1] اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ فرانس کی حمایت میں اس کے اعلانات شاطرانہ وجوہ کی بنا پر بناوٹ پر مبنی تھے تو اس زمانے کی بہت سی غیر سرکاری آراء سے بغیر کسی شک وشبہ کے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو مکمل جنگ کے مصائب سے بچانا چاہتا تھا— چاہے اُسے کتنا ہی یقین ہو کہ آخر میں جنگ وہی جیتے گا۔

اس مسئلے کے پُرامن حل کے لئے اس نے پورے ایک سال جدوجہد کی تھی اور پچھلے ایک ماہ میں اس کی پالیسی کی راہ میں زیادہ سے زیادہ رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں ۔ وہ 'کامریڈ بلم' کی جانب سے جواب کے بے سود انتظار میں تکان اور مایوسی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے اِرد گرد اور تونگ بو کے اندر بھی وہ لوگ، جو مصالحت کی مخالفت کر رہے تھے، زیادہ سے زیادہ مائل کرنے والے دلائل پیش کر رہے تھے۔

پھر ماریس موتے کی آمد کی خبر آئی، جس سے ۶ رمارچ اور ۱۴ رستمبر کی پالیسی میں مزید وسعت کا پتہ ملتا تھا۔ ہو کی پالیسی کے مخالفین نے دلیل دی کہ اس دَوران میں جب فرانسیسی اپنی مسلح افواج کی پوزیشن بہتر بنائیں گے یہ دورہ انھیں دھوکا دینے اور سبز باغ دکھانے کی ایک اور کوشش ہے اور بس ... ہائی فانگ میں فرانسیسیوں کی پوزیشن — بحری بیڑے کی موجودگی میں — ویت منھ کی نسبت بہتر تھی۔ ہنوئی میں صورت حال اس کے برعکس تھی۔

---

1 ہوچی منھ کی داستان

اس کو ایسے ہی کیوں نہ رکھا جائے؟ ہو کے مخالفین نے دلیل پیش کی کہ اس وقت ضرب لگانے کا مطلب امن کی جگہ جنگ کا انتخاب کرنا نہیں ہے بلکہ ہنوئی سے فرانسیسیوں کو اسی طرح سے نکال کر جیسے ہائی فانگ سے انہوں نے گیاپ کے سپاہیوں کو نکالا تھا توازن بحال کرنا ہے۔ اس کے بعد ویتناہیوں کے لئے ممکن ہوگا کہ وہ برابری کی سطح پہ بحث کریں، عزت کے مستحق ہوں، من مانی شرطیں منوائیں۔

تونگ بو سے بہت کمتر سطح پہ بھرپور ضرب کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تووے کے عام سپاہیوں کا جوش بہت بڑھ گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ موڈ اشتعال دلانے والے ایجنٹوں نے، جو قوم پرست مخالف جماعتوں کے لئے سرگرمِ عمل تھے، اور شاید جاپانیوں کے لئے ہمدردی رکھنے والوں نے پیدا کیا تھا ـــــ جن کی موجودگی کی اطلاع پال موس سمیت کئی مبصروں نے دی تھی۔ گیاپ اور اس کے ساتھیوں کے وحشیانہ فیصلے کی توجیہہ کرنے کی کوشش میں فلپ دیویلر لکھتا ہے :۔ "شدید پریشانی، اس پوزیشن سے، جسے وہ کمزور خیال کرتے تھے، ہر قیمت پہ باہر نکل آنے کا عزم، فرانسیسیوں کے خلاف شدید جذبات 'انقلابی منطق' ـــــ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا کردار ادا کیا ....."[1]

۱۸ ر دسمبر کی سہ پہر کے بعد سے کوئی وقت ایسا نہیں گذرا کہ جنرل مورلیئر اور موسیو سینتنی کے سٹاف کو تنبیہہ نہ کیا گیا ہو کہ تووے کے فوری حملے کا خطرہ لاحق ہے ۔ ایسے حملے کا امکان ان سخت اقدام کی وجہ سے اور بھی بڑھ گیا تھا جو فرانسیسی کمانڈ نے اٹھارہ اور انیس کو کئے۔ بنک آف انڈو چائنا کی عمارت پہ قبضہ کر لیا گیا اور ویت منھ ملیشیا کو خدمات سے سبکدوش ہونے کے احکام دئیے گئے۔ عام طور پہ خیال کیا جاتا تھا کہ انیس کی شام کو آٹھ بجے حملہ کر دیا جائے گا۔

'اشارہ' بالکل سادہ اور بالکل صحیح تھا۔ سینتنی، خاص طور پہ اس وقت جب اسے اسی دن دوپہر کے وقت ہو کی جانب سے مندرجہ ذیل خط موصول ہوا، ذرا ہچکچایا :۔

---

[1] 'ویتنام کی تاریخ'، صفحہ ۲۵۳ -

" جناب کمشنر اور پیارے دوست' اس وقت کھچاؤ ہر گھڑی بڑھتا جا رہا ہے - یہ صورتِ حال بہت افسوس ناک ہے - پیرس سے فیصلہ صادر ہونے تک مجھے آپ پر کامل اُمید ہے کہ آپ موسیو گیام کے ساتھ مل کر فضا کو بہتر بنانے کے طریقے وضع کریں گے - میری طرف سے تسلیمات قبول فرمائیں اور مادام سینتنی کو آداب پہنچائیں - ہوچی منھ "

دوپہر کے وقت ہی گیاپ نے کھچاؤ کم کرنے کے لئے جنرل موریلئر سے کہا کہ فوجوں کو بارکوں میں محدود کرنے کے احکام منسوخ کر دیں - تاہم پانچ بجے اطلاع اور بھی صحیح اور دھمکیاں اور بھی واضح ہوگئیں - سینتنی اور موریلئر اس نتیجے پر پہنچے کہ ہنوئی کے قلعے کی فرانسیسی افواج اپنی جگہ پر متعین رہیں - یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ جونہی گولی چلے دونوں آدمی قلعے میں اکٹھے ہو جائیں اور وہاں سے ہدایات جاری کریں -

لیکن اس مقام پر سینتنی کو خود صورتِ حال بیان کرنے دیجئے !

" آٹھ بجے شہر پر غیر معمولی خاموشی طاری ہوگئی - فرانسیسی کمشنر کے دفتر کے ساتھ یرسن ہسپتال کے اوپر لگے ہوئے کلاک نے آہستہ آہستہ گھنٹہ بجایا - میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: " ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج رات کوئی مصیبت وارد نہیں ہوگی - میں تھوڑی دیر کے لئے گھر جا رہا ہوں "۔ میں اپنی کار میں بیٹھا - ایک ہی لمحے بعد مدھم گرج سنائی دی اور تمام شہر میں یکدم اندھیرا چھا گیا - بجلی پیدا کرنے والے سٹیشن کو اڑا دیا گیا تھا - پورے پونے نو بجے تھے - گولیاں چلنی شروع ہو گئیں، ان سایوں کو چیرتی ہوئی جنھوں نے شہر کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا اور ہماری اُمیدوں اور کوششوں کو نگل لیا تھا ...... "

سینتنی اپنی ذاتی گاڑی میں سے گھسٹ کر نکلا اور قلعے میں جنرل موریلئر کے ساتھ آملنے کے ارادے سے فوجی گاڑی میں سوار ہؤا لیکن روپال برت میں فوجی گاڑی ایک سرنگ پر سے گذر گئی - اسے حالانکہ بہت چوٹیں آئیں اور اس کے جسم میں شرپنل کے بیس ٹکڑے موجود تھے پھر بھی وہ جدوجہد کر کے شعلوں کی لپیٹ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور ایک گشتی دستے نے اسے وہاں سے اٹھا لیا - دوسری رات ایک ہسپتال میں، جو ویت منھ ملیشیا کے سپاہیوں کے محاصرے میں تھا، جو نزدیکی درختوں کی آڑ سے مریضوں پر

گولیاں چلاتے تھے، اس کا اپریشن ہوّا۔

جنرل موریئر اور اس کے سپاہی دم خم سے لڑے۔ مبینہ طور پر ماری ہوئی ڈینگ کے مطابق گیاپ "رات کے اندر اندر فرانسیسیوں کو ہنوئی سے نکال پھینکنے" میں ناکام ہوگیا۔ (در اصل اس کا بڑا مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے پہلو میں ایک مستقل کانٹا گاڑ دے تاکہ وہ اپنے آپ کو طاقتور پوزیشن میں دوبارہ قائم کر سکے) ۲۰ دسمبر کی سہ پہر کو وہ اور صدر بمشکل تمام سینیر ریذیڈنسی کے فرانسیسی افواج کے قبضے میں چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ وہ دوبارہ دھان کے ان کھیتوں اور شمال کے دور دراز خطوں کی طرف روانہ ہوگئے، جہاں سے سولہ ماہ پہلے وارد ہوئے تھے۔ اسی شام ہوتے ایک اعلان جاری کیا:۔

"تمام ملک کے ہموطنو!

امن کی محبت کے جذبے سے سرشار ہم نے بہت مراعات دی ہیں۔ لیکن ہم جتنی مراعات دیتے ہیں فرانسیسی نو آبادیاتی ہمارے حقوق کو روندنے کے لئے اتنا ہی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔۔۔۔۔"

"نہیں۔ ملک کو ان کے حوالے کرنے اور دوبارہ غلامی کے غارِ مذلت میں پڑنے سے سب کچھ قربان کر دینا بہتر ہوگا۔ میرے ہموطنو، اٹھو۔"

"۔۔۔۔ جس کے پاس رائفل ہے وہ رائفل استعمال کرے، جس کے پاس تلوار ہے وہ تلوار استعمال کرے! اور جن کے پاس تلوار بھی نہیں ہے وہ کلہاڑیاں اور ڈنڈے اٹھائیں! ۔۔۔۔ چاہے ہمیں سخت سے سخت مشکلات اور بدترین مصائب کا سامنا کرنا پڑے ہمیں ہر قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ فتح ہماری ہوگی۔۔۔۔۔"

دوسرے دن اس نے اپنی توجہ اپنے مخالفین اور بین الاقوامی رائے عامہ کی طرف مبذول کی:۔

"فرانس کے عوام ہم آپ کے دوست ہیں، ہم فرنیچ یونین کے اندر آپ کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ہم اور آپ دونوں آزادی، مساوات اور اخوت کے تصور کے

حامی ہیں ۔"

"اتحادی اقوام کے عوام، فرانسیسی نوآبادیاتیوں نے جارحانہ جنگ کا آغاز کیا ہے.....
ویتنامی عوام آپ سے مداخلت کی استدعا کرتے ہیں.....[1]"

اب تک وو انگوین گیاپ نے تمام محاذوں پر جنگ کے احکام جاری کر دیئے تھے۔ عام طور پر اس کے احکام کی تعمیل کی گئی تھی۔ فرانسیسی فوج نے ہنوئی میں حقیقی سانحہ کو رفع کرنے کی تدبیر کی تھی لیکن وہ پہلے ہی آدھی نرغے میں آ چکی تھی، وہ پہلے ہی جنگ کے ایسے چکّر میں پھنس چکی تھی، جس سے وہ اکانوے ماہ کے بعد ہی چھٹکارا حاصل کر سکی اور وہ بھی بیش قیمت سیاسی تصفیے کی قیمت ادا کرنے کے بعد۔

۱۹۴۶ء کے خاتمے کے ساتھ ایک پالیسی کا خاتمہ بھی ہوا اور ایک امید کا ڈھیر بھی، جس کی بہت عرصے تک صرف چند فرانسیسیوں نے ہی نہیں بلکہ ہوچی منھ نے بھی پرورش کی تھی۔ اب شیر اور ہاتھی کے درمیان جنگ شروع ہوئی، جو اس نے ستمبر میں امریکی صحافی ڈیوڈ شوئبرن سے بیان کی تھی:۔

"اگر شیر کبھی آرام سے کھڑا ہوا تو ہاتھی اسے اپنے طاقتور لمبے نوکیلے دانتوں سے ملیا میٹ کر دے گا۔ لیکن شیر کبھی آرام سے کھڑا نہیں رہتا۔ وہ دن کے وقت جنگل میں چھپا رہتا ہے اور رات کے وقت باہر نکلتا ہے۔ وہ کود کر ہاتھی کی پیٹھ پر سوار ہو گا، اس کی چمڑی کے بڑے بڑے ٹکڑے نوچے گا اور پھر وہ دوبارہ کود کر اندھیرے جنگل میں چلا جائے گا۔ اور آہستہ آہستہ ہاتھی لہولہان موت کی نیند سو جائے گا۔"

اور ایک فرانسیسی سوشلسٹ وزیر کے سامنے اس نے اس وقت جب اسے پُر امن حل حاصل کرنے کی اُمید باقی تھی جنگ کا ان الفاظ میں خلاصہ بیان کیا تھا:۔ "میں تمھارا ایک آدمی ماروں گا، جس کے جواب میں تم میرے دس آدمی مارو گے۔ لیکن اس حساب سے بھی تم زیادہ دیر مقابلہ نہیں کر سکو گے اور فتح میری ہو گی.....۔"

---

[1] "مجموعہ" صفحہ ۸۶۔

۹۔ تحریکِ مزاحمت کا رہنما

پیرس میں بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ ہو کی دوستانہ مذاکرات کے ذریعے بتدریج خود مختاری حاصل کرنے کی پالیسی کے ناکام ہو جانے کے نتیجے میں ویت منھ کو جن مصائب کا دوبارہ سامنا کرنا تھا ان کی وجہ سے ہو کو کسی دوسرے لیڈر کے لئے جگہ خالی کرنی ہوگی۔ اب اس پر 'دائیں بازو کی طرف رجحان' اور 'بورژوا مصلحت پرستی' کے الزامات کھلے عام لگ سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ تونگ بو میں اس کے انتہا پسند مخالفین اس سے تمام حقیقی طاقت چھین لیں اور شاید اسے بالکل ہی ختم کر دیں۔ ماہرین کا خیال تھا کہ کمیونسٹ اس پیمانے کی خطاؤں کو بالکل معاف نہیں کرتے .....

"تاہم جب پال موس کو اپریل ۱۹۴۷ء میں ویت منھ لیڈر کے پاس ایک مشن پر بھیجا گیا تو وہ یہ جان کر بہت حیران ہوا کہ ہو کی فیصلہ کرنے کی طاقت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس نے تونگ بو کا جلسہ بلائے بغیر اور اپنے خاص ساتھیوں سے مشورہ کئے بغیر پال موس کو ایسا جواب دیا، جس سے آئندہ برسوں میں ہونے والی ویتنامی مزاحمت کی قسمت

کا فیصلہ ہو گیا۔

تھوڑی ہی مدت کے بعد ہنوئی میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی، جو تحریک سے قطع تعلق کرنے کے وقت تک ویت منھ کے ایک علاقے میں عوامی تعلیم کا نگران تھا اور جس نے فو۔ بھو کے نزدیک 'ثقافتی عملے' کی کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ ہو نے اس کانفرنس میں صدارت کی تھی اور بحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ میرے خبر دہندہ نے مجھے بتایا کہ 'بڈھا اب بھی اتنا ہی مستعد ہے۔ وہ اب بھی مختارِ کل اور فیصلہ کنندہ ہے۔ مزاحمت کی تحریک میں ہو کے اسی گندے چوغے' اسی سینڈل اور اسی سادہ' بے تکلف اور پُرتپاک تقریر کا رنگ نمایاں ہے۔ عوام کے دلوں پہ اسے اختیار حاصل ہے اور اس کی ذاتی ہردلعزیزی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی......'

پانچ سال قبل پاک بو کی غار کی طرح تویان کوانگ کے جنگلوں میں بھی اس کی شخصی جاذبیت اُس کشش سے بھی زیادہ طاقتور ثابت ہو رہی تھی، جو ہنوئی کے مستحکم اور پُرسکون ماحول میں پائی جاتی تھی۔ یہاں وہ 'متحدہ مزاحمت' کے اسطور کا جیتا جاگتا مجسمہ معلوم ہوتا تھا......

اسطور قائم و دائم رہا۔ اس سے پیشتر زیادہ سخت پالیسی کی وکالت کرنے کے باوجود ووانگوین گیاپ ۱۹۴۶ء کی پالیسی کے ناکام ہو جانے کے بعد کے عرصے میں ہو کے طرزِ عمل کی مدح سرائی' کرتا ہے اور ایسے لہجے میں جو شاید حقیقت پسندی سے زیادہ عقیدت کے جذبات پر مبنی ہے :۔

"شمال مشرق میں جنگ شروع کرنے سے پیشتر اس نے ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام کی حکومت کے 'آٹھ احکام' مرتب کئے اور ان سپاہیوں میں تقسیم کرائے جو اس علاقے کو آزاد کرانے پر مامور کئے گئے تھے۔ وہ تمام لوگ جو وہاں موجود تھے ان کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ ہو اس جلسے میں جو جنگ کا آغاز کرنے کے لئے بلایا گیا تھا کس طرح پہنچا۔ کئی دنوں سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ندیوں کا پانی کناروں سے نکل کر سڑکوں پر بہہ رہا تھا۔ لیکن چچا ہو کے راستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک ایسے نالے کے پاس

کھڑا لوگوں کا ایک گروہ پانی کی سطح گرنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ہو نے پار ہونے کے لئے بلا ہچکچاہٹ بہترین جگہ کا انتخاب کیا اور ایسے روانہ ہو گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ جب گاؤں کے لوگوں نے یہ دیکھا تو سب لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ ہمیں برسات کے موسم میں ندی کو پار کرنے کے خطرات کے بارے میں سپاہیوں کو کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ صدر ہو جلسے میں ٹھیک وقت پر پہنچے اور یہ لڑائی پر جانے والوں کے لئے انمول سبق تھا.....''

اس کا مقابلہ حضرتِ موسیٰ اور بحیرہ قلزم کے واقعے سے تو نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ماؤ کے ینگیسی کی موجوں سے نبرد آزما ہونے سے — لیکن گاؤں والوں میں نیا جوش اور وفاداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے یہی چیز درکار تھی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں، جن سے اس زمانے میں ہو کی متانتِ طبع و قوتِ ضبط اور ان دوسری خصوصیات کا پتہ چلتا ہے، جو تیس سال کی انقلابی جدوجہد کے باعث وجود میں آئی تھیں۔ آپ اس کی چلتی پھرتی تصویر دیکھ سکتے ہیں: سپاہیوں کے قریب اس بھدی جھونپڑی کے باہر کھڑے ہوئے جس میں وہ سوتا بھی تھا، غار کے اندر بیٹھ کر افواج کے لئے روزانہ کے احکام ٹائپ کرتے ہوئے۔ گردن تک فرسودہ جیکٹ پہنے، ہوا میں لہراتے سر اور داڑھی کے بالوں کے ساتھ، رضا کار کمانڈو سپاہیوں کا معائنہ کرتے ہوئے۔ چھڑی ہاتھ میں لئے کوہستانی علاقے میں سپاٹ ڈھلوانوں پر چڑھتے ہوئے، ہمیشہ بے نیاز ہمیشہ بر وقت و برمحل، ہمیشہ لانگ مارچ والے ماؤ اور چرخے والے گاندھی کے بین بین۔

اس کا ایک اور ساتھی ہوانگ کوک ویت، جو فرانس کے ساتھ مصالحت کے لئے مذاکرات کرنے کے مخالف تھا، لکھتا ہے :۔

''مزاحمت کی تحریک کے شروع کے دنوں میں وہ کسانوں کے ساتھ رہتا، ان کی طرح بھورے رنگ کے سوتی کپڑے پہنتا، انہی پابندیوں پر عمل کرتا، جو دوسروں پر عائد ہوتیں...... جب کوئی بمبار طیارہ نمودار ہوتا تو وہ وہی کچھ کرتا جو کسان کرتے یعنی بھاگ کر کھیتوں میں چھپتا..... بعد ازاں کوانگ ناپ میں وہ جنگل کے عین درمیان میں ایک جھونپڑی میں قیام پذیر ہوا، جو ایک ٹیلے پر ہی تھی اور جس کی چھت بہت نیچی تھی ..... یہ چاروں

طرف سے کھلی تھی اور اس میں سوائے ایک چھوٹے سفری ٹائپ رائیٹر، چند رنگدار تبلونوں اور لکھنے کے تھوڑے سے کاغذوں کے کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کا واحد ساتھی ایک کتا تھا جو ان شیروں کا شکار ہو گیا تھا جو رات کو وہاں گھومتے تھے.....“

”اس کے بعد وہ ایک چھوٹے سے گھر میں رہا، جس کے اردگرد باغ تھا۔ یہاں وہ صبح سویرے رائی، کرم کلہ، کدو اور میٹھے آلوؤں کی دیکھ بھال کرتا، جو اسے بہت عزیز تھے۔ وہ ورزش کرتا اور والی بال کھیلتا۔ جب بھی گیند اپنی ٹیم کے کسی کھلاڑی کی طرف پھینکتا تو زور سے آواز دیتا: 'یہ تمھاری حکمتِ عملی جانچنے کا موقع ہے۔'“

”میں نے اس کی نجی زندگی کے متعلق اس سے کئی دفعہ سوال کرنے کی کوشش کی، لیکن اس نے کبھی کچھ نہ بتایا۔ وہ کوئی نہ کوئی دستاویز مجھے تھما دیتا اور اسے پڑھنے کے لئے کہتا...... اس کام سے پیچھا چھڑانا میرے لئے بہت مشکل ہوتا۔ میں پیچھے مڑ کر دیکھتا تو وہ مجھے گھورتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنی جھونپڑی میں واپس جاتا اور کام میں مصروف ہو جاتا۔“

یہ صحیح ہے کہ ویت منھ کی جانب سے شائع کردہ سب سے اہم نظریاتی تصنیف 'مزاحمت فتحیاب ہو گی' ہو کی تحریر کردہ نہ تھی بلکہ پارٹی (جو سرکاری طور پر توڑ دی گئی تھی) کے جنرل سیکرٹری تروونگ چنھ کی لکھی ہوئی تھی۔ تاہم اس کی وجہ تقسیم کار تھی نہ کہ ہو کی پالیسی کی ناکامی۔ ہو — اور ہم اس مسئلے کی طرف بعد میں لوٹیں گے — تروونگ چنھ کی طرح کا نظریات کا ماہر کبھی نہیں تھا، جس کی چند تصنیفات فرانس کے ساتھ اَن بَن سے پہلے ہی پارٹی کے ترجمان 'ٹروتھ' میں چھپ چکی تھیں۔ ان دنوں ہو کا تعلق جنگ کے ساتھ — اور امن کے ساتھ بھی — زیادہ تھا....

اس بات کا ثبوت کہ اس کی حیثیت کتنی زیادہ تھی یہ بھی ہے کہ فرانس کے ساتھ معاہدہ کرنے کی کوششیں ۱۹ر دسمبر کے بعد ختم نہیں ہوئیں۔ خواہ ہمارے لئے کسی ایسی حکمتِ عملی کو تسلیم کرنا دشوار ہو، جس میں ہنوئی پر حملے اور مذاکرات کی اپیلیں دونوں اکٹھا ہوں، لیکن ہو کی کوشش یہی تھی۔

۲۷ر مارچ ۱۹۴۷ء کو ایک انٹرویو میں اس نے فرانس کے ساتھ مذاکرات شروع

کرنے کی اپنی کوششوں کا خلاصہ ان الفاظ میں مہیا کیا ہے[1]۔

"۱۹؍ دسمبر کے بعد میں نے فرانسیسی حکومت اور عوام کو کئی اپیلیں کی ہیں ۲۱۰۰۰۰ ؍ اور ۲۲؍ دسمبر ۱۹۴۶ء کو، ۱؍، ۷؍ اور ۱۰؍ جنوری ۱۹۴۷ء کو، ۱۸؍ فروری اور ۵؍ مارچ ۱۹۴۷ء کو ۔ ان میں سے کچھ کسی تیسری طاقت کے نمائندوں کی معرفت۔ اس کے باوجود وزیرِ اعظم راما دیئے[2] کا دعویٰ یہ ہے کہ اس خط پر، جو میں نے سابق وزیر اعظم لیوں بلم کو لکھا، جعلی دستخط ہیں اور یہ کہ فرانسیسی حکومت کو میری جانب سے اس کے بعد کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ اگر فرانس کے نمائندے جان بوجھ کر ان پیغامات کو دبا رہے ہیں تو ذمہ داری ان کی ہے۔ وزیر موتے کا دعویٰ ہے کہ ۱۹؍ دسمبر کے بعد سے میں کسی کو نظر نہیں آیا اور یہ کہ یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ میں ابھی تک زندہ ہوں یا نہیں۔ خوش قسمتی سے میں اب بھی زندہ ہوں اور ٹھیک ٹھاک ہوں اور ان سے فوری ملاقات کا مشتاق ہوں۔"

۲۶؍ اپریل کو جنگ بندی کا مقصد حاصل کرنے کے لئے ہونے ایک اور پیشکش کی۔ اسے اُمید تھی کہ یہ زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوگی کیونکہ یہ ہوانگ منھ گیام کی طرف سے جاری کی گئی تھی، جسے اس نے حال ہی میں وزیرِ خارجہ مقرر کیا تھا اور جو کمیونسٹ نہیں بلکہ اس زمانے کی فرانسیسی حکومت کے بہت سے ارکان کی طرح سوشلسٹ تھا۔ ان دونوں باتوں کے سبب بالآخر جواب آ ہی گیا۔ لیکن اس مرحلے پر ہم اس سے کچھ پہلے کے واقعات کا جائزہ لیں گے۔

جہاں تک فرانسیسیوں کا تعلق ہے بات چیت دوبارہ شروع کرنے کے متعلق ۱۹؍ دسمبر کے سانحہ کے بعد بھی ہمیشہ آوازیں اٹھائی جاتی رہیں اور یہ تمام آوازیں کمیونسٹ ہی نہیں اٹھاتے تھے۔ لیکن ان باتوں کی کوئی پرواہ نہ کی گئی۔ دسمبر کے آخری دنوں میں جنرل لیکلرک اور موسیو موتے ایک مشن پر، جو انھیں بلم نے سونپا تھا، ہند چینی آئے۔ سمندر پار کے امور کا وزیر

---

[1] - 'مجموعہ' جلد دوم، صفحہ ۱۰۲-۱۰۳ (انٹرویو لینے والے شخص کا نام نہیں دیا گیا)

[2] حکومت کے سربراہ کی حیثیت میں لیوں بلم کا جانشیں۔

راستے میں نوم پینھ میں ٹھہر گیا، جہاں اس نے یہ تاثر دیا کہ فرانسیسیوں نے بات چیت دوبارہ شروع کرنے کے امکان کو ختم نہیں کیا ہے: "اگر کوئی تجاویز پیش کرنا چاہتا ہے تو ان پر پوری طرح غور و خوض کیا جائے گا۔" جنرل میکلرک کو، جو اس سے پیشتر ہنوئی پہنچ گیا تھا، ہو سے ملاقات کی پیش کش کی گئی[1]۔ اس کا ایک افسر بیان کرتا ہے کہ وہ غصے کے عالم میں اپنی چھڑی زور زور سے فرش پر ٹھونک کر کس طرح اپنے دفتر میں لمبے لمبے ڈگ بھر رہا تھا اور کہہ رہا تھا:۔ "ہمارا جانا ضروری ہے، یہ ضروری ہے کہ ہم یہ موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیں ..... کاش موتے یہاں ہوتا ..... میں اس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا .....!"

لیکن کمبوڈیا کے مختصر دورے کے بعد وزیر سائیگان پہنچا اور یہاں آدمیرال دارژانلیو نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک ماہ قبل والوئی نے سینتنی کے ساتھ کیا تھا:۔ ہائی کمشنر نے اس پر دوستانہ طور سے کچھ پابندیاں عائد کیں اور اپنے انداز میں (یعنی ایک بڑے محتسب کے انداز میں) اس کے خیالات تبدیل کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ ماریس موتے ۲ جنوری کو ٹانکن کے دارالخلافے میں پہنچا، جہاں کہیں کہیں لڑائی اب بھی جاری تھی اور جہاں اس پر بھی اکا دکا گولیاں چلائی گئیں۔ ویت منہ ریڈیو نے، جس کا دعویٰ تھا کہ ہو نے ہنوئی سے چھ میل کے فاصلے پر ہادونگ میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا ہے" ویت نامی لیڈر کی جانب سے لیوں بلم کے نام ایک ذاتی پیغام نشر کیا، جس میں موتے کو بھیجنے کے فیصلے پر اسے مبارکباد دی گئی اور موتے کے ساتھ فوری ملاقات کی پیش کش کی گئی۔

لیکن ماریس موتے اب مصر ہیں کہ ان خیالات کی توثیق کے طور پر انہیں کبھی کوئی پیغام موصول نہیں ہوا۔ نہ ہی اسے یہ یاد ہے کہ فوج کے افسروں کی جانب سے اس کے سامنے یہ تجویز پیش ہوئی تھی کہ ہو اور اس کے ساتھیوں کو جن کی کمین گاہ کا پتہ چل گیا تھا، گھیر کر پکڑ لیا جائے۔ وزیر نے یہ تجویز ان لفظوں میں رد کر دی:۔ "ایک سوشلسٹ حکومت غنڈوں کی ٹولی کا رویہ اختیار نہیں کرتی۔"

---

[1] پیش کش ۲۳ دسمبر ۱۹۴۶ کو کی گئی۔

بہر حال موتے نے ہنوئی میں ایک دن سے کچھ ہی زیادہ عرصہ گذارا، جو ظاہر ہے مشکلات کے اس زمانے میں روابط قائم کرنے کے لئے کافی نہیں تھا۔ اسے تو ہو کے ۲۳ دسمبر کے خط کی طرف متوجہ ہونے کا بھی وقت نہیں تھا، جس کے متعلق لیکلرک نے اتنے پرجوش طریقے سے دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ (اس میں اہم تجاویز یہ تھیں کہ دونوں افواج ان مقامات پر واپس چلی جائیں جو ہو اور سالاں کے درمیان ۳ اپریل ۱۹۴۶ کے معاہدے میں قرار پائے تھے اور ویتنامی حکومت کے سربراہ اور سمندر پار کے ممالک کے فرانسیسی وزیر آپس میں مل کر ۶ مارچ کے معاہدے کی بنیاد پر مستقل تصفیے کا مسودہ تیار کریں۔)

ہنوئی میں جنگ کا سماں دیکھ کر موتے کو بہت صدمہ اور شدید تکلیف ہوئی اور ۱۹ دسمبر کے حملے پر وہ واقعی برہم ہوا، جس کے متعلق آدمیرال دارژانلیو کے عملے نے کچھ غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ وہ بات چیت شروع کرنے کی حقیقی خواہش لے کر آیا تھا لیکن جب وہ سائیگان سے روانہ ہوا تو مصر تھا کہ ویت منھ ریڈیو کی نشر کی ہوئی اپیلوں پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ ویت منھ کے وہ لوگ، جن کے پاس حقیقی طاقت ہے، (ہو چی منھ کی علیحدگی کی طرف اشارہ) تصفیے کی خواہش نہیں رکھتے۔ پھر وہ جنوب میں بان می تھوٹ کے مقام پر گیا، جہاں اس نے علاقے کے کمانڈر جنرل مارشاں کو بتایا کہ اس کے پاس ناقابلِ تردید ثبوت موجود ہے کہ ویت منھ نے وہ حملہ ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت کیا تھا۔ یہ جان کر آدمیرال دارژانلیو کو بہت اطمینان ہوا کہ اس آدمی نے، جس کے ساتھ اس کے تعلقات اتنے کشیدہ تھے، اس کے خیالات کو کتنی اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور اس نے ۲ جنوری کو 'فرانس سوار' کو یقین دلایا: 'اب ہو چی منھ کے ساتھ بات چیت کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے ....'

یہی وجہ ہے کہ ہو کے اس حیرت انگیز خط کا کوئی جواب نہیں بھیجا گیا جو اس نے ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو سینٹنی کو اس وقت لکھا تھا جب بیماری کے بعد ابھی اس کی صحت بحال ہو رہی تھی:-

"پیارے دوست!

مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ فرانس واپس جانے والے ہیں۔ میں آپ کے اور مادام سینتنی کے سفر اور صحت کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ میری طرح آپ کو بھی بہت افسوس ہے کہ بھائیوں کے درمیان اس جنگ نے امن کے لئے ہماری کوششوں کو ناکام کر دیا ہے۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں اور اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ طاقت آزمائی اور دوبارہ قبضہ کرنے کی اس پالیسی کے سلسلے میں آپ کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

"اسی لئے میں آپ کو دوبارہ یقین دہانی کرانے کا خواہش مند ہوں کہ جو کچھ ہوا ہے اس کے باوجود آپ اور میں اب بھی دوست ہیں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے عوام بھی اب بھی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

"کافی لوگ پہلے ہی مر چکے ہیں اور کافی تباہی ہو چکی ہے! ہمیں اب کیا کرنا ہے، آپ کو اور مجھے؟ اگر فرانس ویتنام کی خود مختاری اور اتحاد تسلیم کر لے تو فوراً جنگ بند ہو جائے گی، امن اور اعتماد بحال ہو جائے گا اور ہم ایک دفعہ اور کام شروع کرنے اور دونوں ممالک کی مشترک بہتری کی تعمیر کے قابل ہو جائیں گے۔"

"جہاں تک میرا تعلق ہے میں امن بحال کرنے کی خاطر اقدام کرنے کے لئے تیار ہوں، دونوں ممالک کے لئے منصفانہ اور باعزت امن۔ مجھے امید ہے کہ اپنی جگہ آپ بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے کوشاں رہیں گے۔"

اللہ ہمیں کامیابی سے ہمکنار کرے!

آپکا مخلص

ہوچی منہ"

یہ دستاویز اس کا کردار ظاہر کرتی ہیں، جو چالاکی اور گرمجوشی کا بے مثل مرکب ہے، غیر معمولی حیثیت رکھتی ہے (ہو سینتنی کو 'طاقت آزمائی کی پالیسی سے بری الذمہ قرار دیتا ہے گو وہ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے اپنے ساتھی بھی اس الزام میں برابر کے شریک ہیں)۔

اس کے اختتام پر فرانس کی جانب بھی اشارہ ہے جس کے ساتھ ۲ ستمبر ۱۹۴۵ء کو خود مختاری کے اعلان کے بعد ہند چینی کیمونسٹ پارٹی کے بانی کا کوئی خاص تعلق نہیں رہا تھا۔ بہر حال یہ دستاویز اگر سوانح نگاروں اور نفسیات کے ساتھ دل بہلانے والوں کے لئے نہیں تو فن سفارت کے ماہروں اور سیاستدانوں کے لئے تقویم پارینہ ہی رہی۔

فرانسیسی فوج نے ہنوئی پر قبضہ کر لیا اور ویت منھ کے ہیڈ کوارٹر کو دوبارہ کوہستانی علاقے کی طرف دھکیل دیا۔ اس مرحلے پر آدمیرال دارژانلیو کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔ یہ جان کر وہ حیران بھی ہوا اور کشیدہ خاطر بھی۔ یہ استعفیٰ تو اس کی ایک شاطرانہ چال تھی۔ اب اسے موسیو بولارت کے حق میں دستبردار ہونا پڑا جو آزادی اور اصلاح کے سلسلے میں انتہا پسند تھا اور جسے پیر میسمر کی، جو فرانس کی جانب سے دالات اور فونتین بلو میں مذاکرات میں شریک ہوئے، اور جنرل لیکلرک کے سابقہ سیاسی مشیر پال موس کی رہنمائی حاصل تھی۔

۲۶ اپریل کو ہو کی جانب سے ہوانگ منھ گیام نے نئے ہائی کمشنر کو ایک پیغام بھیجا، جس میں "فرانسیسی عوام کے لئے ویتنام کی دوستی" کا ذکر کیا اور "جھگڑے کے پُرامن تصفیے کی خاطر فوری جنگ بندی اور بات چیت شروع کرنے کی" تجویز پیش کی۔ فرانس کی رائے عامہ میں بڑی تبدیلی لانے کے لئے بالکل یہی پیش قدمی درکار تھی۔

لیکن فرانس میں رونما ہونے والے دو واقعات کی بنا پر ــــ ایک سرکاری اور دوسرا پرائیویٹ ــــ فرانس کی ہند چینی سے متعلق پالیسی میں دو بنیادی تبدیلیاں ہوئیں۔ مزدوروں کی تنخواہوں کے سلسلے میں وزیر اعظم سے جھگڑا ہو جانے کے نتیجے میں موسیو راما دیئے نے کمیونسٹ وزیروں کو وزارتوں سے علیحدہ کر دیا ــــ اور ان کی برطرفی پر قومی سطح پر کوئی بڑا احتجاج نہیں کیا گیا اور جیسا کہ ہو نے ان دنوں امریکی صحافیوں کو بتایا، اب یہ ظاہر تھا کہ "ہند چینی کی صورتِ حال میں فرانس کی سیاسی صورتِ حال کی حیثیت کلیدی ہے۔" دفعتاً فرانس کی حکومت کے اندر ویت منھ کے قریب ترین اتحادی ان سے چھن گئے تھے۔

مذاکرات شروع کرنے کی حمایت کرنے والی قوتوں میں کمی ہو جانے کے ساتھ ساتھ ایک پریشان کن رکاوٹ پیدا ہو گئی، موسیو بولارت اور اس کے دونوں مشیروں نے بات چیت دوبارہ شروع کرنے کی کوشش کے ارادے کو چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن اپریل کے اوائل میں انھیں جنرل دی گال کی طرف سے، جو فرانسیسی قومیت کی نمائندگی کرنے کے لئے "ریلی آف دی فرینچ پیپل" قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا، سخت تنبیہہ موصول ہوئی۔ جنرل نے کہا کہ جو شخص کسی فرانسیسی خطے کے کھو دینے کا مرتکب ہوگا اسے جلد یا بدیر عدالت عالیہ کے سامنے پیش کیا جائے گا..... اتفاق کی بات ہے کہ بولارت مقبوضہ فرانس میں دی گال کے نمائندے کی حیثیت سے کام کر چکا تھا اور میسمر بھی دی گال کا بہت مستعد پیروکار تھا۔ بات چیت کے ذریعے خودمختاری حاصل کرنے کی پالیسی کو اس سے زیادہ کاری ضرب نہیں لگائی جا سکتی تھی۔ جنرل اس راہ میں حائل ہو گیا تھا۔

اس لئے جب پال موس کو ویت منھ لیڈر کے پاس ایک مشن پر بھیجا گیا (ہوانگ منھ گیام کے ۲۶ر اپریل کے پیغام کے بعد کسی نہ کسی قسم کی ملاقات ناگزیر تھی) تو موسیو بولارت نے اسے ہدایت کی کہ جنگ بندی کے لئے ایسی شرائط پیش کرے — جن سے پال موس فریقِ ثانی سے واقفیت کے باعث اچھی طرح آگاہ تھا — جن کا فوری طور پر رد کر دیا جانا یقینی ہو۔ ویت منھ کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا کہ ' اپنے تمام ہتھیار حوالے کر دیں..... فرانسیسی افواج کو پورے ویتنام میں نقل و حرکت کی آزادی دینے پر رضامند ہوں...... اپنی غیر مسلح افواج کو محدود جگہوں میں مرکوز کر دیں.....(اور) تمام غیر ویتنامیوں کو ہمارے حوالے کر دیں.....' یہ شرائط شکست خوردہ فوج کے ہتھیار ڈال دینے کے مترادف تھیں اور مزید تذلیل کے طور پر ایک آخری فقرے کا اضافہ کیا گیا تھا، جس میں نفرت کا پہلو نمایاں تھا اور جس کے متعلق کوئی شخص یہ سوچنا پسند کرے گا کہ وہ غیر ارادی تھا۔

ہو نے موس کا ہنوئی سے اسی میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے شہر تھائی انگوین میں، جو چونے کے سیدھے ڈھلان پر واقع تھا اور جس کا تحفظ اسی بنا پر آسان تھا، استقبال کیا۔ ہنوئی منتقل ہونے سے پیشتر ۱۹۴۵ء کے موسمِ گرما کے شروع میں

ویت منہ کا ہیڈکوارٹر اسی جگہ واقع تھا۔ جب اس نے ہو کو وہ پیغام دیا جو اس کے سپرد کیا گیا تھا تو وہ کسی دھوکے میں نہیں تھا اور وہ ہو کا جواب پا کر، جس نے بعد میں شہرت پائی، بالکل بھی حیران نہیں ہوا:۔ "فرنچ یونین میں بزدلوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، اور اگر میں ان شرائط کو تسلیم کر لوں تو بزدل ہی ہوں گا۔" اس جوانمردانہ، بلکہ مضحکہ خیز حد تک جوانمردانہ اعلان کے بعد بحث جاری رہی لیکن اس دوران میں ذرہ برابر امکان نظر نہیں آیا کہ سمجھوتہ ہو جائے گا۔ موس اس پالیسی کی لغویت پر بہت متفکر تھا، جس پر وہ عمل پیرا تھا۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں وہ یہ تاثر لے کر یہاں سے گیا کہ ہو کو اپنی ٹیم پر پورا قابو ہے کہ کہ وہ دوسروں سے مشورہ کئے بغیر فیصلے کرنے میں آزاد ہے اور یہ کہ اسے پورا یقین ہے کہ لڑائی کا انجام کیا ہوگا۔[1]

پال موس ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ جب ایک ویت منہ افسر، جو تھوڑا عرصہ پہلے ہنوئی میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، اسے فرانسیسی صفوں تک پہنچانے کے لئے لے جا رہا تھا تو اس نے پوچھا: "کیا اب جنگ ہوگی؟" موس نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ اس کے رہبر نے کہا:۔ "تو میں اپنی تعلیم پیرس میں مکمل نہیں کر سکوں گا۔"

سات سال تک ہو اور مغربی ممالک کے درمیان کوئی سلسلہ جنبانی نہ ہوئی، بس کسی غیر ملکی صحافی کے ساتھ کبھی کوئی انٹرویو ہو جاتا (مثال کے طور پر اندریو روتھ کے ساتھ، جسے ۱۹۴۹ء کے موسم خزاں میں یقین دلایا گیا کہ ویت منہ دو بڑے بلاکوں کے درمیان غیر جانبدار رہنے کے امکان کو خارج از بحث قرار نہیں دیتے)، یا فرانس کے جمہوریت پسندوں اور امن کے حامیوں سے اپیل نشر کی جاتی، یا پھر فرانسیسی کمیونسٹ مندوبین کی جماعت کا ایک دورہ

---

[1] اس کے باوجود ویت منہ لیڈر بہت خوش امیدی سے اس مشن کا انتظار کر رہے تھے۔ موس بیان کرتا ہے کہ اس کے میزبانوں کو سمجھوتے کے امکان کا اس حد تک یقین تھا کہ انہوں نے شمپین برف میں لگائی ہوئی تھی کہ ضرورت پڑنے کی صورت میں استعمال ہو سکے۔

ہو جاتا۔

لیکن ۱۹۴۹ء میں ایک واقعہ رونما ہوا جو ویت منہ کے مستقبل کے سلسلے میں ۱۹۴۷ء کے موسم بہار میں راما دیئے کی وزارت سے کمیونسٹ وزیروں کی برطرفی سے بھی زیادہ اہم تھا۔ کومنتانگ کی شکست کے بعد چین میں ماؤ اور اس کے ساتھیوں نے اختیار سنبھالا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کمیونسٹ ٹانکن کی سرحد تک پہنچ گئے تھے۔ مارکسی پیکنگ، توجہ کا اتنا مضبوط مرکز بنا کہ پیرس کا 'انقلابی' رنگ ماند پڑ گیا۔

سیاسی اور فوجی تکون کے حساب سے، جو مارچ ۱۹۴۶ء میں پیرس، ہنوئی اور چنگ کنگ کے درمیان موجود تھی، فرانس کی سیاسی دنیا ویت منہ کے قریب تر معلوم ہوتی تھی اور کومنتانگ کی نسبت ان کے متعلق بہتر خیالات کی حامل۔ لیکن تکون نے اب دوسری شکل اختیار کر لی تھی۔ جب فرانسیسی ریڈیکل اور سوشلسٹ اور 'پاپولر ری پبلکن' طاقت حاصل کرنے اور اسے بانٹنے پر لڑ جھگڑ رہے تھے (کمیونسٹوں کی سخت مخالفت کی پالیسی اور حکمتِ عملی کے دائرے میں) تو پیکنگ —— ایشیا کے سب سے بڑے ملک کا دارالخلافہ —— کمیونسٹوں کے قبضے میں آچکا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں موریس تھورے پیرس میں نائب وزیرِ اعظم تھا، چیانگ کائی شیک (کم از کم سرکاری طور پر) چین کا حکمران تھا، ماؤ ایک باغی تھا، جو زیرِ زمین جنگ لڑ رہا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں ماؤ پیکنگ میں تھا، تھورے حکومت کی مخالف پارٹی میں، چیانگ فارموسا میں۔ صورتِ حال بالکل بدل چکی تھی۔ ہند چینی کے مسئلے کے سلسلے میں پیرس کی حیثیت کلیدی نہیں رہی تھی، نہ ہی وہ 'جمہوریت' کا سرچشمہ تھی۔ ۱۸ جنوری ۱۹۵۰ء کو جب چین کی انقلابی حکومت نے ہو کی حکومت کو تسلیم کرنے اور اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ بدلی ہوئی صورتِ حال توجہ کا مرکز بنی۔ اس لحاظ سے چینی رویوں پر پندرہ دنوں کی سبقت لے گئے۔

ویتنام ہزاروں سال سے بڑی حد تک چینی حکمرانوں کے اختیار میں رہا تھا۔ اب چین پھر طاقتور تھا اور اس نظریاتی بلاک کا رکن، جس کے ویت منہ رکن تھے۔ ہند چینی کمیونسٹ پارٹی کی دوبارہ تشکیل کا وقت آگیا تھا۔ ۱۹۴۵ء میں پارٹی کو توڑ دینے کا فیصلہ پیرس کے

پارٹی لیڈروں کی نسبت چینی کامریڈوں نے بہت کم پسند کیا تھا۔

۱۱ر فروری ۱۹۵۱ء کو انقلابی کانگریس[1] میں، جس میں دو سو مندوب شریک ہوئے، صدر ہوچی منھ نے اپنی تقریر میں ملک کی سیاسی صورتِ حال کا شاندار تاریخی جائزہ پیش کیا، اور سیکرٹری جنرل ترونگ چنھ نے پارٹی کے سیاسی تجربے اور قومی آزادی کے لئے جمہوری انقلاب کے فوری کام کے متعلق رپورٹ پیش کی۔ کانگریس نے ویت نام دانگ لاؤ دونگ (ویتنامی مزدوروں کی پارٹی) قائم کرنے کی حمائت میں ووٹ دیا۔ پارٹی کے سیاسی پروگرام کے مطابق :-

"ویتنامی انقلاب کے بنیادی مقاصد یہ تھے :- استعماری حملہ آوروں کو باہر نکالنا، خود مختاری حاصل کرنا اور قوم کو متحد کرنا، نوآبادیاتی راج کو ختم کرنا، جاگیرداری اور نیم جاگیرداری نظام کے نشانات کو مٹانا، زمین کسانوں میں تقسیم کرنا، سوشلزم کے حصول کے لئے عوامی جمہوریت کی نشوونما کرنا۔"

کانگریس کی منتخب کی ہوئی سنٹرل کمیٹی کے صدر ہوچی منھ تھے، جنھوں نے انقلابی تحریک کی ترقی کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے ۱۹۴۵ء میں آئی - سی - پی کے توڑنے کا جواز بھی پیش کیا۔

لیکن پیکنگ کا اثر و رسوخ کتنا ہی کیوں نہ بڑھ گیا ہو۔ ہوچی منھ نے فرانس کے بائیں بازو کے ساتھ اپنے تعلقات میں غفلت نہیں برتی۔ اسی بنا پر اس نے مارچ ۱۹۵۰ء میں فرینچ ینگ کمیونسٹس کے لیڈر ریو فیگر کا بہت دوستانہ استقبال کیا۔

فرانسیسی اور ویتنامی کمیونسٹوں کے درمیان تعلقات مجبوراً معرضِ التوا میں پڑ گئے تھے۔ لاؤس، برما اور ہندوستان کے راستے چھوٹے چھوٹے مشن باہر بھیجنے کے علاوہ ویت منھ کا رشتہ بیرونی دنیا سے کٹ چکا تھا۔ اس قسم کے تعلقات جنوری ۱۹۵۰ء میں چین کی عوامی فوج کے

---

[1] شمالی ویتنام کی بعض تصانیف اس کانگریس کو ہند چینی کمیونسٹ پارٹی کی گیارہویں کانگریس کے نام سے یاد کرتے ہیں، جیسے یہ پارٹی ۱۹۴۵ء میں توڑی نہ گئی ہو، دوسرے لوگ اسے لاؤ دونگ کی پہلی کانگریس کہہ کر پکارتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ہوچی منھ کے 'مجموعے' میں اسے لاؤ دونگ کی دوسری کانگریس بیان کیا گیا ہے (صفحہ ۲۱۹)

ٹانکن کی سرحد پر پہنچ جانے کے بعد ہی قائم ہو سکتے تھے۔ اس لئے یہ طے پایا کہ فروری میں ہونے والی ویت منہ یوتھ کانفرنس اس قسم کے روابط بحال کرنے کے لئے بہترین موقعہ ثابت ہوگی۔ یونیگر کا دورہ بھی اسی لئے اہم ہے۔

وہ جنوری کے آخر میں پیرس سے روانہ ہوا اور ماسکو، پیکنگ اور ہانگو کے راستے اسی لاری میں، جس میں عوامی جمہوریہ چین کا پہلا سفیر سفر کر رہا تھا، مارچ کے شروع میں اپنی منزلِ مقصود پر پہنچا۔ یوتھ کانفرنس تو ختم ہو گئی تھی لیکن ویت منہ لیڈر اس کے منتظر تھے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ جنگ جاری تھی ہو نے اس کا پُر جوش استقبال کیا۔ اس نے کہا: "آپ نے بہت اچھے وقت کا انتخاب کیا۔ مجھے ابھی ابھی افواج کی جانب سے کچھ شیمپین موصول ہوئی ہے ......" استقبالیہ کا انتظام لیڈر کی قیام گاہ پر کیا گیا۔ فیگر نے دیکھا کہ ہو کے خلوص کے علاوہ جسے ظاہر کرنے کا اسے بہت شوق تھا، اس چیز کی علامتیں بھی نظر آ رہی تھیں کہ میزبان کوئی عام گوریلا لیڈر نہیں بلکہ ایک ریاست کا سربراہ ہے۔ وہاں ایڈے دو کاں بھی تھے، محافظ دستہ بھی اور رسمی تکلفات بھی۔ اس حقیقت نے نے بھی ہو کو اپنے مہمان کو باورچی خانے کا باغ دکھانے، جہاں وہ ٹماٹروں اور میٹھے آلوؤں کے درمیان پہروں وقت گذارتا تھا، اور "تیرنے کے تالاب" تک لے جانے سے نہ روکا، جو اس نے نزدیک ہی واقع ندی کے موڑ پہ بنایا ہوا تھا۔

ہو کے ساتھ بات چیت، پارٹی کے دوسرے لیڈروں سے ملاقاتوں اور تویان کوانگ کے گرد جنگلاتی، کوہستانی اور دریائی علاقے میں ویت منہ کی تنصیبات کا معائنہ کرنے کے دَوران میں یونیگر تین چیزوں سے خاص طور پہ متاثر ہوا:۔ پہلی، افراتفری سے بچنے اور اس قسم کے حالات میں بھی ریاست کو منظم ڈھانچے میں برقرار رکھنے کا عزم۔ دوسری، اس ڈھانچے میں مقامی حکام کو بے شمار اختیارات سونپ دینے میں مہارت تاکہ یہ ڈھانچہ جنگل میں چھپا رہے۔ تیسری، ایسے حالات دوبارہ پیدا کرنے کی فکر جن میں فرانس کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے سمجھوتہ ہو سکے۔

ہو نے فیگر کے سامنے خیال ظاہر کیا کہ قیدیوں کے تبادلے کرنے سے ممکن ہے ابتدائی

روابط پیدا کرنے کا موقع مل جائے، جس سے آخر میں سیاسی مذاکرات شروع ہو سکیں۔ اس کی پیرس کے ساتھ دوبارہ رابطہ قائم کرنے کی خواہش عیاں تھی۔ تاہم اس نے اپنے مہمان پر یہ بات بالکل واضح کر دی کہ اگرچہ ۱۹۴۶ء کے اواخر اور ۱۹۵۰ء کے درمیانی عرصے میں ویت منھ کی بقا کا انحصار توانائی، ہٹیلے پن اور خوش تدبیری اور اپنے آپ کو وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی استعداد پر تھا، جو خصوصی طور پر ویتنامیوں کا حصہ ہے، لیکن چینی کمیونسٹوں کی فتح نے جھگڑے میں کامیابی کی توقعات کو یکسر بدل دیا ہے۔

ہو نے بتایا کہ اس وقت تک وہ اور اس کے دوست پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر محاصرے کی حالت میں رہ رہے تھے اور اس گوریلا طاقت سے ایک ریاست کا تصور دماغ میں لانے کی کوشش کر رہے تھے، جس کا بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن اب ان کے بھی اتحادی تھے، دس یا بارہ ملکوں نے ان کی فرمانروائی کو تسلیم کر لیا تھا اور سوشلسٹ دُنیا کے ساتھ ان کی سرحد مشترک تھی۔

جب فیگرہ نے پیرس واپس جا کر رپورٹ پیش کی تو فرانسیسی لیڈروں نے ہو کے اس قسم کے اعلانات کو محض سیاسی ریشہ دوانیاں کہہ کر ٹال دیا۔ لیکن روابط کے دوبارہ قائم ہونے اور جنگ کے خلاف فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کی جدوجہد اور تیز ہو جانے کا ویتنامیوں پر بہت گہرا اثر ہوا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ 'ویتنامی ورکرز پارٹی کی عظیم تواریخ' میں ویتنامی مورخ موریس تھورے کی اس تقریر کو اس زمانے کا سب سے بڑا واقعہ قرار دیتے ہیں، جو اُس نے فیگرہ کی پیرس واپسی کے بعد اپریل ۱۹۵۰ء میں فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کی بارہویں کانگریس میں کی۔

تھورے نے اعلان کیا :۔

"ہم ویتنام میں مجرمانہ جنگ کے خلاف جدوجہد اس لئے کر رہے ہیں کہ ہم محبِّ وطن ہیں اور بین الاقوامی اتحاد کے جذبے میں سرشار مزدور۔ جب ہمیں پتہ چلتا ہے کہ فرانسیسی جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمیں صدمہ اور شرمندگی ہوتی ہے یوں کہ ہمیں فرانس کے ساتھ محبت ہے۔ ہم مارکس کے اس مقولے کی صداقت اور صحت کے ہمیشہ سے زیادہ

اب قائل ہیں کہ "جو نسل دوسروں پر مظالم ڈھاتی ہے وہ خود بھی آزاد نہیں ہو سکتی"۔

لیکن وہ چند کوششیں، جو کم سطحی نوعیت کے روابط دوبارہ قائم کرنے کے لئے کی گئیں، بار آور نہ ہوئیں۔ فرینچ یونین کا مشیر ۱۹۵۲ء میں ہو کے ساتھ ملاقات کرنے کی کوشش میں ناکام ہو گیا۔ ژاک رافائیل ییگ اور پروفیسر بو ہوئی (جو بعد میں کئی افریقی ممالک میں سائیگان کا سفیر رہا) بنکاک سے آگے نہ بڑھ سکے، جبکہ نہرو کی مصالحت کی ایک کوشش سے ـــــ جس کی تحریک پیرس سے ژاں رونے کی، جو فینر براک وے کے ساتھ نوآبادیاتی عوام کی خودمختاری کی کانگریس کی روحِ رواں تھا ـــــ ویتنامیوں میں کچھ دلچسپی پیدا ہوئی، لیکن یہ فرانس کی رائے عامہ کی توجہ کا مرکز نہ بنی۔

۱۰۔ فاتح

جب ہو اور گیاپ —— جو اَب جنرل گیاپ ہیں —— 'جوابی حملے' کے لئے تیاریاں کر رہے تھے تو ۱۹۵۳ء میں فرانس میں ہند چینی کی اس دور افتادہ اور غیر یقینی جنگ کو ختم کرنے کی نہ دبنے والی خواہش ابھر رہی تھی ۔ سب لوگوں کو نظر آ رہا تھا کہ یہ نو آبادیاتی جنگ، جو پہلے خانہ جنگی اور پھر کمیونسٹوں کے خلاف مہم میں بدل گئی تھی، اس حد تک بین الاقوامی نزاع کا باعث بن رہی تھی کہ تیسری جنگِ عظیم کا خطرہ لاحق تھا۔ مارچ میں سٹالن کی موت کے باعث مشرق اور مغرب کے درمیان تعلقات کے پورے دائرے میں نئے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ اس مشکل صورتِ حال سے چھٹکارا پانے کا طریقہ دریافت کرنا ضروری تھا اور یہ یقینی ہے کہ 'باؤ دائی حل' اس مسئلے کا حل نہیں تھا، جس کی وجہ سے ۱۹۴۹ء سے اس مسئلے میں ایک نئے بُعد کا اضافہ ہو گیا تھا۔ لیکن ہو چی منھ آخر چاہتا کیا تھا؟

جو لوگ اس سوال کا جواب ڈھونڈ رہے تھے، ان میں سویڈن کا ایک صحافی 'ایکسپریسن' کا پیرس کا نامہ نگار سوین لوفگرین بھی شامل تھا۔ چیمبر آف ڈپٹیز میں دیت منھ کے

امکانی مقاصد کے متعلق بحث سننے کے بعد ایک دن اس پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ جتنے دلائل پیش کئے گئے تھے ان میں سے ایک بھی تازہ اور خصوصی اطلاع پر مبنی نہیں تھا۔ اس نے فوراً پیکنگ میں سویڈن کے سفیر کی معرفت ہوچی منھ کو ایک سوالنامہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اکتوبر کے آخر میں اس نے جنگ بندی اور سیاسی تصفیے کے لئے امکانی شرائط کے متعلق جواب طلب باتوں کی ایک فہرست بھیجی۔

۲۶ر نومبر کو لونگرین کو ایک جواب موصول ہوا۔ یہ جواب اس کی توقعات سے زیادہ اُمید افزا تھا۔

"اگر ویتنامی عوام مسلح ہونے پر مجبور ہوئے ہیں اور پچھلے سات آٹھ سال سے جارحیت کے خلاف نبرد آزما ہیں تو صرف ایک وجہ سے:۔ اپنی خود مختاری اور پُرامن زندگی گذارنے کے حق کے تحفظ کے لئے جب تک فرانسیسی نوآبادیاتی جارحانہ جنگ جاری رکھیں گے ویتنامی آخری فتح حاصل کر لینے تک حُب الوطنی کے جذبے کے تحت جنگ لڑتے رہیں گے۔ لیکن اگر فرانسیسی حکومت موجودہ جنگ سے مناسب سبق حاصل کرنے کے بعد مذاکرات کے ذریعے ہنگامی صلح اور ویتنام کے مسئلے کا پرامن حل چاہتی ہے تو ویتنامی عوام اور ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام کی حکومت جواب میں مناسب کاروائی کے لئے تیار ہے۔"

ہو کے جوابات دو دن کے بعد 'ایکسپریس' میں شائع ہوئے۔

ہو سکتا ہے کہ اس کا بیان ویت منھ لیڈروں کے ان بیانات سے کم واضح ہو جو انہوں نے ۱۹۴۷ء میں فرانسیسی حکومت کو دیئے تھے۔ لیکن تلخی اور اندیشوں کی اس فضا میں، جس میں یہ جنگ ہو رہی تھی، اس بیان نے ایک خاص دل چسپی پیدا کر دی۔ کے دورے میں لونگرین کو تلخ لہجے میں مطلع کیا گیا کہ "حکمت عملی اخباروں کے شخصی کالموں میں نہیں چلائی جا سکتی" (یہ فقرہ ژور ژبی دو کا ہے)، لیکن رائے عامہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ لینیئل حکومت ملک کو ہند چینی کی مشکلات سے نجات دلانے کے حقیر سے حقیر موقعے کو نظر انداز کرے۔ ۱۸ر فروری ۱۹۵۲ء کو جب برلن کانفرنس (جس میں روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے شرکت کی) نے، ایشیا کے مسائل کی خاطر، اپریل میں چار طاقتوں کا ایک جلسہ

بلانے کا فیصلہ کیا تو یہ احساس اور شدید ہو گیا۔

اس دوران میں قومی دفاع کے وزیر موسیو رین پلیون چاہتے تھے کہ ہو اپنے مقاصد کو اور وضاحت سے پیش کرے۔ اس نے آلیس ساواری کو ویت منھ لیڈر سے رابطہ قائم کرنے کے لئے کہا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اس سوشلسٹ ڈپٹی نے ۱۹۵۲ء میں یہ کام کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں ناکام ہو گیا تھا۔ اس دفعہ اس تجویز کو، حالانکہ صدرِ ریاست اس کو منظور کر چکے تھے، وزیر خارجہ موسیو بی دو نے ویٹو کر دیا۔ بی دو نے دلیل پیش کی کہ "ویت منھ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ کی کوششوں سے ان میں خود اعتمادی دوبارہ بحال ہو جائے گی اور اس طرح ان کی ہمت بندھے گی ....." ساواری نے فوری جواب دیا: "آپ اپنے اوپر بلا کی ذمہ داری عائد کر رہے ہیں"۔ تین ماہ اسی طرح ضائع ہو گئے اور جب آخر کار بی دو نے ویٹو کو واپس لیا تو دین بین فو کی لڑائی کی قسمت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ ساواری کے حالات بحال کرنے کے مشن کا، جو نومبر میں بہت کار آمد ثابت ہوتا، مقصد ہی فوت ہو چکا تھا۔ ساواری ماسکو سے آگے نہیں گیا۔

اس بات کے متعلق پوری صحت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہو نے برلن کانفرنس کے طویل ابتدائی مذاکرات میں، جو سرکاری طور پر جینوا میں ۷ مئی (اسی دن جس دن ہو کے گوریلوں نے دین بین فو کے محصور کیمپ پر قبضہ کیا) کو شروع ہوئی اور ۹ جون کو، جب ویت منھ کے فوجی مندوب نے ویتنام کی تقسیم کا عارضی منصوبہ پیش کیا اور آخر کار جس پر ۲۱ جولائی ۱۹۵۴ء کو دستخط ہوئے، اختتام پذیر ہوئی، کیا کردار ادا کیا۔ لیکن پسِ پردہ بحثوں کے متعلق، جن کے نتیجے میں ویت منھ لیڈر نے جینوا کی بات چیت میں شرکت کرنے کا فیصلہ کیا، اپنے مندوب منتخب کئے اور شرائط کا اعلان کیا، امن حاصل کرنے کے بدلے میں ملک کی تقسیم منظور کرنے کی پیش کش کر کے اپنے نقصانات میں کمی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ہمیں کتنی ہی کم واقفیت کیوں نہ ہو، ہمارے لئے یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ اس معاملے میں بھی ہو نے ہی پیشقدمی کی اس کی گذشتہ زندگی کے کسی ایک مرحلے کو اپنی نظروں کے سامنے لانا کافی ہے۔

اب جبکہ ان تمام کھنڈرات اور خاکستر کے نیچے ۶ر مارچ کے جذبے کو دوبارہ سُلگانے کا موقعہ آہی گیا تھا تو وہ بات چیت شروع کرنے کی حمایت میں دباؤ ڈالنے سے چوک نہیں سکتا تھا۔ ممکن ہے اس نے ۱۹۴۶ء کی طرح خود یورپ آنے کے متعلق بھی سوچا ہو۔ یہ حقیقت کہ اس نے گذشتہ تیس سال کے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد چیلے فام وان ڈونگ کو ویت منھ کی مندوبین کی جماعت کا سربراہ مقرر کیا، ظاہر کرتی ہے کہ ہو کتنا متمنی تھا کہ ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام کے ایلچی اسی کے خیالات کے مطابق معاملے کو سلجھانے کی کوشش کریں۔

جہاں تک تقسیم کرنے کی تجویز کا تعلق ہے ——— اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ تقسیم بالکل عارضی تھی اور استصواب رائے کے ذریعے ملک کو دوبارہ متحد ہونا تھا — تو بھی یہ احساس ناگزیر ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ اس کے ساتھی دین بین فو کی فتح کے نشے میں سرشار تھے ہو کے علاوہ ان پر اس قربانی کو کوئی عائد نہیں کر سکتا تھا۔ درحقیقت ویت منھ کی مقابلتاً اعتدال پسندی، ان کی باسلیقہ تجاویز، ان کی نرمی، ان کی فراست، غرضیکہ اس مرحلے پر ان کے پورے رویے میں ہوچی منھ کا ہاتھ کارفرما نظر آتا ہے۔

اس کے علاوہ اس بحث میں صدر نے بالواسطہ کردار بھی ادا کیا۔ برن میں ماندے فرانس کے ساتھ ملاقات کے فوراً بعد چو این لائی اپنے ساتھیوں اور دوسرے ایشیائی لیڈروں سے صلاح مشورے کے لئے مشرق بعید کے دورے پر روانہ ہوا۔ نہرو اور نوے ملاقات کے بعد چینی ویتنامی سرحد پر (۳، ۵ جولائی) اس نے ہوچی منھ کے ساتھ طویل بات چیت کی۔ جونہی کم سے کم شرائط کے متعلق اس کے اور ویتنامی صدر کے درمیان سمجھوتہ ہُوا وہ جینوا روانہ ہو گیا۔

۱۳ر جولائی کو اس نے ماندے فرانس کے ساتھ دوبارہ ملاقات کی۔ مُؤخر الذکر نے اس سے ہو کے موجودہ اندازِ فکر کے متعلق استفسار کیا۔ اس نے لطیف مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا:۔ "میں نے جس شخص سے بھی بات کی اس نے امن کی خواہش کا اظہار کیا۔" اور اس نے ہو کے اپنے انداز میں مزید کہا:۔ "ہر فریق کو دوسرے کی جانب

قدم اٹھانے کی ضرورت ہے ..... جس کا مطلب یہ نہیں کہ دونوں کو ایک ہی تعداد میں قدم اٹھانا ہوں گے ....[۱]'

' ہو اور جوؑ کے درمیان جن ' اقدام ' کا بھی فیصلہ ہوا ہو ' ویتنامی لیڈر کو ۱۰ / جولائی ۱۹۵۴ء کو لاؤ دونگ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے چھٹے جلسے میں ان کی تصدیق کرانی پڑی۔

اس دن سنٹرل کمیٹی کے اراکین کے سامنے ہو کے خطبے کے متن سے زیادہ کوئی دستاویز اس شخص کے انداز فکر کو ظاہر نہیں کر سکتی اور اس حقیقت کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ یہ اپیل خفیہ تھی اور سات سال تک شائع نہیں کی گئی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ملک کو طاقت کے استعمال کے بغیر دوبارہ متحد کرنے کے عزم صمیم کے بہترین ثبوتوں میں شمار کی جا سکتی ہے۔

حالات کی نئی ترتیب میں سابقہ نعرے ' آخر دم تک مزاحمت ' کو ' امن، قومی اتحاد، خود مختاری، جمہوریت ' کے نعرے سے بدلنا ہوگا ..... جب لوگ بات چیت کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں تو انھیں ایک دوسرے کو معقول مراعات دینی پڑتی ہیں۔ ماضی میں ہم فرانسیسی مہم جو فوج کو ملک سے نکالنے اور اسے تباہ کرنے کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے۔ اب فرانسیسی اپنی فوج مقررہ تاریخ تک واپس بلا لینے پر رضامند ہو گئے ہیں ..... اب تک فرینچ یونین کا ہمارے نزدیک کوئی وجود نہیں تھا۔ اب ہم فرینچ یونین میں شمولیت کے مسئلے پر آزادانہ اور برابری کے اصول کے تحت بحث کرنے کے لئے تیار ہیں .....''

اور ویتنام کی عارضی تقسیم کی وضاحت کرتے ہوئے، جسے جنیوا میں ہنوئی کے مندوبین نے پہلے ہی منظور کر لیا تھا، ہو نے اعلان کیا:-

'' ان علاقوں کی، جن میں افواج کی دوبارہ تشکیل کی جائے گی، حد بندی کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ قوم کو تقسیم کیا جا رہا ہے۔ یہ عارضی اقدام ہے، جس کا مقصد ملک کو کامیابی کے

---

۱ اسی شام دونگ نے ماندیس فرانس اور شوول کو نئی تجاویز پیش کیں، جن کی وجہ سے مذاکرات ڈیڈ لاک کی نذر ہونے سے بچ گئے۔ ویت منھ نے سولھویں خطِ متوازی پر تقسیم منظور کرنے کی پیشکش کی۔ سترھویں کی طرف ایک قدم .....

ساتھ دوبارہ متحد کرتا ہے ...... ہمارے ان ہموطنوں کے پاس، جو اَب تک ان آزاد علاقوں میں مقیم تھے جو اب عارضی طور پر دشمن[1] کے قبضے میں ہوں گے، بے اطمینانی ظاہر کرنے کا جواز ہے۔ ان میں سے کچھ اس صورتِ حال کا تاریک پہلو دیکھیں گے اور مایوسی کا شکار ہو جائیں گے۔ اور ممکن ہے ہمارے دشمن انھیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ ہمیں یہ بات پوری طرح ان کے ذہن نشین کرانی چاہیے کہ پورے ملک کے مفاد کی خاطر، اس کے پائیدار مفاد کی خاطر، انھیں موجودہ صورتِ حال کو جھیلنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ اس طرح وہ نیک نامی حاصل کریں گے۔ قوم ان کی شکر گذار ہو گی۔"

کیا وہ لوگوں کو تخریب پر اکسا رہا تھا یا صبر کے لئے اپیل کر رہا تھا؟ اس کے خطبے کا دوسرا حصہ اس کی شخصیت، اس کے خیالات اور اس کی حکمتِ عملی کو پہلے سے بھی زیادہ اُجاگر کرتا ہے (یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ان الفاظ کے مصنف نے ابھی ابھی غیر متوقع اہمیت کی حامل فتح حاصل کی تھی):-

"مندرجہ ذیل غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں:- بائیں بازو کے لوگوں کا انحراف ــــ وہ لوگ جو ہماری پے درپے فتوحات کے نشے میں سرشار ہیں، ہر قیمت پر اور آخری دم تک لڑائی کرنا چاہیں گے۔ ان لوگوں کی طرح جو درخت دیکھ سکتے ہیں لیکن جنگل نہیں دیکھ سکتے، وہ دشمن کی پسپائی سے تو آگاہ ہیں لیکن اس کے داؤ پیچ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، وہ فرانسیسیوں کو تو دیکھتے ہیں لیکن امریکیوں کو نہیں دیکھتے، ان کے دلوں میں فوجی کاروائی کے لئے تو بہت ولولہ ہے لیکن وہ سفارتی کاروائی کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم مسلح جنگ کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی کانفرنسوں میں اسی مقصد کے حصول کی خاطر جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ اسے دائیں بازو کی طرف رجحان کا ثبوت اور بیجا مراعات سمجھ کر نئے نصب العین کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ بے شمار شرائط پیش کرتے ہیں، جو دوسرے فریق کو منظور نہیں ہوتیں۔ وہ

---

1 جولائی ۱۹۵۴ء کے معاہدوں کی رُو سے ویت منھ کو اپنے علاقے کے بیس فیصد حصے اور پندرہ لاکھ سے زیادہ باشندوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

ہر کام جلدی سے کر لینا چاہتے ہیں اور اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ امن کے لئے جد وجہد مشکل اور پیچیدہ ہوتی ہے۔ اگر ہم بائیں بازو کے سامنے ہتھیار ڈال دیں تو ہم تنہا رہ جائیں گے اور اپنے ہی عوام اور دنیا کے عوام سے ہمارا رشتہ ٹوٹ جائے گا اور ہم ناکام ہو جائیں گے۔"

"دائیں بازو کے لوگوں کا انحراف منفی قنوطیت اور غیر اصولی مراعات کی شکل اختیار کرتا ہے۔ عوام کی طاقت پر بھروسہ نہ کر کے دائیں بازو کے لوگ ان کے لڑنے کے عزم کو کمزور کر دیتے ہیں۔ انھیں مصائب جھیلنے کی عادت نہیں اور وہ پُرسکون اور آرام دہ زندگی کے علاوہ کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتے[1]۔"

ہو کے الفاظ سے جینوا کے معاہدوں پر دستخط ہونے سے فوراً پیشتر لاؤ دونگ کی سنٹرل کمیٹی کے اندر جھگڑوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ 'بائیں بازو کے رجحانات' اور 'دائیں بازو کے رجحانات' پر بالترتیب جتنی توجہ دیتا ہے اس سے اس کی اپنی پوزیشن اور مخالفوں کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے، جنھیں اسے اپنی حکمتِ عملی کی صحت کا یقین دلانا تھا۔ پس پردہ واقعات کی بہترین رپورٹیں بھی ہمیں اس زمانے میں بوڑھے لیڈر کے کردار کے متعلق اتنی معلومات فراہم نہیں کر سکتیں۔ 'بائیں بازو کے رجحانات' کے خلاف جو نئے نصب العین کی مخالفت کر رہے تھے، (گویا جھگڑے بہت سخت اور تند و تیز تھے) ہو نے مصالحت پر مبنی حل کی حمایت میں جنگ لڑی — اور وہ کامیاب رہا۔

اُن لوگوں نے جنھوں نے آٹھ سال کی تھکا دینے والی کوششوں اور انتہائی مشکلات کے بعد دین بین فو جیسی بدمست کر دینے والی فتح حاصل کی ہو، جو ملک کے دو تہائی حصے پر قابض ہوں اور جنھیں احساس ہو کہ 'باؤدائی' کے علاقے میں ان کا اثر بڑھتا جا رہا ہے۔ انھیں لوگوں نے، جن کے حالات اتنے امید افزا تھے، بہت سے جیتے ہوئے علاقے سے دست کش ہو جانے اور بہترین اور زرخیز ترین علاقے اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس امر کی وضاحت صرف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ مداخلت کسی عظیم قومی شخصیت نے کی ہو۔

---

[1] 'مجموعہ' صفحہ ۴۵۸ - ۴۶۲

اس مرحلے پر ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویت نام کے لیڈروں کو اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ وہ عظیم کمیونسٹ — لیکن بیرونی — طاقتوں کی ترغیب انھیں میانہ روی اختیار کرنے پر مجبور کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔ اتنی بڑی قربانی کی ذمہ داری کوئی ان کی اپنی قبیل کا آدمی ہی لے سکتا تھا اور درحقیقت وہ آدمی جس کی بات میں وزن ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ جینوا میں ۲۱ر جولائی کو ہوخود ماندیے فرانس کے روبرو نہیں تھا، جیسے کہ ۶ر مارچ ۱۹۴۶ء کو سینتنی کے روبرو تھا۔ لیکن اس فیصلے میں بھی اس آدمی کا جذبہ اور اس کا ذاتی رنگ صاف نظر آتا ہے۔

۲۱ر اور ۲۲ر جولائی ۱۹۵۴ء کی درمیانی رات جب معاہدے پر دستخط ہونے کی خبر آخرکار ہنوئی پہنچی ہوگی تو اس کے خیالات کیا ہوں گے؟ کیا اس نے مارچ ۱۹۴۶ء کی طرح اپنے نقصانات میں کمی کر لی تھی اور اس کے عوض بہت سی چیزیں ان کے حوالے کر دی تھیں؟ کیا جنگ بند کر دینے کے عوض بیشمار ایکڑ زمین دے دینا معقول بات تھی؟ کیا کل وہ تعمیرِ نو کا کام شروع کر دے گا اور جلد یا بدیر جنوب کے عوام کی بھاری اکثریت تقسیم شدہ قوم کو دوبارہ متحد کرنے کے حق میں ووٹ دے گی؟

چالیس سال کی متواتر لڑائی نے اس پر پوری طرح واضح کر دیا تھا کہ کبھی کسی نے لڑائی نہ مکمل طور پر جیتی ہے نہ ہاری، چاہے وہ کونمتانگ کے جیل خانے میں بیٹھا ہو یا نامعلوم سپاہی کی قبر پر کھڑا ہو۔ چند ہی دن پہلے جب وو انگوین گیاپ نے دین بین فو کی تسخیر کی خبر سنائی تھی تو اس نے نرمی سے جواب دیا تھا: ”یہ فتح کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، یہ صرف آغاز ہے.....“

جنگ شروع ہونے کے آٹھ سال بعد، دین بین فو کے پانچ ماہ بعد، جینوا معاہدوں کے دو ماہ بعد ۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ہو آخرکار ہنوئی واپس پہنچ گیا۔ اس کے باوجود اس کی واپسی پُرسکوت ماحول میں ہوئی۔ تحسین کے نعرے صرف گیاپ اور ’عوامی فوج‘ کے لئے بلند ہوئے۔ اتنی تباہی کے بعد خوشی منانے کا کوئی موقع نہیں تھا.......

اب جبکہ امن قائم ہو گیا تھا — یا عارضی صلح، فرانسیسی کس قسم کے آدمی کو اپنا نمائندہ

بنا کر بھیجیں گے ؟ چند ہفتے پیشتر، اٹلی کے ساحل سے روانہ ہوتے وقت، ژاں سینتنی کو اس کے وزیر اعظم کی جانب سے ایک تار موصول ہوا تھا جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ فوراً پیرس پہنچ جائے۔ دوسرا پڑاؤ ہنوئی۔ یہ خبر سننے کے بعد سینتنی نے تھوڑی دیر کے لئے سوچا۔ یہ صحیح ہے کہ اس نے اس مسئلے سے لاتعلقی کبھی اختیار نہیں کی تھی اور ۱۹۵۳ء-۵۴ء کے مشکل زمانے میں اسے توقع تھی کہ ژورژ بی دو یا رین پلیون بات چیت دوبارہ شروع کرنے کے پُرخطر مقصد کی خاطر اسے ہند چینی واپس بھیجیں گے۔ جینوا کانفرنس سے فوراً پیشتر اس نے بی دو کے لئے ثالث کا کردار ادا کرنے سے اس لئے انکار کیا تھا کہ اسے یقین تھا کہ دوسرے فریق کی نظروں میں دوبارہ ساکھ قائم کرنے کے لئے وقت بہت ناکافی تھا۔ ..... تاہم اب جبکہ امن قائم ہو گیا تھا کیا اسے وہاں بھیجنے کا کوئی فائدہ ہے ؟ ماندے فرانس نے پُرزور اور پُراثر دلائل دیئے .....

۷ نومبر کو وہ "ڈیلی گیٹ جنرل" کی حیثیت میں ہنوئی پہنچا۔ دوسرے دن وہ ہو کے مکان پر گیا۔ کیا اس کا استقبال کرنے والا شخص وہی ہو گا جو پہلے تھا، ویسا ہی جسمانی (کیونکہ اس کی برطرفی کا بہت چرچا تھا) اور سیاسی لحاظ سے ؟ دفعتاً دونوں آدمی ایک دوسرے کے روبرو کھڑے تھے۔ ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد ہو نے قدم بڑھایا اور پُرنم آنکھوں سے اس سے اسی طرح بغل گیر ہو گیا جیسے اگلے وقتوں میں ہوا کرتا تھا۔ فوراً ہی بعد سینتنی نے ماندے فرانس کو تار بھیجا: "ہو چی منہ ویسا ہی ہے جیسا میں اسے جانتا تھا۔"

ویت منہ حکام سینتنی کی تقرری پر خوش تھے اور فرانس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے خواہش مند۔ آئندہ یہ تعلقات انھیں صرف یورپ اور مغربی دنیا کے لئے راستہ ہی مہیا نہیں کریں گے بلکہ ان تعلقات کی بنا پر وہ رعایتی محصول پر مال درآمد کر سکیں گے، ان فرانسیسی "سرمایہ کار" نسبتاً مفید فرموں سے فائدہ اٹھا سکیں گے، جو ویتنام میں کاروبار کر رہی ہیں (حالانکہ یہ واضح طور پر جان لینا چاہیئے کہ اب یہ فرمیں عوام کے اختیار کے تابع ہوں گی)، ان فنی اور دوسرے ماہرین کی مدد حاصل کر سکیں گے، جو پیرس سے آئیں گے اور ان نقصان رساں اثرات سے بچ سکیں گے جو ویتنام کے چین اور روس پر بھروسہ کرنے سے برآمد ہو سکتے ہیں۔ ژاں سینتنی

کے علاوہ دوسروں سے بھی راہ ورسم بڑھائی گئی۔ اس کے ایک فوجی معاون جنرل وو بو فور کو ہو اور دونگ نے بتایا :۔ ہم نے ایک دوسرے کو کافی ہراساں کیا ہے۔ اب ہمیں مساوات کی بنیاد پر اکٹھے کام کرنا چاہیئے ۔۔۔۔۔' اور گیاپ نے ایک اور فرانسیسی فوجی افسر سے کہا :۔
ہ ماضی کی خطائیں دونوں فریقوں کو مساوی طور پر منسوب کی جاسکتی ہیں، مستقبل کی کوششوں میں بھی ہمیں برابر کا حصہ دار ہونا چاہیے۔۔۔۔۔'

لیکن دلوں کو موہنے کی اس شدید جدوجہد کا اصلی نشانہ خود سینٹنی تھا۔ اس کے خطاب اور فرائض کی معمولی نوعیت کے باوجود، جو پیرس نے ــــ جو ان وعدوں کا ضامن تھا جو اس نے سائیگان کے قوم پرستوں سے کئے تھے ــــ اسے عطا کرنا مناسب خیال کیا تھا اور جس نے اسے سفیر کے بجائے ایک قسم کا کونسل جنرل بنا دیا تھا، اس کے ساتھ ہمیشہ سفارتی دستے کے اعلیٰ رکن کا سا سلوک کیا جاتا تھا اور اسے ہمیشہ صدر کے دائیں جانب بٹھایا جاتا تھا۔ ہو نے اس سے بھی آگے قدم بڑھائے :۔ مشرقی ممالک کے سفارت خانوں کی جانب سے دیئے جانے والے لاتعداد استقبالیوں میں سے ایک استقبالیے کے موقعہ پر اس نے سینٹنی کو دیکھا اور باقی تمام لوگوں کو نظر انداز کر کے ہاتھ پھیلائے کمرہ پار کر کے اس کی طرف بڑھا۔ پھر روسی سفیر لاوریشیف کی طرف مڑ کر اس نے اسے فرانسیسی میں چند الفاظ کہنے کے لئے کہا۔ روسی سفیر نے پریشانی کے عالم میں معافی چاہی۔ وہ یہ درخواست ماننے سے معذور تھا۔ ہو نے ہنسنا شروع کر دیا اور چلایا :۔ 'وہ فرانسیسی نہیں بول سکتا۔ کتنی عجیب بات ہے!'

کبھی کبھی صدر آخری لمحے 'ڈیلی گیٹ جنرل' کو ٹیلیفون کرتا اور کہتا :۔ 'آج شام کھانے پر تشریف لائیے۔ ہم دونوں ہی ہوں گے۔ گفتگو کے دوران ہم چند باتیں طے کر سکتے ہیں ۔۔۔۔۔' لیکن یہی مشکل تھی۔ کبھی کوئی بات طے نہ ہوئی۔ سائیگان کے ساتھ تعلقات میں خلل کو روکنے اور جنرل ایلی کے کام کو سہل بنانے کی خاطر، جس کی جنوب میں ذمہ داریاں بہت بھاری تھیں، پیرس کی حکومت ہنوئی کے ساتھ پورے سفارتی تعلقات قائم کرنے کی جرأت نہیں رکھتی تھی۔ اس نے سینٹنی کی حمایت کے جواب میں ویتنامی مشن کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جہاں تک رفاہ عامہ کے اداروں کا تعلق ہے ان

کے مالکوں نے ایسے اقدام — بعض نے دہشت پر مبنی اقدام — کرنے کا فیصلہ کیا، جن سے وہ اپنی جائداد کو اس انجام سے بچا سکیں جو چار سال پہلے شنگھائی میں اسی نوعیت کے اداروں کا ماؤ اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں ہوا تھا۔

یہ تقریباً شاعرانہ ہم آہنگی، جسے سینتنی اور اس کی جماعت اور ہنوئی کی حکومت کے درمیان پورے ایک سال تک بہت محبت کے ساتھ پالا پوسا گیا، بدمزگی میں تبدیل ہونے سے نہیں بچ سکتی تھی۔ اس خیال کا حامی ہونے کے لئے کہ بوڑھے لیڈر کے دل میں مارچ ۱۹۴۶ء کے معاہدوں کے دستخط کنندہ کے لئے ذاتی پسندیدگی کا عنصر موجود رہا کسی کو زیادہ سادہ لوح ہونے کی ضرورت نہیں۔ لیکن حالات کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ اس مشن سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا تھا۔ اور سات سال کی ظالمانہ جنگ کے بعد ہو سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ویسے ہی خطرات مول لے گا جو اس نے ۱۹۴۶ء میں لئے، جس میں اس نے اپنی شہرت اور حکومت کو فرانس کے ساتھ تصفیہ کر لینے کی موہوم امید کے داؤ پر لگا دیا تھا — فرانس جو جغرافیائی لحاظ سے اتنی دور تھا اور اپنے آپ کو کسی بات پر پابند کرنے کے لئے رضامند نہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات جلد ہی واضح ہو گئی کہ جولائی ۱۹۵۶ء میں ملک کو متحد کرنے کے لئے ابتدائی کاروائی کے بطور عام انتخابات کرانے کے اس عہد نامے پر جسے جنیوا میں نو طاقتوں نے منظور کیا تھا، عمل درآمد نہیں ہو سکے گا۔ اور فرانس نے یہ تاثر دیا کہ اسے ان ذمہ داریوں کا بالکل احساس نہیں جو جنیوا معاہدوں کے واحد دستخط کنندہ کی حیثیت میں اس پر عاید ہوتی تھیں اور جن کے تحت اس کا فرض تھا کہ انتخابات کا تجربہ کرنے کے لئے سائیگان اور واشنگٹن کو آمادہ کرے۔

نومبر ۱۹۵۵ء میں ہو فرانسیسی سینیٹ کے ایک وفد کا، جو موسیو میشلے اور موسیو لیو ہاموں پر مشتمل تھا، استقبال کرنے پر رضامند ہو گیا۔ یہ یورپی مہمانوں کے ساتھ ہونے والی آخری ملاقاتوں میں سے ایسی ملاقات تھی، جس کے ساتھ بات چیت دوبارہ شروع ہونے کی کچھ نہ کچھ امید وابستہ کی جا سکتی تھی۔ سینیٹ کے اراکین نے، جو فرانس کے معاشی اور ثقافتی مفادات برقرار رکھنے کے امکان کا جائزہ لینے کے لئے آئے تھے، صدر کے ساتھ طویل

گفتگو کی ۔ وہ یہ تاثر دے کر گئے کہ ہو فرانس کے ساتھ دوستی میں گزارے ہوئے دنوں کے متعلق اب بھی اشتیاق کے جذبے سے سوچتا ہے ، کہ دونوں ممالک کے درمیان بڑھتی ہوئی ناچاقی کے متعلق اسے بہت افسوس ہے ، کہ اگر پیرس کی حکومت اس طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی تو وہ سمجھ بوجھ اور مصالحت کے جذبے سے اس کا خیر مقدم کرتا ۔ لیکن پیرس ایسی کونسی تجاویز پیش کر سکتا تھا ، جن سے واشنگٹن کی معاونت کا پہلو نہ نکلتا اور جو سائیگان سے دغا کے مترادف ظاہر نہ ہوتیں ؟ اس زمانے کی فرانسیسی حکومتوں کے لئے یہ بڑی رکاوٹیں تھیں ۔

سینتنی کا ہنوئی میں تیسرا مشن ایک ایسے واقعہ کے ساتھ ختم ہوا ، جس سے مستقبل میں بات چیت کے تمام امکانات ختم ہو سکتے تھے ۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں بوڈاپسٹ میں ماتیاس راکوسی کی سٹالن کی حامی حکومت کے خلاف بغاوت کے سلسلے میں ہنگری کے ماہرین کی ایک چھوٹی سی جماعت کے اراکین نے ، جو ویتنامی کامریڈوں کی مدد کے لئے ویتنام آئے ہوئے تھے ، بہت جوش اور ولولے کا اظہار کیا ۔ وہ تعداد میں صرف آٹھ تھے لیکن انہوں نے اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا ۔ نتیجتاً امرناگی کی شکست کے فوراً بعد ہنگری کی حکومت نے انھیں بوڈاپسٹ لوٹنے کے احکام جاری کر دیئے ۔ یہ محسوس کر کے کہ وہاں ان کا کیا حشر ہوگا ، انہوں نے فرانسیسی 'ڈیلی گیٹ جنرل' کے دفتر سے سیاسی پناہ کی درخواست کی ۔

سینتنی نے ، جو اس وقت سرکاری کام کے لئے پیرس گیا ہوا تھا ، ان کی درخواست منظور کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اور جس وقت شمالی ویت نام کے حکام نے بوڈاپسٹ کو اطلاع دی کہ ہنگری کے آٹھ ماہرین واپس بھیجے جا رہے ہیں تو فرانسیسی کمانڈوں کے ایک گروہ (بلاشبہ غیر مسلح) نے انھیں ایرپورٹ کے راستے میں روک لیا اور انھیں فرانسیسی ڈیلی گیٹ کے دفتر لے گئے ، جہاں سینتنی نے فرانس سے فوری واپسی کے بعد ان کی حفاظت کے انتظامات کئے ۔ ہو نے بہت غصے کا اظہار کیا اور تشدد پر اتر آنے کی دھمکی دی ۔ جس پر سینتنی نے پوری کہانی ہنوئی میں اژانس فرانس پریس کے نامہ نگار کو لکھائی اور ویتنامی حکومت کو تنبیہہ کی کہ اگر ہنگری کے ماہرین کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے طاقت کا استعمال کیا تو اس کی خبر منٹوں میں تمام دنیا کو کر دی جائے گی ۔

اس تنبیہ سے پیدا شدہ تھوڑے سے وقفے سے فائدہ اٹھا کر سینتنی نے اپنے آٹھ "مہمانوں" کو پٹرول کے خالی ڈرموں میں بند کر کے، جو لاؤس میں فرانس کے ملٹری مشن کو بھیجے جا رہے تھے، شہر سے باہر نکال دیا۔ ہو کو یہ چال، جو اس کے دوست نے چلی تھی، بالکل پسند نہیں آئی اور اس نے سینتنی کے ساتھ قطع تعلق کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب یہ فرانسیسی پیرس واپس گیا تو ان کے درمیان الوداعی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ ہو کے نزدیک سینتنی نے ویتنام کی فرمانروائی کی خلاف ورزی کی تھی اور ایک دوسرے ملک کے ساتھ تعلقات کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

تاہم دس سال کے بعد سینتنی کے ہنوئی میں چوتھے مشن کے دوران ـــــ جس کا تفصیلی ذکر بعد میں ہوگا ـــــ دوستی کی فضا پھر سے بحال ہوئی۔ ہو نے اتنے خلوص کا اظہار پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ ویتنام کے مستقبل اور اس سلسلے میں وہ کردار جو فرانس سے ادا کرایا جا سکتا تھا، ہنگری کے آٹھ ماہرین سے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔

۱۱- ہوچی منہ - "نام"

توہو فتح کے فوراً بعد چونسٹھ برس کی عمر میں اپنے عوام کے روبرو، ایک منقسم ــــ عارضی طور پر منقسم ــــ ویتنام کے لیڈر کی حیثیت میں کھنڈرات اور لاشوں کے درمیان پھر رہا تھا۔ وہ اس زمانے میں کس قسم کا آدمی تھا اور کتنے اقتدار کا حامل؟

ان لوگوں کا، جو جنگ سے پہلے بھی اس سے واقف تھے اور بعد میں بھی ملے، خیال ہے کہ تو یان کو ہانگ میں گذاری ہوئی طویل اور پُرخطر مدت اس کے لئے صحت بخش ثابت ہوئی تھی۔

"۱۹۴۶ء کی نسبت اس کی عمر دس سال کم معلوم ہوتی تھی۔ اسے ہنس مکھ، مسکراتا ہوا، خوش مزاج، صحت اور قوتِ حیات سے دہکتا ہوا دیکھ کر مجھے اپنی نظروں پر یقین نہ آتا تھا۔۔۔۔[1]"

---

[1] جیرارد تونگاس، "شمالی ویتنام میں کمیونسٹ جہنم" ایڈیشن ویبرس، صفحہ ۸۳ -

ژاں سینٹنی کا، جو اسے اس زمانے سے جانتا تھا جب سے اس نے عنانِ اقتدار سنبھالی تھی اور جو مغرب والوں میں اِسے سب سے بہتر جانتا تھا، خیال ہے کہ اس طویل وقفے کے بعد ہو' وہی پرانا ہو تھا، اس کی صحت اچھی تھی اور وہ ایک دن بھی بوڑھا نہیں ہُوا تھا.....'

جہاں تک اس کے اختیارات کا تعلق ہے اس بات کے متعلق شک ہی تھا کہ کہیں جنگ نے، یا کسی غلط فیصلے نے، یا پھر سب سے بڑھ کر اس نئی رعایت نے، جو اس نے ڈرامائی طور پر دی تھی یعنی — دو سال کے لئے استصوابِ رائے تک ملک کی تقسیم — اس کی نیک نامی پر دھبہ تو نہیں لگایا۔ چند مبصروں کا پہلے ہی خیال تھا کہ وہ آہستہ آہستہ ضمنی سیاست میں چلا جائے گا اور اس کے وہ اوصاف، جو اسے ایسپ اور گاندھی کے قریب لاتے ہیں، اس کے مزاج کے لینن صفت پہلوؤں کی جگہ لے لیں گے۔ ہنوئی میں اس کی واپسی کے چھ ماہ بعد صدرِ ریاست اور وزیرِ اعظم کے عہدے، جن پر وہ اب تک فائز تھا، علیحدہ کر دیئے گئے۔ اب وہ محض 'صدر' تھا۔ کیا یہ ایک بوڑھے ہیرو کے لئے جو چولھے کے پاس بیٹھا ماضی کی عظمت کے خواب دیکھتا ہے، محض ایک آرائشی اور عالی مرتبت خطاب تھا؟

اس بات پر یقین کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی حیرت انگیز قوتِ حیات' اس کے گرد جمع شدہ افسانے، عوام کی محبت اور حالات کے دھارے پر غور نہیں کر رہے ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں زرعی اصلاحات کی ایک سفاکانہ پالیسی کی بنا پر، جس پر جلد بازی سے عمل کیا گیا، ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام آشوب میں مبتلا ہو گئی۔ کابینہ نے فوراً بوڑھے 'ناخدا' سے التجا کی کہ پتوار سنبھالے۔ اس نے ترونگ چنھ کو نکال کر، جو بائیں بازو کی زیادتیوں کی بھینٹ چڑھا، پارٹی سیکرٹری کا عہدہ سنبھالا۔ درحقیقت اس کلیدی عہدے کے بہت سے کام تھوڑی ہی دیر بعد لوو داں نے سنبھالے، جو ۱۹۶۰ء میں سرکاری طور پر اس عہدے پر فائز ہُوا۔ لیکن یہ واقعہ اس کے باوجود اہم ہے۔ اس نازک وقت میں پارٹی نے 'چچا ہو' کی طرف رجوع کیا کیونکہ عوام اسے پکار رہے تھے۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ ویتنامیوں کی نظروں میں اس کا ستارہ مدھم پڑ گیا تھا تو اس کی بین الاقوامی شہرت اور بیرونی ممالک کے کمیونسٹ حلقوں اور ایشیا کے بہت سے 'غیر جانبدار' ملکوں میں اس کا تسلیم شدہ عالی مرتبہ اور احترام، اس کی شہرت اور اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے کافی ہوتا۔ نہرو اور دوسرے لوگوں کا وہ دوست تھا۔ جب وہ چینی انقلاب کے کسی جشن سالگرہ کے لئے پیکنگ جاتا تو وہ ماؤ کے دائیں ہاتھ پر بیٹھتا۔ اور جب اس نے ۱۹۵۹ء میں پراگ میں ایک کمیونسٹ کانگریس میں شرکت کی تو تعریف و تحسین کا وہ مظاہرہ ہوا کہ دوسرے ممالک کے جوشیلے کارکن بہت متاثر ہوئے۔

ہو کے ذاتی انداز اور عوام کے ساتھ خصوصی قسم کے تعلق سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ بچوں کے ساتھ، کارکنوں کے ساتھ، عملے کے ساتھ اور بوڑھوں کے ساتھ ہو کے طرزِ گفتگو کی چند مثالیں میں پہلے پیش کر چکا ہوں۔ یہ بات اس قابل ہے کہ ہم دوبارہ اس کی طرف لوٹیں کیونکہ اس شخص کو سمجھنے کے لئے اس امر کی ضرورت قطعی ہے۔

اس کے 'منتخب مضامین' میں جو عبارت خود مختاری کے اعلان کے فوراً بعد نظر آتی ہے اس میں' —— ۱۹۴۵ء کے موسم خزاں میں صدرِ ریاست کی حیثیت سے لکھی جانے والی سب سے پہلی عبارت —— وہ سپاہیوں سے، یا مزدوروں سے یا جنگجوؤں سے مخاطب ہونے کے بجائے بچوں سے مخاطب تھا۔ بعض لوگ ان الفاظ کو بے ہودہ اور خلافِ عقل خیال کریں گے لیکن ان لوگوں کو، جنھیں اس بات کا احساس ہے کہ ویتنامی معاشرے میں خاندان کتنی اہم اکائی ہے، ان الفاظ کا مذاق اڑانے کی جرأت بہت کم ہو گی:۔

"میرے پیارے بچو'!

آج وسطِ خزاں کا میلہ ہے۔ تمہارے ماں باپ نے تمھیں لالٹینیں، ڈھولک، پٹاخے اور بے شمار دوسرے کھلونے خرید کر دیئے ہیں۔ تم بہت خوش ہو۔"

".....تم خوشیاں منا رہے ہو اور تمہارا چچا ہو تمہاری خوشیوں میں شریک ہے۔ بوجھو تو کیوں؟ اول یہ کہ مجھے تم سے بہت پیار ہے۔ دوسرے، کیونکہ پچھلے سال اسی وسطِ خزاں

کے میلے پر ہمارا ملک ابھی تک جور و ستم کا شکار تھا اور میرے بچو! تم ابھی تک چھوٹے چھوٹے غلام تھے جبکہ اس سال ویتنام نے دوبارہ آزادی حاصل کر لی ہے اور تم ایک خود مختار قوم کے نوجوان آقا ہو۔"

"آج جتنی چاہو خوشیاں مناؤ۔ مجھے اُمیّد ہے کل تم تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو جاؤ گے کیا تم سب ویتنامی زبان کے حروفِ تہجی جانتے ہو۔ جو نہیں جانتے وہ سیکھیں ...."

آئندہ وسطِ خزاں کے میلے پر ہم بچوں اور بوڑھوں دونوں کے لئے خوشیاں منانے کا انتظام کریں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"اس سال میں تمہیں کوئی تحفے نہیں دے رہا۔ بس بہت بہت پیار۔"

اس قسم کی چیز جوزف سٹالن یا ونسٹن چرچل یا شارل دیگال کی تقریروں کے مجموعے میں نہیں مل سکتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہو رسمی موقعوں پر رسمی الفاظ کہنے کا اہل نہیں تھا۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۶ء کی اپیل اور فروری ۱۹۵۱ء کی سیاسی رپورٹ اس کی شاہد ہے۔

لیکن اس جنگجو ایسپ کا اصل رنگ تو ان حکمناموں میں ملتا ہے، جو اس نے سپاہیوں اور عملے کے آدمیوں کے نام اپریل ۱۹۴۸ء میں جاری کئے۔ (''کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے'') یہ ویتنام کے گھریلو علم الانسان کا خلاصہ ہیں۔

سپاہیوں کو "لوگوں کے باغوں اور فصلوں، گھروں اور ساز و سامان کو تباہ" نہ کرنے اور 'کوہستانی ہموطنوں کے گھروں میں زندہ جنگلی پرندے لے جانے' یا 'آبائی قربان گاہوں کے سامنے لیٹنے، چولہے کے فرش پر چلنے، گھر میں گانا گانے' کی سماجی برائیوں سے بچنے کی تنبیہ کرنے کے بعد ہو 'قومی دفاع کے راز افشا کئے بغیر خوش کن کہانیاں سنانے' اور 'حروفِ تہجی اور حفظانِ صحت کے تازہ ترین اصول سکھانے' پر زور دیتا ہے۔ آخر میں وہ شاعری پر بھی اتر آتا ہے:۔

"بھلا اس میں ابہام کیا ہے
کوئی شخص جس میں ذرا سی بھی حُبِّ وطن ہو
نہ بھولے گا ہرگز یہ بارہ نکات

جڑوں سے ہے قائم درختوں کی طاقت
محلِ فتح کے عام لوگوں کی قوت پہ ہی منحصر ہیں۔"

امن بحال ہو جانے پر ہو نے اپنا انداز نہیں بدلا۔ یہ انداز خوشگوار اور وشگاف ہی رہا۔ اور نہ ہی اس کا یہ خاص لہجہ چھوٹے بچوں یا زیادہ بوڑھوں کے لئے مخصوص تھا۔ یہ لہجہ وہ ان موقعوں پر بھی استعمال کرتا تھا جو عام طور پر سنجیدہ سمجھے جاتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کے شروع میں نیشنل اسمبلی میں نئے آئین کے الفاظ پر بحث ہوئی۔ جب مقرر اپنی تقریریں کر رہے تھے تو وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا:" اگر آپ میری رائے پوچھتے ہیں تو میں دفعہ الف کو ناقابلِ فہم سمجھتا ہوں، دفعہ ب کو ناقابل توجیہہ، دفعہ ج کو کچھ سادہ لوحی پر مبنی۔۔۔" اس کے اعتراضات میں اتنا طنز تھا اور یہ اتنی بے تکلفی سے کئے گئے تھے کہ اراکین ہنسنے لگے۔ ہو نے کہا:" تو آپ ہنس رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا مقصد حل ہو گیا ہے۔ اگر اس قسم کا ماحول پیدا ہو جائے تو آدھے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔۔۔۔"

چند سال پہلے ' دانشوروں کی سیاسی تعلیم کے ایک کورس' کے اختتام پر صدر نے اپنی تقریر ان الفاظ کے ساتھ شروع کی:" آج ہمارا سیاسی کورس ہنسی خوشی انجام کو پہنچے گا۔"[۲] ہو وہ واحد شخص ہے جو لفظ 'ہنسی خوشی' مارکسی تصحیح کے ایسے کورس کے لئے استعمال کرنے کے متعلق سوچ سکتا ہے، جس کا انتظام ایک مصور ملک کے عملے کے لئے کیا گیا ہو۔ کوئی اور شخص ایسی ہنسی خوشی کو لوگوں میں پھیلانے کی ایسی حقیقی کوشش نہیں کر سکتا۔

نتیجۃً ہوچی منہ اور ویتنامی عوام کے درمیان رشتے کی نوعیت غیر معمولی تھی۔ یہ ایک ایسا رشتہ تھا، جس کا خلاصہ دو الفاظ میں، جو ویتنامی پریس اور حکومت کی پراپیگنڈا مشین ہمیشہ ہو کے نام کے ساتھ منسلک کرتی تھی، بیان کیا جا سکتا ہے:۔ کو یعنی 'محترم' اور باک

---

۱ 'منتخب مضامین' جلد دوم، صفحہ ۱۲۹ - ۱۳۱

۲ " " " ، صفحہ ۴۰۲

یعنی 'چچا'۔

'کو ہو'، یہ الفاظ ہمیشہ لکھے اور بولے جاتے ہیں۔ اور جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے اور اجتماعی مشکلات کا سامنا ہوتا جاتا ہے، ان الفاظ کا وزن بڑھتا جاتا ہے۔ حالیہ دنوں میں اس آشنا چہرے نے ایک مقدس تصویر کی بے جان اور بے جسم صورت اختیار کر لی ہے۔ ۱۹۵۸ء تک اس کی تصویر ہمیشہ روسی اور چینی لیڈروں کے درمیان ہوتی تھی، جس میں وہ پچاس پچپن برس کا مستعد آدمی نظر آتا تھا۔ آج کل ہر جگہ موجود تصویروں میں وہ سفید ریش بوڑھا آدمی نظر آتا ہے، جس کا چہرہ جینوا کانفرنس کے بعد کے قلیل المدت امن نے نرم بنا دیا ہے اور جو دور فضاؤں میں تک رہا ہے، گویا ابھی سے اپنی جدوجہد کا تاریخی جائزہ لے رہا ہو۔ وہ محترم 'شخصیت'، جس نے نصف صدی تک ویتنامی انقلاب کی تشکیل کی اور اسے جہت عطا کی اور قوم کو متحد کرنے کے لئے جدوجہد کی۔ ویتنامیوں کے نزدیک وہ ایسا لینن ہے، جو اتنا عرصہ زندہ رہا کہ نازیوں کو شکست دے اور ایسا گاندھی، جس نے اپنے چرخے کو اس لئے ترک کر دیا کہ فیکٹریاں تعمیر کرے اور جنگِ مزاحمت کی رہنمائی کرے۔

'چچا' کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونگ اور گیاپ جیسے ساتھی جو عمر میں بیس بیس برس چھوٹے تھے، اسے کسی اور نام سے پکار ہی نہ سکتے تھے۔ 'اونگ' (مسٹر یا دادا آبا) میں بڑی دوری تھی، 'انھ' (برادر) ایسے لوگوں کے لئے تھا جو عمر اور مرتبے میں برابر ہوں اور 'دونگ چی' (کامریڈ) صرف پارٹی کے ارکان کے لئے مخصوص تھا۔

لیکن لفظ چچا کے استعمال کا تعلق ویتنامی معاشرے کی مخصوص فضا اور کنفیوشس کے فلسفے کے ساتھ بھی ہے۔ باک یا 'چچا'، والد کے بڑے بھائی کو کہتے ہیں اور وہ خاندان کا ایسا رکن ہوتا ہے، جس کی اہمیت مرتبے اور احترام کے لحاظ سے والد سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ویتنام کے روایتی معاشرے میں سن رسیدہ ہونے کا تصور بہت اہم ہے۔ بڑے بوڑھوں کے لئے طنز یا بے ادبی کا اشارہ تک کبھی نہیں کیا گیا۔ ایک ایسے معاشرتی نظام میں، جس کی بنیاد زمین، گاؤں اور گھر —— گھر کا مرکز آبائی قربان گاہ —— ہوتی ہے، بزرگ ہمیشہ کی طرح اب بھی کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ انقلاب کا اس قسم کے تصورات سے بالکل تصادم نہیں ہوا۔

حالانکہ لفظ 'باک' میں محبت کا مفہوم پایا جاتا ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ احترام کا۔ خاندان کی درجہ بندی اب اتنی سختی سے نہیں کی جاتی جتنی پہلے کی جاتی تھی لیکن یہ درجہ بندی اب بھی اپنی جگہ قائم ہے۔ تاہم چند ماہرینِ عمرانیات کا خیال ہے کہ لفظ 'باک' کے اصلی مفہوم کے ساتھ ہو چی منہ کے سلسلے میں اضافی معانی بھی ہیں۔ ان کے نزدیک اس کا بہتر ترجمہ 'باپ' ہو گا، ان معنوں میں جن میں کیتھولک یہ لفظ پادری کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ معانی لفظ 'باک' کے آہنگ کے قریب تر ہیں، جس کا استعمال خاندان کے حلقے تک محدود نہیں ہے۔ تاہم 'مقدس باپ ہو چی منہ' کہنا مناسب نہیں ہو گا۔

ویتنامیوں کے نزدیک ہو کی وہی قدر و منزلت ہے جو اُس خطۂ ارض کی، جس کے ساتھ انہیں اتنا لگاؤ ہے کہ بیرونی مداخلت کے خلاف مقابلے پر اتر آتے ہیں (وہ فرانسیسیوں اور امریکیوں کو جارج کی نسبت بن بلائے مہمان زیادہ تصور کرتے ہیں) یہ وہ خطۂ ارض ہے جس کے دامن میں پناہ لینے کے لئے چھدری داڑھی والا یہ بوڑھا آدمی تیس سال کی غیر حاضری کے بعد واپس آیا اور جسے اس نے آٹھ سال کی مدت میں دشمن کے ہاتھوں سے چھین لیا۔

لیکن ہو اور ویتنامی عوام کے درمیان رشتے کے سلسلے میں دو اور الفاظ ہمیشہ ذہن میں آتے ہیں :- 'انگھیہ' اور 'ہیو'۔

'انگھیہ' میں تقریباً وہی تصور شامل ہے جو 'فرض' میں۔ یہ اس شعور کا احساس ہے کہ ایک فرد یا گروہ کو کیا کرنا چاہئیے۔ ہو اور اس کے عوام کے درمیان 'انگھیہ' کا رشتہ دو طرفہ اخلاقی پابندی کی آگہی ہے، ایک طرف سے خلوص اور دوسری طرف سے وفاداری اور ضبط۔ لیکن اس کے ساتھ ایک اور رشتے کا اضافہ ہوتا ہے، جس کا خلاصہ لفظ 'ہیو' میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ترجمہ عام طور پر فرزندانہ سعادتمندی کیا جاتا ہے۔

چچا، بھتیجے، بھتیجیاں . . . . سوشلزم کے دوسرے معماروں میں اپنے ہموطنوں کے ساتھ اس قسم کا ناطہ جوڑنے کا رجحان نظر نہیں آتا۔ ہر والٹر البرشت میں یہ بات لاکھوں سالوں کے بعد بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن گوملکا اور ٹیٹو جیسے واقعی 'ہر دلعزیز لیڈر' بھی اس قسم کے رشتے اختیار نہیں کرتے۔ پیکنگ میں 'ماوزے تنگ کے خیالات' اتنے واضح اور تاباں ہیں کہ

ان کا مخزن اور وہ لوگ جنھیں یہ عزت بخشی گئی ہے کہ ان خیالات کو حیرت زدہ عوام تک پہنچائیں، عوام سے علیحدہ نظر آتے ہیں ۔ عوام اور لیڈر کے درمیان ایک ایسا رشتہ ڈھونڈنے کے لئے، جس کی بنیاد لیڈر کا خلوص اور سادگی ہو، گویا جیسے دور دراز ملک تک جانا ہوگا۔ لیکن کاسترو عظیم لیڈر ہے نہ کہ چچیرا بھائی فیدل'

درحقیقت دنیا میں آج کل کسی اور لیڈر کے پیروکار اسے موجد اور محافظ، سرچشمہ اور رہبر، نظریہ اور دستور، قوم اور انقلاب، یوگی اور کامیسار، خوش اخلاق چچا اور عظیم جنگی لیڈر نہیں سمجھتے ۔

تاہم اس نکتے پر زیادہ زور دینا اور میٹھے جذبات کا اظہار کرنا غلط ہوگا ۔ حالانکہ صدر خود مٹھائیاں بانٹنے کے شوقین ہیں ۔ ماؤ کی طرح اس کے "اقتدار" کا انحصار بھی رائفل کی نالی پر ہے" اور اس رائفل سے ایک سے زیادہ گولیاں نکلی ہیں ۔ یہ شفیق چچا جب چاہے سخت دل باپ کا روپ دھار سکتا ہے ۔ شمال میں ستمبر ۱۹۴۵ اور جولائی ۱۹۴۶ء کے درمیان کمیونسٹوں کے مخالف قوم پرست (وی ۔ این ۔ کیو ۔ ڈی ۔ ڈی، وائی ویت) اور کیتھولک اس کی سختی کا نشانہ بنے ۔ اور جنوب میں وہ ٹراٹسکی کے پیروکاروں اور ہواہاؤ کے تراپی کرنے والے ممبروں سے بے دردی سے پیش آیا۔

پھر ۱۹۵۵ء ۔ ۵۶ء میں زرعی اصلاحات کا اطلاق اتنی سختی سے کیا گیا کہ اس کے اپنے مفلس اور غیور صوبے انگھ تنھ میں، جہاں ۱۹۳۰ء میں "ایک سو ویتیں" نے جنم لیا تھا، ایکسا دوائے کے تعلقے کے لوگوں نے ایک دفعہ اور بغاوت کر دی ۔ اور اس دفعہ وہ لالچی افسر شاہی یا شمالی حملہ آوروں یا فرانسیسی نوآبادیاتیوں کے خلاف بغاوت نہیں کر رہے تھے بلکہ اپنے محافظ کی حکومت کے خلاف ۔ اس کے انسداد کے لئے جو اقدام کئے گئے وہ بہت سخت تھے اور ۱۹۶۰ء میں ہنوئی کے سرکاری افسر اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ جن لوگوں کو "جاگیردار" کہہ کر سزائیں دی گئی تھیں ان میں سے ایک تہائی پر بے جا الزام لگائے گئے تھے۔[1]

---

[1] ولیم کے، "شمالی ویتنام کی اقتصادیات" "چائنا کوارٹرلی" ونٹر ۱۹۶۲ء، صفحہ ۸۵

ایک سال بعد "دانشوروں کی بغاوت" کو اتنی بے رحمی سے دبایا گیا کہ تران دوک تھاؤ کے مرتبے کے لوگوں کو مصائب جھیلنے پڑے - اس شخص کی سارتر کی نظروں میں بڑی عزت تھی کہ اس نے ۱۹۵۱ء میں پیرس میں فلسفی کی اعلیٰ حیثیت کو رَد کر کے ویتنام واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ وہاں جنگ میں حصہ لے سکے - (بجون ۱۹۵۸ء کے "تعلیمِ نو کے کورس" کے آخری جلسے کی صدارت کرتے ہوئے ہو نے لفظ "ہنسی خوشی" کا عجیب و غریب استعمال کیا تھا جس کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں)

ہو آگ کو پھیلنے سے کس حد تک روکنا یا اس کی شدت کو کس حد تک کم کرنا چاہتا تھا؟ اس قسم کے راج میں اگر لیڈر ایک دفعہ عوام کے ساتھ ذاتی تعلقات قائم کر لے تو نظام پر نکتہ چینی کرتے وقت پبلک اسے خود بخود بری کر دیتی ہے - اس کے اردگرد مشیروں اور انتظامیہ کے ارکان کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے - اور ہو جیسے آدمی کے سلسلے میں یہ بات خاص طور پر صحیح ثابت ہوتی ہے، جس کے ماضی، ذاتی دلربائی، اخلاقی اثر، فراست — اور یہ بات بھی ماننی چاہیئے کہ تعلقات پیدا کرنے کے فن میں اس کی مہارت — نے اس کے گرد ایسی ضو پیدا کر دی تھی جو کسی اور میں نہ تھی۔

ہو کی مقبولیت کا ایک اور غیر معمولی پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی مقبولیت کو ہمیشہ پارٹی کی جانب منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے - نئی اقوام کے اکثر سربراہوں کے برعکس وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ لاؤ دونگ اور اس کا عملہ اس شہرت میں پوری طرح شریک ہو، جو اس کے ماضی، جدوجہد کے جذبے اور مسحور کن شخصیت نے اس کی ذات کو عطا کی ہے - یہ صحیح ہے کہ پارٹی کی پراپیگنڈا کرنے کی مشین اس کے لئے ہمیشہ سرگرمِ عمل رہتی ہے، کبھی مقالے لکھے جاتے ہیں تو کبھی نعرے، کبھی گیت اور کبھی جنم دن منائے جاتے ہیں۔ ...... لیکن یہ بات کہنے کا کوئی جواز نہیں کہ ہیٹریا پیدا کیا جاتا ہے یا اسے معبود ٹھہرایا جاتا ہے -

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس کا سب سے بڑا اثاثہ یہ تھا کہ دونوں جنگوں میں اس کے غیر ملکی مخالفین میں ذہانت کا فقدان تھا - اگر ۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۴ء کے درمیان فرانس کے

لیڈر کئے بعد دیگرے فاش غلطیاں نہ کرتے تو کیا اس کی شہرت اتنی زیادہ ہوتی؟ اگر امریکی بمبار طیارے ہر روز اس کے وجود کی لازمی حیثیت کو قائم نہ کرتے اور اس طرح اسے قومی ہیرو اور باپ کا بدل ثابت نہ کرتے تو کیا اس کا اقتدار اب بھی مضبوطی سے قائم رہتا؟

محض مسکرانے، لطیفے بازی کرنے اور بچوں کے سروں پر تھپکی دینے سے ایسے اقتدار کو، جو ہو کو نصیب ہُوا، برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ ہو اقتدار کے ایک ایسے پیچیدہ ڈھانچے کا محور ہے، جو علاقائی کان بو (عملے) اور گاؤں کی کونسل سے ریاست کے سربراہ، پارٹی سیکرٹری اور فوج کے کمانڈر اِن چیف تک پھیلا ہُوا ہے اور جس کے باعث شمالی ویتنام نظم و ضبط اور کمر بستگی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے۔

لیکن اس پورے ڈھانچے میں ہو ایسا کردار ادا کرتا ہے، جو محسوس نہیں ہوتا یا جسے بہر حال مشکل سے ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ امریکیوں کے ہوائی حملوں کے آغاز سے پیشتر ہی، جب حفاظتی تدابیر ناگزیر ہو گئیں تو ہو ہنوئی میں اور اس کے ارد گرد خانہ بدوشوں کی عجیب و غریب زندگی بسر کر رہا تھا، جیسے ان غاروں اور جھونپڑیوں کو چھوڑنے کا اسے افسوس ہو رہا ہو جہاں اس نے باغی اور مزاحمت کے لیڈر کی حیثیت میں پناہ لی تھی۔ وہ اب بھی کبھی کبھی گورنر جنرل کے محل میں دعوتوں کا انتظام کرتا ہے۔ ۱۹۶۱ء کے اواخر میں میری اس سے اسی جگہ ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن وہ احاطے کے پرے کنارے پر واقع مالی کی جھونپڑی میں رہنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ یہاں وہ اپنے پھولوں اور ٹماٹروں کی دیکھ بھال کرتا ہے، فوٹو اتروانا ہے (خاص طور پر ۱۹ مئی کو اپنی سالگرہ کے موقع پر) اور 'دوست' اخبار نویسوں — یعنی سوشلسٹ ممالک کے اخبار نویسوں — سے ملاقات کرتا ہے۔

لیکن یہ تو محض ایک جگہ ہے جہاں انکل ہو آرام کرتا ہے۔ ایک سوتی چوغہ، ایک اسکارف، چپلوں کا ایک جوڑا، ایک چھڑی، ایک سفری ٹائپ رائٹر بس یہ سامان اس انقلاب برپا کرنے والے بوڑھے کے لئے کافی ہے، جس نے اتنے سال دنیا بھر میں گھومنے کے بعد اپنے ہم وطنوں کو جگایا اور ریاست قائم کی۔

بعض رپورٹوں میں بتایا جاتا ہے کہ ۱۹۶۴ء میں ہو کی شہرت اور اقتدار میں کمی آ گئی تھی۔ لیکن دو ہی سال کے اندر بیرونی حملے کے خطرے کے باعث اس کی پدرانہ قیادت ہمیشہ کی طرح پھر ناگزیر ثابت ہوئی۔

ہنوئی میں اے۔ایف۔پی کے نامہ نگار جے۔ رافائیلی نے ۱۹۶۶ء میں اس سلسلے میں اپنے تاثرات بہت واضح الفاظ میں بیان کئے۔ ری پبلک آف ویتنام ہر سال ۲ر ستمبر کو اپنی آزادی کی سالگرہ مناتی ہے۔ ۱۹۶۶ء میں حفاظتی تدبیر کے طور پر یہ دن منانے کے لئے جلسہ کی اطلاع بالکل آخر میں دی گئی۔ دوسرے ملکوں کے سفیر اور اخباری نمائندوں کو شرکت کی دعوت دی گئی، لیکن صرف دو دن پہلے۔

"[رافائیلی بتاتا ہے کہ] جب ہوچی منھ، جس کا جسم پتلا دبلا، جلد صاف شفّاف اور چہرہ ہشاش بشاش تھا اور جس نے کھلتے ہوئے پیلے رنگ کا چوغہ اور موٹر ٹائر میں سے تراشے ہوئے ربڑ کے بنے ہوئے، [پٹیوں سے باندھنے والے] سینڈل پہنے ہوئے تھے، ہال میں نمودار ہوا تو ہر شخص خوشی سے ناچتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس موقع پر صدر ہوچی منھ سال میں پہلی بار عوام کے سامنے آئے تھے۔ اس کے پیچھے حکومت کے 'پانچ بڑے' عہدیدار تھے:- موسیو فام وان دونگ (حکومت)، موسیو دو انگوین گیاپ (فوج)، موسیو لوواں (پارٹی)، ترونگ چھنھ (پارلیمنٹ) اور انگوین دوئی ترنھ (سفارتی محکمہ)۔"

"چھوٹے سے چبوترے پر، جہاں پانچ قطاروں میں کرسیاں پڑی تھیں، کوئی تیس آدمی — ان میں سے بہت سے لوگ جنوب میں لڑائی میں مصروف اور شمال میں لڑائی پر جانے کے لئے تیار ڈویژنوں کی نمائندگی کر رہے تھے — پنکھوں اور پھولوں کے درمیان ان لیڈروں کے پیچھے بیٹھ گئے، کل ملا کر کوئی چالیس آدمی تھے ......"

"..... جب سرخ رنگ کے اسکارف والے اولیں مہم جو دستے نے لیڈروں کو پھول پیش کئے تو تقریب کا روسی انداز میں آغاز ہوا اور جب یہ تقریب خاندان کے افراد کے اجتماع کی شکل میں اختتام پذیر ہوئی تو ویتنامی انداز غالب تھا۔ مجمع میں موجود لوگوں نے بازوؤں کو تین دفعہ ہوا میں لہرا کر آسیب اتارتے ہوئے استعماری شیطان

کو دفع کیا اور آخر میں جنگ کا ترانہ "فتح ہماری ہوگی" گایا گیا۔"
"موسیو گیاپ کا چہرہ دمک اٹھا۔ اس کی گہرے رنگ کی یونیفارم کا گلا، جس پر جنرل کے عہدے کا نشان تھا، کھلا ہوا تھا۔ اس نے موسیقی کی تال پہ تالیاں بجائیں۔ موسیو دونگ ارکسیٹرا کی نشست گاہ کی طرف گیا اور اپنا گلدستہ کنڈکٹر کو دیا اور کہا:۔ "تمام دنیا جانتی ہے کہ فتح ہماری ہوگی تو اسے مکرر گانے میں کیا مضائقہ ہے"۔
"آہستہ آہستہ اجلاس کی ماہیت بدل گئی۔ اس نے سیاسی اجتماع کی بجائے "دادا ابا کے دن" کی شکل اختیار کر لی۔ موسیو ہوچی منھ نے اپنی سفید داڑھی کے بال ہموار کئے اور حاضرین سے خطاب کیا اور اس کے دوران میں ان سے رابطہ قائم کرنے کے مواقع ڈھونڈے اور پائے۔ مجمع پر پرستش کا موڈ طاری تھا اور اس فضا میں اس نے کہا:۔ "سامنے کی قطاروں نے گانا اونچی آواز میں نہیں گایا......"
"حفاظت کے ذمے دار افسروں نے گھڑی دیکھی۔ تالیوں کی گونج اور تحسین کے نعروں کے درمیان لیڈر روانہ ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اس محفل کو چھوڑنے پر انھیں افسوس ہو رہا تھا۔ باہر اندھیرا چھا چکا تھا۔ یہ پرچھائیوں جیسے جسم واپس شہر کو سدھارے۔ گوریلا جنگ کا موڈ پہلے ہی طاری ہو گیا تھا...."[1]

ہو یہاں پر اپنے عوام کے درمیان نظر آتا ہے، ان لوگوں کے درمیان جنھیں وہ پچھلے چالیس سال سے، کینٹن کے دنوں کے تھانھ نیاں سے لے کر پاک بو اور تویان کوانگ تک، ایک خاص شکل میں ڈھال رہا تھا۔ ممکن ہے بوڑھا لیڈر مارکسیت کو نئے انداز میں ڈھالنے کی بجائے عوام کے دلوں میں اتر جانے میں زیادہ مہارت رکھتا ہو، نظریات ایجاد کرنے کی بجائے انھیں عوام میں مروّج کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہو، لیکن اس میں ایک غیر معمولی ملکہ ضرور موجود تھا اور وہ یہ کہ وہ با اختیار لوگوں کے ایک ایسے گروہ کے مرکز میں بیٹھ کر، جسے ہر قسم کے

---

1 "لوموند" ۳ ستمبر ۱۹۶۶ء

مسائل درپیش تھے، ان میں ہم آہنگی اور ایسا استحکام قائم رکھ سکتا تھا، جس کی موجودہ انقلابوں کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

حکام کی وہ جماعت، جو ۱۹۴۶ء کے اوائل میں کام کر رہی تھی —— وہی لوگ جو فرانس کے ساتھ جنگ شروع ہونے کے وقت، جو سات سال تک جاری رہی، ژاں سینٹینی اور ریموں پیینوں سے مذاکرات میں مصروف تھے —— اب تک اسی شکل میں موجود ہے۔ ۱۹۶۱ء کے اواخر میں جب میں ہنوئی واپس لوٹا تو تقریروں کی وہ فہرست جو میں نے محکمہ اطلاعات کو پیش کی دراصل وہی تھی جو میں نے پندرہ سال پہلے تیار کی تھی —— سوائے تران ہوئی لیو کے، جو ۱۹۴۶ء میں پروپیگنڈے کا وزیر تھا اور اب تاریخ کے میدان میں ریسرچ کا نگران تھا، اور لودواں کے، جو پہلے جنوب میں سیاسی کامیسار تھا اور اب پارٹی کا جنرل سیکرٹری۔

اس کہانی میں ان سب اشخاص کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے دو، جو ہو کے چہیتے نائب ہیں' —— فام وان دونگ' جو وزیر اعظم کی حیثیت میں ریاست کی پیچیدہ مشینری کو اسی طرح سنبھالے ہوئے ہے، جیسے کسی زمانے میں فونتین بلو اور جینوا کے پُرخطر مذاکرات کو سنبھالے ہوئے تھا، اور دوانگوین گیاپ، جو عوامی فوج کا خالق اور فنِ حرب کا ماہر ہے —— کئی لحاظ سے ہنوئی کی حکومت کے چوٹی کے لیڈر ہیں۔

میں نے لودواں کے کاموں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ وہ تقریباً بیس سال تک پارٹی کا سیکرٹری رہا۔ اس کا انتظام اور انصرام میں بہت دخل تھا۔ ایک زمانے میں وہ گوریلا سپاہی تھا۔ وہ چوٹی کی واحد شخصیت ہے، جسے ہو نے خود کسی آسامی کے لئے پوری طرح تیار نہیں کیا۔ ترونگ چنھ کے کارہائے نمایاں بھی میری نظر کے سامنے ہیں۔ وہ نظریے کا ماہر، صحافی اور نظم و انصرام میں لودواں کا پیشرو تھا (وہ آئی۔سی۔پی اور بعد میں لاؤ دونگ کا جنرل سیکرٹری تھا) اور اب نیشنل اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹی کا چیئرمین ہے۔ اس عہدے کے باعث ملک کی شخصیتوں کی درجہ وار ترتیب میں وہ تیسرے نمبر پر ہے۔ (معمر نائب صدر تون دوک تھانگ سے نیچے اور وزیراعظم کے اُوپر)۔

اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے والے مقابلتاً نئے لوگوں میں انگوین دوئی ترنھ، جو پہلے

منصوبہ بندی کے سربراہ تھے اور ۱۹۶۵ سے وزیرِ خارجہ ہیں اور نائب وزیرِ اعظم فام ہنگ، جو جنوب میں گوریلا جنگ کے نگران تھے اور فام وان دونگ کے دستِ راست ہیں، شامل ہیں۔

لیکن پولٹ بیورو کے دوسرے ارکان ــــ نظریات کے بارسوخ ماہر لو دوک تھو، فوج کے سیاسی کامیسار جنرل انگوین چی تھانھ، منصوبہ بندی کے سربراہ لو تھانھ انگھی، جس نے ۱۹۶۶ء میں ماسکو کے ساتھ معاہدوں کے سلسلے میں گفت و شنید کی، اور ہانگ وان ہوان، جو جینوا میں مندوبین کی جماعت کا رکن تھا اور بعد میں کئی دارالخلافوں میں سفیر مقرر ہوا ــــ اہگ وان کھیم، جو جنوب میں فوجی ملازمت کے بعد وزیرِ خارجہ اور پھر وزیرِ داخلہ مقرر ہوئے، اور نام بو میں ان کے سابقہ ساتھیوں وزیرِ صحت ڈاکٹر فام انگوک تھاش اور سپریم کورٹ کے صدر میتر فام وان باش کی طرح سب کے سب "تجربہ کار بالشویک" ہیں۔

حکومت میں شریک دوسری پارٹیوں کے ارکان کو بھی ایسا ہی استحکام نصیب تھا۔ سوشلسٹ رکن ہوانگ منھ گیام، جو ایک زمانے میں وزیرِ خارجہ تھا، اب کلچر کا نگران ہے اور "ڈیموکریٹ" رکن فان انھ، جو ویت منھ مندوبین کی جماعت کا ایک اور رکن تھا، بیرونی ممالک سے تجارت کا نگران ہے۔ ندی کے درمیان میں گھوڑے نہ تبدیل کرنے کے متعلق ایک پرانی کہاوت ہے اور اگر ہو نے اس کا حوالہ نہیں دیا تو اس کی جانب سے میں دیتا ہوں کیونکہ یہ اس کے اندازے کے عین مطابق ہے اور صورتِ حال پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام کو پچھلے بیس سال میں کافی تعداد میں ندیاں پار کرنی پڑی ہیں ــــ اور ان میں سے کئی سیدھے ڈھلوان والی۔

ایسی متحکم اور متحد ٹیم میں (گو جیسا کہ چین اور روس کے جھگڑے اور ہنوئی پر اس کے بالواسطہ اثرات سے واضح ہوگا یہ پوری طرح متحد نہیں تھے) ہو کے امکانی جانشین کون ہیں، جن کے پاس فیصلہ کرنے کا اس جیسا اقتدار ہو، اس کے روحانی فیض کی خوبیاں ہوں، اور ان عوام کے درمیان بیچ بچاؤ کرانے کی اس جیسی کراماتی صلاحیتیں ہوں، جن کی قسمت میں کبھی ختم نہ ہونے والی جنگ، نہایت سادہ زندگی اور ایک سخت گیر اور بسا اوقات

ظالم حکومت لکھی ہے ؟

عام حالات میں طاقت کی مشینری کو لووواں کی حمایت میں کام کرنا چاہیئے، جو پارٹی کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت میں بہت بلند مقام کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن فوج میں بھی بہت طاقتور امیدوار ہیں، مثلاً گیاپ اور انگوین چی تھانھ۔ اور پھر فام وان دونگ کو نظر انداز کرنے کے متعلق کون سوچ سکتا ہے، جس نے گذشتہ چالیس سال میں ہو کی شاگردی کے فرائض اتنی قابلیت سے انجام دیئے ہیں کہ ریاست اور اس کے درمیان امتیاز کرنا مشکل نظر آتا ہے۔

اس کے باوجود کیا ہو کا کوئی حقیقی جانشین بن سکتا ہے؟ اس کا مقام ملک کے سیاسی حالات سے بہت بلند ہے اور وہ اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہے۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ وہ ۱۹۴۶ء کے اواخر میں کس طرح جنرل سالاں کی معیت میں فرانس روانہ ہوا۔ جہاز ایک رات کے لئے رنگون میں ٹھہرا۔ ایک مرحلے پر ہو جنرل کے کمرے میں آیا اور بالکل غیر رسمی انداز میں مچھر دانی کے نیچے براجمان ہو گیا۔ سالاں نے اس سے پوچھا کہ کیا تمھیں ملک سے کچھ عرصہ باہر رہنے اور اس کی باگ ڈور گیاپ اور تروَنگ چِنھ جیسے تیز مزاج اشخاص کے ہاتھ میں دے دینے سے پریشانی کا سامنا نہیں ہوا۔ ہو نے کہا :- ”وہ میرے بغیر آخر کر کیا سکتے ہیں؟ میں نے خود انھیں بنایا ہے......“

تو یہ ہے وہ درخشاں اور پہلودار شخصیت، جس نے اپنے رنگارنگ اور رومانی قسم کے کمیونزم اور ایک ایسے فارمولے کا مرکب تیار کیا، جو شاید کارل رادک اور وکٹر سرج کے ساتھ ہی معدوم ہو گیا۔ ہو جیسی شخصیت اَن گنت تجربات اور بے اندازہ مصائب کے نتیجے میں ہی تشکیل ہوتی ہے :- پست ماحول میں گذارا ہوا افسوس ناک بچپن، ایک کم ترقی یافتہ ملک کے دیہاتی معاشرے کے رکن کی حیثیت میں گذارا ہوا شاگردی کا سخت زمانہ، پہلی جنگِ عظیم کے بعد کے سالوں میں پیرس جیسے حیرت ناک، المناک اور خیر مقدم کرنے والے شہر کی دریافت، ایسے لوگوں کی رفاقت جو ایک ہی وقت میں ”اڑتالیس“ میں سے آخری اور

لینن کے پیروکاروں میں سے اولیں تھے، جلاوطنی کی طویل مدت، اکتوبر کے انقلاب کے بانیوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کا موقعہ، قید و بند، بھوک، پہاڑوں میں گوریلا جنگ، اقتدار کا حصول، دہشت ناک اقدام جو دوسروں کے خلاف ہوئے یا خود برداشت کئے گئے، فتمندی کے لمحات.....

اس آدمی نے، جسے عمل، چالاکی اور اقتدار نے تراشا تھا، ایک ایسی پوزیشن حاصل کر لی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ شمالی ویتنام کے عوام پہ کتنی ہی سنگ دل حکومت کیوں نہ مسلط ہو، اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہو نے اپنے ہموطنوں کے ساتھ کامل اتحاد کا جذبہ پیدا کیا اور ان کے ساتھ ایک غیر معمولی رشتہ قائم کیا ہے۔ وہ عام شہریوں سے مخاطب ہوتے وقت ہمیشہ پدرانہ اور نرم لہجہ اختیار کرتا ہے اور بچوں میں ہمیشہ ملائے اور چھوٹی موٹی چیزیں تقسیم کرتا ہے۔ اس میں سوانگ کا عنصر بھی شامل ہے—اس حقیقت سے انکار کیوں ؛ جو کردار وہ پیش کرتا ہے اس میں اتنی وضعداری ہے کہ پوری بے ساختگی ممکن نہیں اور اس کا بڑے سائز کا سرخ رومال اکثر اوقات خشک آنکھوں کو صاف کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

ہو کی فطرت کا ایک اور پریشان کن پہلو بھی ہے :۔ سوانگ، سحر اور وضعداری کے ایک جگہ اکٹھے ہو جانے سے ایک ایسی شخصیت تشکیل ہوتی ہے جو ویتنامی کم اور چینی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ انام اور ٹانکن کے لوگ اصولی طور پر اپنے جذبات کے اظہار کے سلسلے میں زیادہ بے لاگ اور کم اشتعال پذیر ہوتے ہیں — حالانکہ وہ جذبات کے حامل ضرور ہوتے ہیں، جیسا کہ ہر وہ شخص جان لے گا جو روایتی سنجیدگی کے پردے کو ہٹا کر دیکھ سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہر وہ شخص جانتا ہے جس کی وو انگوین گیاپ یا فام وان ڈونگ سے کبھی ملاقات ہوئی ہے —اور یہاں میں نے جان بوجھ کر ہو کے چیلوں ہی کے نام چنے ہیں، وہ لوگ جو خود صدر کی مانند مارکسزم اور لیننزم کے ڈسپلن میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ (یہ مسلّم کہ وہ عمر میں اس سے چھوٹے ہیں۔)

آخر اس قسم کے آدمی کے رویے میں سوانگ بھرنے کا عمل کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے ؟ وہ اپنے آپ کو متواتر سٹیج کی ضروریات کے مطابق

ڈھالتا رہتا ہے اور صورتِ حال کو متواتر پروڈیوسر کی نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں وہ 'لوگوں سے تعلقات بنانے' کی خاطر فرانس گیا تو اسے ہوٹل وہ ویل میں مدعو کیا گیا۔ شروع میں اس نے کھانے اور پینے کی ہر پیش کش کو منع کر دیا لیکن بالآخر اس نے اپنا ارادہ بدل لیا، ایک خوبصورت سا سیب چنا، اپنی جیب میں ڈالا اور صدر ورنول کی متحیر نگاہوں کے سامنے ہوٹل سے باہر چلا گیا۔ وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اترا اور تحسین و آفرین کے نعرے لگاتے ہوئے ہجوم کے سامنے یہ سیب ایک چھوٹی سی لڑکی کو پیش کر دیا۔ تاہم وہ کتنا ہی اچھا 'فنکار' کیوں نہ ہو کیا ایک پروڈیوسر اکثر اپنا داخلی مزاج ظاہر نہیں کر دیتا؟ تمام تر چالاکی کے باوجود اپنے ہموطنوں کو خطاب کرتے وقت ہو کے انداز میں ایک خلوص' دوستی کا جذبہ اور عیاری پائی جاتی ہے۔ یہ تمام باتیں اس آدمی کو بتانا، جس نے ہو کی تقریر کبھی نہیں سنی، بہت مشکل ہے۔ میں پہلے ہی اس کے عوامی رابطے کی کئی مثالیں پیش کر چکا ہوں۔ یہ ایک اور مثال ہے، جو اس کے مخصوص انداز کی آئینہ دار ہے :-

"مرے بھتیجو تم اب بلوغت کی عمر میں ہو
چچا تمھارا بہت ہی خوش ہے
میں اس خزاں میں یہ خط تمھیں بھیجتا ہوں
اور ساتھ پیار تم کو، مرے عزیزو
جہاں کہیں ہو ......
...... قریب کی بستیوں سے لے کر وہ گاؤں جو دور ہیں وہاں تک
ہمارے بھائی کہ جن کے پیٹوں میں روٹیاں ہیں
تنوں پہ ہیں گرم گرم کپڑے
رہِ ترقی پہ گامزن ہیں ......
...... وہ دُور بادل میں تیرتا ہے
ہماری جیتوں کا سُرخ جھنڈا
مرے بھتیجو، یہ شادمانی تمھیں مبارک

چچا کو یہ فخر ہے کہ اگلی خزاں جو آئے گی، اس سے زیادہ بہار دے گی.....“

مغربی عوام کو یہ خطاب بہت رقت انگیز معلوم ہو گا — گلابی ربن میں لپٹی ہوئی سرخ سیاست۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ہو کے سامعین کو یہ باتیں نہ تو مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں اور نہ پرانے فیشن کی۔ اس کے ایک سابقہ وزیر نے حال ہی میں مجھے بتایا:۔

”اس حقیقت کا انحصار کہ وہ ابھی تک اقتدار کی کرسی پر متمکن ہے خاص طور پر اس بات پر ہے کہ کوئی اور ویتنامی باشندہ سیاسی اقتدار اور عوام کا دل لبھانے کی خصوصیت کو اس طرح یکجا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ کوئی اور آدمی یہ نہیں کر سکتا کہ ایک طرف تو وہ بے لوچ جنگجو ہو اور دوسری طرف حساس، پڑھا لکھا اور جذبات سے پُر ویتنامی عالم ہو.......“

ہو اور ویتنامی عوام ایک ایسے خصوصی اور شاید ناقابلِ بدل، رشتے میں منسلک ہیں جو ان تمام رشتوں سے بالکل مختلف ہے جو دوسرے لیڈروں اور دوسرے عوام میں پائے جاتے ہیں۔ خاندان کے رشتے کی اہمیت کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں لیکن ہو کے سحر کا جائزہ لیتے وقت ایک اور اہم پہلو پر غور کرنا ضروری ہے — اس شخص کی قائل کرنے کی طاقت۔

ایسا اقتدار، جو اسے حاصل ہے، کئی لحاظ سے آمرانہ ہوتا ہے اور استثنائی اقدام کو جنم دیتا ہے، چاہے یہ اقتدار مبنی بر انصاف مقاصد کے حصول کی اولوالعزمانہ جدوجہد ہی کے لئے کیوں نہ استعمال کیا جائے۔ لیکن ہو کی ایک خوبی کے متعلق کسی کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کی عوام کو قائل کرنے کی پرشوق خواہش اور اپنے اقدام کو جبر کی بجائے دلائل کے ذریعے منوانے کا جمہوری جذبہ۔

میں نے اسے ۷ مارچ ۱۹۴۶ء کو ہنوئی میں ایک بے قابو، شکی اور اشتعال پذیر اجتماع سے ان معاہدوں کی تصدیق کراتے ہوئے دیکھا، جو اس نے ابھی ابھی فرانس کے ساتھ کئے تھے۔ وہ اس عارضی طور پر نامقبول پالیسی پر ان سے مشورہ کئے بغیر عملدرآمد کر سکتا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ وہ بھی اس کے یقینِ کلی میں شریک ہوں — جیسا کہ چند ماہ

بعد اس نے فرانس میں رہائش پذیر ویتنامیوں کو، جو اس پالیسی کو اعترافِ شکست کے مترادف خیال کرتے تھے، اس کی موزونیت ثابت کرنے کے لئے دلائل دیئے۔

شاید عوام کو قائل کرنے اور ہر اقدام میں انھیں شریک کرنے کا یہی جذبہ ہے جس کے باعث وہ افکار کی قبولیتِ عامہ اور سہل پسندی پر اتنا زور دیتا ہے۔

اگر جنگ اور امریکی رائے عامہ کی اُبھرتی ہوئی شکل نے واشنگٹن کو یہ نقطۂ نظر ماننے پر مجبور کر دیا کہ ویت نامی عوام کی آرزوئیں قابلِ توجہ ہیں اور انھیں دبایا نہیں جا سکتا (حالانکہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں اور متوسلوں کی فوجی قوت یا سیاسی دباؤ اور معاملہ کرنے کی طاقت کا خاتمہ ہو جائے گا) تو یہ ہو کے لئے، جو پہلے سے زیادہ کمزور اور ہمیشہ سے زیادہ خلیق ہے، اشارہ ہوگا کہ وہ اپنے لوگوں کو اکٹھا کرے اور باعزت امن منظور کرنے کی حمایت میں تبلیغ کرے۔ اور جب ہو اپنی تصویر کے ساتھ کھڑا ہوگا تو پارٹی کے ارکان اور مجمع میں موجود عورتیں اور مرد وہی نعرہ لگائیں گے، جو بیس سال سے ویتنام کی سیاسی زندگی میں دوسرے تمام نعروں سے زیادہ جانا پہچانا ہے:۔ 'ہو چو تچ مون نام':۔ صدر ہو کے لئے ایک ہزار سال کی زندگی۔

ہو چی منہ ..... کیا انگوین تات تھانھ کے اس آخری جنگی نام کا جادو ملک کے جنوبی حصے میں بھی اسی طرح سر چڑھ کر بولتا ہے، جہاں ویت نامی عوام غیر ملکی مداخلت کا مقابلہ کر رہے ہیں؟ کیا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شمالی حصے کے اس باشندے (جو اس صوبے کا رہنے والا ہے جو سترھویں خط متوازی کے شمال میں واقع ہے اور جہاں کے لوگوں کی سنگدلی اور متانت کا جنوب کے لوگوں کی زندگی کی خصوصیت سے کوئی واسطہ نہیں) کا نام اور اس کی موجودگی ہوائے، سائیگان اور کانتھو میں بھی اتنا ہی اثر رکھتی ہے؟

شاید اتنا اثر نہیں رکھتی کیونکہ لہجہ، انداز، روایت اور ماضی قریب کی تاریخ بھی مختلف

---

1 برنارڈ فال نے اقتباس پیش کیا، 'ویت منہ' اے۔ کالن، صفحہ ۳۷۔

ہے - جنوب کے لوگوں کا شمال کے لوگوں کے متعلق ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ وہ بیلانی ہیں اور کام، زمین اور ملازمت کی تلاش میں رہتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ انگو کامیاب نہ ہو سکا - جنوب کے وہ لوگ، جو دیم کی حکومت کا خاتمہ کرنے کی فکر میں تھے، اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ شمال کے لوگ بہت زیادہ احتیاط سے کام لے رہے ہیں اور جنوب میں داخل ہونے میں سستی کر رہے ہیں - اس سے پیشتر بھی بہت سے لوگ محسوس کرتے تھے کہ ۱۹۵۴ء میں ملک کی عارضی تقسیم منظور کرکے اور ۱۹۵۶ء میں ملک کو دوبارہ متحد کرنے کا موعودہ وقت بغیر کسی اقدام کے اور بے نتیجہ گذار کر ہو نے جنوب کا وقت پر ساتھ نہیں دیا - ان کا خیال تھا کہ ہو دیم کے ساتھ بہت نرمی سے پیش آ رہا ہے -

لیکن اس قسم کے معاشرتی اور سیاسی اختلافات دو بنیادی حقائق پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو سکتے :- "ویتنامی عوام میں اتحاد کی عام شدید خواہش اور یہ حقیقت کہ چینی سرحد سے لے کر کیپ کاموتک ہو چی منھ کے علاوہ کوئی شخص اپنے پُرانے ریکارڈ اور موجودہ مرتبے کی بنا پر قومی سطح کی شخصیت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"

دراصل جنوب میں ادب میں ایک پورا دبستاں اُبھر آیا ہے، جس کا موضوع :- 'چچا کی واپسی' ہے، 'جو اگلے وقتوں میں سائیگان سے روانہ ہونے کے بعد اب تک واپس نہیں لوٹا'۔ 'ہو چی منھ کی داستان' کے مضامین میں سائیگان کے ایک شاعر تھانھ ہائی کی ایک نظم ہے :-

"میں ہر شام کو خواب بُنتا ہوں پیارے چچا\
اس حسیں دن کے جب متحد ہوں گے ہم\
اور تو ہم میں ہو گا۔\
ترے راستوں میں بنائیں گے ہم فتح کے در\
اور تو،\
ستارہ سی آنکھیں، لبوں پر تبسم لیے\
شہر کے ہال کے اونچے اسٹیج سے

مشورے اور نصیحت کرے گا عطا۔"

اگر اس کا مقابلہ مایاکافسکی سے نہیں کیا جا سکتا تو یہ فادیوف کی نظموں سے ضرور بہتر ہے۔ اور لفظ 'مشورہ' پُرلطف ہے کہ یہ 'چچا' کے تصور کے عین مطابق ہے۔

۱۹۶۵ء میں نوجوان انگوین وان تروئی کو سائیگان میں امریکی سیکرٹری دفاع میکنامارا کو قتل کرنے کی سازش کے الزام میں گولی مار دی گئی۔ ایک گمنام شاعر کے مطابق گولی لگنے سے فوراً پہلے وہ چلّایا :۔ "محترم صدر ہو زندہ باد"۔

اس موقعہ پر ایک مختصر سی شہادت پیش کرتا ہوں، جسے امید ہے کوئی نہیں جھٹلائیگا۔ میں نے ایک سینیئر امریکی افسر سے جس نے انتظامی معاملات کے مشیر کی حیثیت میں میکانگ ڈیلٹا میں دو سال گذارے تھے اور سیاسی حالات کی مکمل چھان بین کی تھی، پوچھا کہ آپ کے خیال میں جنگ کیسے ختم ہو گی؟

اس نے کہا :۔ 'یہ بالکل سیدھی بات ہے۔ گوریلوں کے لڑتے رہنے اور کسانوں کے ان کی مدد کرتے رہنے کا صرف ایک راز ہے :۔ 'ہوچی منھ کے نام کا جادو جب تک 'چچا' ہمارے دشمنوں کی مدد کے لئے موجود ہے وہ مقابلہ کرتے رہیں گے۔ لیکن ہوچی منھ بوڑھا آدمی ہے۔ کچھ عرصے میں وہ مرجائیگا۔ اور جب وہ مرجائے گا تو ویت کانگ کی مزاحمت جوش کے فقدان کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی'۔

۱۲۔ انقلابی کے سراغ میں

'کیا وہ واقعی کمیونسٹ ہے ؟' یہ سوال کتنی مرتبہ پوچھا جا چکا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں یہ شکوک ہو کی سیاسی زندگی میں رونما ہونے والے کسی واقعے یا واقعات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی حکومت کے انداز اور عام رویے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ کیا یہ کسی شخص کے لئے ممکن ہے کہ وہ حقیقی کمیونسٹ بھی ہو اور ہمہ گیر انقلاب کے ہنگامے اور پیچیدگیوں میں بھی اتنا خوش مزاج، من موجی، اور بعض اوقات تو بالکل مسخرہ ثابت ہو؟

اس انداز میں سوچنے والے لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ہو کی تربیت بطورِ انسان اور انقلابی اس زمانے میں ہوئی تھی جب ابھی زدانوف، فاژوں اور لیوشاؤچی نے مارکسزم اور لینن ازم پر بے رنگی کی مہلک مہر ثبت نہیں کی تھی، اور تجزیے کی جگہ پند و ہدایت اور واضح غصے کی جگہ کینہ پروری کو رواج نہیں دیا تھا۔ جس زمانے میں ہو سرمایہ داری کو تباہ کر دینے کے فن میں تربیت حاصل کر رہا تھا اس وقت لینن کی تقریروں میں آتش مزاج الفاظ اور شگفتہ حکایتیں، کارل راڈک میں مزاج اور مضحک تضادات، اور وایاں کوتوریہ میں قہقہے پائے جاتے تھے۔ زنگا زنگی بھی اسی طور انقلاب کے منافی نہیں

تھی جیسے شاعری، لاابالی پن اور آزادیٔ اظہار۔ چوبی چہرے اور ٹھس تقریریں بعد کے اس زمانے کی پیداوار ہیں جب لوگوں کو پارٹی سے وسیع پیمانے پر نکالا جانے لگا اور شخصیت پرستی کا رواج ہوا۔ جب کامنٹرن پہلے پہل معرضِ وجود میں آیا تھا۔ تو خروشیف، کاسترو اور ہوچی منھ کو کسی لحاظ سے بھی شکی قرار نہ دیا جا سکتا تھا۔ اب انقلاب تصوراتی حدود سے آگے نکل چکا تھا لیکن اس میں تنظیمی سخت گیری نہیں آئی تھی۔

ہو کے متعلق شکوک اس کے ذاتی رویے کی بنا پر نہیں بلکہ درحقیقت ویتنامی انقلاب کے لیڈر کی حیثیت میں اس کے کردار سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں جو تبدیلیاں آئی ہیں ان میں سے اکثر بیشک لینن کی سمجھ میں آ جاتیں۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو مارکسی حوالہ جات سے اتنی واقفیت رکھتے ہیں جتنی لینن رکھتا تھا اور جو نہیں رکھتے وہ تاریکی میں راستہ ٹٹولتے ہیں۔ آیئے ان کے راستے کو کسی حد تک منور کرنے کی کوشش کریں۔

اپنی کتاب 'وون لینن ٹو ماؤ' میں روتھ فشر لکھتی ہے:۔ 'اس مجرد یک دل انٹرنیشنل میں جو بات سب سے نمایاں نظر آئی وہ اس کی پرجوش قوم پرستی تھی....' وہ اس خیال کے بہت قریب نظر آتی ہے کہ 'انگوین اے کوک' کے لئے مارکسیت دراصل مقاصد کے حصول کا محض ایک ذریعہ تھی اور انٹرنیشنل کمیونزم اس کی بنیادی حُبّ الوطنی کے لئے محض ایک بنیاد۔ مئی ۱۹۴۷ء میں ویت منھ ڈیلی گیشن نے فرانس میں 'صدر ہو چی منھ' کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا، جس میں اس کے کمیونسٹ پس منظر کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور اسے خالص محبِ وطن کے روپ میں پیش کیا گیا تھا۔

جس شخص کو خود ہو کے ساتھ بات چیت کرنے کا موقع ملا ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کمیونسٹ کلب کی رکنیت کے سلسلے میں اس پر شکوک کا اظہار کیوں کیا جاتا ہے۔ وہ پارٹی کی سمجھ سے بالا اصطلاحوں والی زبان استعمال نہیں کرتا تھا، جسے مارکسیت میں وہی مقام حاصل تھا جو لاطینی کو مذہب میں، اور جو ان لوگوں کے راستے میں حائل ہوتی ہے جو اسے بول نہیں سکتے اور جس نے اس صدی کی تیسری، چوتھی اور پانچویں دہائی میں کمیونزم کو کلیسائی خصائص بخشنے میں مدد دی۔

بول چال میں ہو مارکسی لیننی فقروں کا سہارا نہیں لیتا بلکہ' انسانی حقوق کی انجمن' کا مخصوص طرزِ بیان اور ایک ایسی قسم کی عوامی زبان استعمال کرتا ہے جو اس نے اس صدی کی دوسری دہائی میں پیرس میں بائیں بازو کے ساتھیوں سے سیکھی تھی۔ میں نے یہ خیال چند ویتنامی دوستوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے یہ فوری جواب دیا: "جب وہ ہم سے باتیں کرتا ہے تو وہ کنفیوشی مذہب کے معاشرے سے متعلق خزانۂ الفاظ کا سہارا لیتا ہے....'

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ۲۶ دسمبر ۱۹۲۰ء کو تیس سال کے ایک دُبلے پتلے نوجوان نے' جو اپنی عمر سے دس برس چھوٹا معلوم ہوتا تھا، تور کی سوشلسٹ کانگریس میں کس طرح اُٹھ کر تتلاتے ہوئے چند فقرے ادا کئے تھے، جن کا سننا اور سمجھنا مشکل تھا اور جن کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اس نے بہت پریشان کن سوال اٹھائے لیکن بحث جاری رہی اور اس کا رُخ نہ بدلا۔ اس کے الفاظ درد بھرا نوحہ تھے لیکن اس زمانے سے غیر متعلق تھے' اتنے بھونڈے اور بھدے کہ اس کے ہموطنوں کے علاوہ انھیں کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا۔

نو آبادی کا رہنے والا یہ نوجوان انقلابی' استعمار سرمایہ داری نظام کی آخری منزل' سے بہت متاثر ہوا، جو تین سال قبل پیٹرو گراڈ میں چھپی تھی۔ اور اس نے ولاڈیمیر ایلش کی سادہ اور بھونڈی نصیحتوں والی زبان استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا۔ ایک ایسے آدمی کے لئے جس کے ہموطنوں کو جنگ کے دوران سستے مزدوروں کے طور پر استعمال کیا گیا تھا، ایسے فقروں سے جوش میں آجانا قدرتی امر تھا: "۱۹۱۴ء-۱۸ کی جنگ دونوں پارٹیوں کے لئے ایک نوآبادیاتی جنگ ہے (دوسرے الفاظ میں دوسرے ممالک پر قبضہ کرنے، انھیں لوٹنے اور قزاقی کی جنگ)' ایک ایسی جنگ، جس کا مقصد دنیا کو آپس میں تقسیم کرنا اور نوآبادیوں اور مختلف حلقۂ اثر کے ممالک کو دوبارہ بانٹنا تھا.....[1]'

ظاہر ہے کہ ہو نے لینن کی اہم تصنیفات کا گہرا مطالعہ نہیں کیا تھا — نہ ہی سٹالن کا

---

[1] دوسرے ایڈیشن کا دیباچہ، صفحہ ۹

قومیتوں کے موضوع پر وہ مشہور مقالہ پڑھا تھا جو اس نے اپنے لیڈر کی تحریک پر ۱۹۱۳ء میں لکھا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت اس پر آشکار نہیں ہوئی تھی کہ "مارکسی اصولوں کے تحت قوم کا مسئلہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔" لینن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ 'عالم گیر انقلابی حکمتِ عملی' کو 'بعض حالات میں علاقائی اور قومی آزادی کی جدوجہد سے' فائدہ پہنچے[1]۔

ہونے شاید اس بارے میں سوشلزم کے اندرونی تضادات کے گورکھ دھندے میں پڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ مارکس نے تو پولینڈ کی آزادی کی جدوجہد کی حمایت کی (اس بنا پر کہ اس سے زار کی طاقت کو دھکا لگے گا، جو یورپ میں سوشلزم کی کامیابی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی) لیکن پہلے روز الگزمبرگ اور بعد میں لینن نے بھی اسی جدوجہد کے خلاف آواز اٹھائی (اس بنا پر کہ پولینڈ کی علیٰحدگی ریاست کو کمزور کر دے گی اور یہی ایک ریاست ہے جس میں سوشلسٹ انقلاب کے مواقع بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں)۔

اس نوجوان ویتنامی انقلابی کو یہ احساس ہونا یقینی تھا کہ 'قومی مسائل' اور 'نوآبادیاتی مسائل' کے درمیان، جن کا اسے ذاتی طور پر تجربہ تھا اور جن پر وہ مارکس اور لینن کے اصولوں کی روشنی میں دوبارہ غور کر رہا تھا، کتنی بڑی خلیج حائل ہے، اسے یہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ سلوواک اور ویتنامی عوام اور کیمرون اور گیلیشیا کے عوام کی حالت میں کتنا فرق ہے۔ اس زمانے کے یورپی ممالک کے کم ہی سوشلسٹوں کو معلوم ہوگا کہ صنعتی اقوام اور ان اقوام کے درمیان، جنھیں ہمہ گیر مصائب اور مفلسی کا سامنا ہے، کس قسم کا رشتہ قائم ہے۔ اس کے برعکس ہو کو اس چیز کا بہت تلخ احساس تھا۔ انٹرنیشنل جولائی ۱۹۲۴ء کی کانگریس میں اس نے سمندر پار کے ملکوں کے مسائل کے بارے میں بے توجہی برتنے پر جس شد و مد سے فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کی مذمت کی تھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے طبقاتی جنگ سے

---

[1] آنی کریگل، "دوسری انٹرنیشنل کے سامنے یورپی قومیتوں کا سوال" (۱۸۸۹ء-۱۹۱۴ء) جولائی ۱۹۶۶ء کے "سوشلزم" نمبر ۶، ۷ میں شائع ہوا۔

قطع نظر ایک خاص قسم کی ملی بھگت کا سراغ لگا لیا تھا۔

تاہم چند اختلافات کے شدید شعور کے باوجود، اس کے پاس چند ناقابلِ تردید تحریروں کے حوالے موجود تھے۔ مثلاً سٹالن کا قول کہ "ہم نوآبادیوں کی آزادی کے حامی ہیں کیونکہ اس سے استعماری طاقتیں کمزور پڑتی ہیں"۔[1] گو اس میں بھی مصلحت کا عنصر پایا جاتا ہے پھر بھی مارکسی نظریات کا پرچار کرنے والوں کی پیش کردہ کتابی مثالوں کے مقابلے میں یہ قول ویتنام کے ارتقائی مسائل سے زیادہ متعلق ہے۔

جب مارکسیوں کی کٹر نظریات والی کتابیں ویتنام کی صورتِ حال پہ صادق نہ آتیں تو ہو ژورے کے مشہور قول کا حوالہ دیتا: "قومیں انسانی تہذیب کا مخزن ہوتی ہیں"۔ لیکن یہ سب باتیں ۱۹۲۰ء کے آخر تک اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو رہی تھیں اور یہ الجھاؤ اس کی پبلک تقریروں میں بھی نظر آتا ہے۔

اسی لئے پیشہ ورانہ سیاست میں اس کا داخلہ خاموشی سے ہُوا تھا۔ بعد ازاں تور کے واقعے کے گرد جان بوجھ کر ایک کہانی بُنی گئی، جسے مارسل کاشین، گاستوں موں موسو اور بہت سے دوسرے لوگوں نے نجی اور عام گفتگو میں مبالغہ آمیز صورت میں پیش کیا۔ لیکن اس زمانے میں وہ محض 'ہند چینی کے ایک شہری' کی حیثیت رکھتا تھا اور کانفرنس میں اس کی تقریر نے سوائے ذہین اور حساس پال وایاں کوتریر کے شاید ہی کسی اور کو متاثر کیا ہو۔

اس پر 'پیش پا افتادگی' کا الزام ضرور لگایا جائے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دانشوروں کی اس مجلس کو، جس میں لونگے، ساما، فرد اور بلم شامل تھے، اَنام کے اس کسان نے بس واجبی حد تک ہی متاثر کیا۔ ہرچہ منہ میں خیال یا اندازِ بیان کی خوبصورتی کبھی متاثر کن نہیں رہی۔ اس نے فرد یا ہجوم کے روبرو کامیاب گفتگو کا فن بہت آہستہ آہستہ سیکھا۔ لیکن اس کی سوچ کے انداز میں ہمیشہ ایک قسم کی سادگی موجود رہی۔ وہ کسی بات کو قبولِ

---

[1] 'منتخب مضامین' جلد چہارم، صفحہ ۸۴

عام بخشنے میں ہمیشہ بہت مؤثر رہا ہے لیکن دو تین موقعوں پر انقلابی حکمتِ عملی کی خوب صورت تشریحوں کے سوا وہ شاید ہی کبھی خوشں مزاج ناصحانہ انداز کی سطح سے اوپر اُٹھا ہو، جس میں انتہائی ذاتی احساس مزاح کی شمولیت ہوتی ہے۔

بہتر ہوگا کہ اس کے بارے میں ماہرین کی آرا لکھنے سے پہلے اس کی عجیب وغریب شخصیت کے بنیادی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے، جو بعد میں نصف صدی تک مارکسی مقاصد کی خاطر جدوجہد کے دَوران میں تشکل ہوئی۔

زود فہمی، تشدد سے نفرت، عوام سے رابطہ قائم کرنے کا غیر معمولی سلیقہ، ذاتی کوشش سے حاصل کی ہوئی ذہنی تربیت (وسیع اور متنوع لیکن واضح طور پر ناہموار)، ایشیائی روایات اور مغربی اثرات سے وجود میں آنے والا مزاج کا عنصر، کفایت شعاری، فطری سادگی پسندی، جسے قوت ارادی اور مضبوط بناتی ہے، بے مثال توانائی: یہ ہیں وہ خصوصیات جن کے بل پر وہ عوامی زندگی کی صعوبتوں کا سامنا کرتا رہا ہے۔

میں نے پہلے ہی اس کی بہت سی تقریروں کے اقتباسات درج کئے ہیں، جن میں بڑوں کو نصیحتیں، نوجوانوں کو تاکیدیں، جنگجوؤں کو اپیلیں، ہموطنوں کو، اپنے بھتیجوں کو خراج تحسین، غرض سب کچھ موجود ہے۔ غیر جانبداری سے دیکھیے تو یہ بالکل سپاٹ ہیں۔ کہیں کہیں کسی دیہاتی پادری کے وعظوں یا کسی دیندار استاد کے خیالوں کی یاد دلاتی ہیں۔ کیا اس قسم کی باتیں دل لگتی ہیں؟ ترونگ چنھ کی کتاب 'صدر کی سوانح' میں، جس کا حوالہ میں پہلے دے چکا ہوں، ایک باب بعنوان 'انقلابی اخلاق' ہے۔ ہو کو ایسے فقروں کی بنا پر اس طرح کے اخلاق کے ماہر کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے،۔ 'امیر بننے کے لئے ہر فرد، ہر خاندان، بلکہ ساری قوم کو پیداوار میں اضافہ کرنا چاہیے اور بچت کرنی چاہیے۔' یہ بات ناقابلِ یقین حد تک پیش پا افتادہ نظر آتی ہے لیکن درحقیقت یہ ایک ایسے موقع شناس شخص کی رائے ہے جو عوام کی زبان میں بات کرتا ہے۔

اس رائے میں انتہائی روایتی الفاظ کو بہت سادگی سے پیداوار کے جدید اور اجتماعی نقطۂ نظر سے ملا دیا گیا ہے ۔ غرض ہو لہجے ، ذخیرہ الفاظ ، اور اسلوبِ بیان میں دوسرے مارکسی لینِنی انقلابی رہنماؤں سے یکسر مختلف ہے .....

ہو کے نظریے (جس کا ذکر بعد میں بھی کروں گا) کا تجزیہ کرتے ہوئے تروِنگ چینھ نے لکھا ہے : "وہ نظریے اور مارکسزم لینِنزم کی کلاسیکی کتابوں کے غیر دلچسپ حوالوں کے جگہ جگہ اظہار سے نفرت کرتا ہے" اور یہ حقیقت ہے کہ صدر نظریہ کم ہی پیش کرتا ہے ، چاہے وہ ذاتی نظریہ ہو یا غیر دلچسپ ۔

چچا ہو کی زبان صحیح معنوں میں چچا کی زبان ہے ۔ جوزف سٹالن بھی کبھی کبھار سکول ماسٹر کے انداز میں بات کرتا تھا ۔ لیکن کیا اس نے تربیتِ کردار کے ابتدائی اسباق میں سے وہ الفاظ اور فقرے اختیار کئے ، جو ہو کے ہاں عام ہیں اور جن میں سب سے اہم لفظ 'رشک' ہے ۔ میں نے لفظ گنے ہیں اور 'منتخب مضامین' کی تین جلدوں میں یہ لفظ سو سے زیادہ بار آیا ہے ۔ "رشک کرو" ــــ وہ اس خیال کی طرف بار بار لوٹتا ہے ۔ رشک اس کے خیال میں قابلِ تحسین اور دوستانہ رقابت کا نام ہے ، جو فرد کے رویے کو بہتر بناتا ہے ۔ تروِنگ چینھ کے بقول صدر کا اصولِ عمل یہ ہے :۔ "کام دنیا کی کایا پلٹ دیتا ہے اور رشک افراد کی کایا پلٹ دیتا ہے" ۔ اور اس دہرے عمل میں مادیت کا عنصر اس سے کم معلوم ہوتا ہے ، جتنا کہ اینگلز نے اسے دیا تھا ۔

ایسا لگتا ہے جیسے ہو کی غیر معمولی زندگی کی اساس کوئی نظریہ نہیں ہے ، جیسے وہ محض حالات سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے یا پھر زبردست ہر فن مولا ہے ۔ پھر بھی اس کے نظریاتی ارتقا اور اس کی انقلابی تنظیم کا ایک ، عام خاکہ تیار کیا جا سکتا ہے ۔ اس کے 'نظریے' کی تعریف بھی متعین کی جا سکتی ہے یا کم از کم ان اجزا کی فہرست مرتب کی جا سکتی ہے جن سے اس کا نظریاتی انداز مترشح ہوتا ہے ۔ میں اس سلسلے میں دوستوں اور دشمنوں دونوں کے حوالے دوں گا اور 'درمیانہ راستہ' نکالنے کی کوشش کروں گا ۔

ان معمّوں میں سے، جن میں اس کی زندگی گھری ہوئی تھی، ایک معمہ ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے :۔ 'اس کی کیا وجہ ہے کہ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۹ء کے درمیانی حصّے میں اس کا نام کسی ایسی آویزش سے وابستہ نہیں، جس کی وجہ سے تیسری انٹرنیشنل کے بہت سے لیڈروں کو تنزل کا منہ دیکھنا پڑا۔'

روتھ فشر سے لے کر برنارڈ فال تک تمام مصنّفین جنھوں نے اس سوال پر غور کیا ہے اس جواب پر اکتفا کی ہے کہ ہو کا مزاج اس قدر تجربیت پسندانہ تھا اور ہے کہ وہ نظریاتی جھگڑوں میں نہیں الجھتا۔

تیسری انٹرنیشنل میں اس کی غیر معمولی حیثیت کے بارے میں اس سے بھی زیادہ مفصل وضاحت ایک کتابچے میں ملتی ہے جس کا عنوان 'ویتنام میں قومی تحریکیں اور طبقاتی کشمکش' ہے، جو آنھ وال اور ڈاکوبین رسل نے لکھی ہے اور جسے چوتھی انٹرنیشنل کے اشاعتی ادارے نے طبع کیا۔

ٹراٹسکی کے حامی مصنفوں نے ان مضامین اور نظریات کو اپنے دلائل کی بنیاد بنایا ہے، جو کینٹن میں ہو کے اخبار 'تھانھ نیاں' نے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک شائع کئے۔ 'لینن کے بعد کمیونسٹ انٹرنیشنل' کے ایک اقتباس کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں یوں ٹراٹسکی نے سٹالن اور اس کے گروہ کو دوسری باتوں کے علاوہ اس لئے مطعون کیا ہے کہ وہ 'پرولتاریوں سے باہر پہلے سے تیار شدہ انقلابی قوتوں کو تلاش کر رہے ہیں' اور 'کسانوں کی انٹرنیشنل کے کردار کو مبالغہ آمیز بنا کر پیش کر کے اس کے مقابلے میں ریڈ سنڈیکلسٹ انٹرنیشنل کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کر رہے ہیں' آنھ وال اور ڈاکوبین رسل لکھتے ہیں :۔

"یہ سطور ہمیں انگوین اے کوک کے سیاسی کردار پر روشنی ڈالنے میں مدد دیتی ہیں، جس نے خلوص سے کمیونسٹ انٹرنیشنل کی ہر ترمیم اور تبدیلی کا ساتھ دیا ہے۔ سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس نے بطورِ رہنما حقیقی تربیت ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان حاصل کی .... کسان انٹرنیشنل کے دوران عین اس وقت جب

بقول لیوں ٹراٹسکی انقلابی قوتیں پرولتاریوں سے باہر تلاش کی جا رہی تھیں۔ نتیجہ یہ کہ شروع ہی سے انگوین اے کوک نے تھانھ نیاں پارٹی کے سپرد جو کردار کیا وہ واضح تھا یعنی اس کی خواہش تھی کہ اسے قوم پرستوں کا ایسا اجتماع بنایا جائے جو سوشلزم کی طرف رجحان رکھتا ہو...... اس نے ہند چینی کے پرولتاریوں اور قوم پرست بورژوا کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہ کھینچی۔ ہند چینی میں انقلاب کا یہ نظریہ تھانھ نیاں کے پروگرام میں پیش کیا گیا۔ اسے دو ادوار میں انجام پانا تھا۔ اول قومی انقلاب جو ملک کو ایک بورژوا جمہوری حکومت کے ماتحت آزادی دلائے گا۔ پھر دوسرا، جو ابھی بہت دُور ہے — یعنی پرولتاری انقلاب"۔

"لوگ اعتراض کریں گے کہ' اس کے باوجود اس انقلاب نے آخر میں کمیونسٹ انقلاب کی حیثیت اختیار کر لی تو کیا پہلے اندازِ نظر سے تعلق قطع ہو گیا تھا'، اس سلسلے میں بھی انگوین اے کوک اور اس کے ساتھی لیڈروں نے تیسری انٹرنیشنل کے اتار چڑھاؤ کی تقلید کی۔...... ۱۹۳۰ء تک کمیونسٹ انٹرنیشنل نے دائیں بازو کا راستہ چھوڑ دیا اور اس تجربے سے کوئی سبق حاصل نہ کرتے ہوئے انہوں نے ایک نئے بائیں بازو کی راہ اختیار کی، یعنی وہ مشہور تیسرا دور جو بالآخر تباہ کن ثابت ہُوا۔ جرمن پرولتاریوں کو اس کی یہ قیمت ادا کرنی پڑی کہ ۱۹۳۳ء میں ہٹلر نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ (دراصل یہ وہ دور تھا جب کمیونسٹوں نے معاشرتی جمہوریت کو 'معاشرتی فاشزم' کا نام دیا اور مقبولِ عام فرنٹ بنانے سے انکار کیا۔ نازیوں کے خلاف تنِ تنہا ان کے مؤقف کا جو نتیجہ نکلا وہ سب پر عیاں ہے۔) نوآبادیاتی ملکوں میں تیسرے دَور نے قومی بورژوا کی شدید مخالفت کی صورت اختیار کر لی جس کی 'قطعی دھوکا بازی' کی مذمت کی جاتی تھی۔"

"طرزِ عمل کی اس تبدیلی کے خلاف ہندوستان کے کمیونسٹ لیڈر رائے نے، جو اس وقت تک انٹرنیشنل میں ایشیا کا واحد ترجمان تھا، آواز اٹھائی۔ اس کا کمیونزم، انگوین اے کوک کے کمیونزم کی طرح، وطنی رجحانات کی اساس پر قائم تھا۔ اس لئے اس نے ماسکو کے سابقہ طرزِ عمل یعنی بورژوا پارٹیوں سے مل جل کر کام کرنے سے انحراف کو ماننے سے انکار کر دیا۔ نتیجتہً اسے تحریک سے الگ کر دیا گیا۔ لیکن ویتنامیوں نے کسی قدر تامل کے بعد

_____ کیونکہ قومی محاذ کا نظریہ ان کے مزاج کے مطابق اور ہندچینی کی صورتِ حال کے بنیادی حقائق سے ہم آہنگ تھا ___ اس طرزِ عمل سے اتفاق کر لیا۔ اس نازک مرحلے پر نظم و ضبط کے اس مظاہرے نے ہوچی منھ کو سٹالن کے دور کی انٹرنیشنل کے اداروں میں کافی اہم بنا دیا۔"

آئی۔سی۔پی کے ہاتھوں ٹراٹسکی کے کارکنوں کے قتل سے ان دو کمیونسٹوں میں جو غم و غصہ پیدا ہوا اسے نظر انداز کر دینا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی ہم ان کے تجزیئے کے بعض نکات کو گرفت میں لے کر، بعض میں ترمیم کر کے ان پر بحث کر سکیں گے۔ تاہم ہو کی حکمتِ عملی کے پیچھے کار فرما خالصتاً ویتنامی مقاصد پر زیادہ توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔

سب سے زیادہ توجہ کی محتاج یہ بات ہے کہ اس کے ہر کام کے دو رُخ ہوتے ہیں، جو اسے بیک وقت سب سے زیادہ قومی اور سب سے زیادہ بین الاقوامی کمیونسٹ لیڈر بنا دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ قومی اس لئے کہ کسی دوسرے لیڈر نے اتنی کم غیر ملکی امداد اور اتنے کم غیر ملکی عملے کے بغیر اپنے ملک میں انقلاب بپا نہیں کیا، حتےٰ کہ ماؤ، ٹیٹو اور کاسترو بھی نسبتاً دوسروں کے زیادہ مرہونِ منت ہیں۔

یہ درست ہے کہ اس کی مختلف جنگوں اور بغاوتوں کا انحصار کمیونسٹ دنیا پر ہے اور ان کی جڑیں بین الاقوامی سیاق و سباق میں استوار ہیں۔ لیکن ویت نام میں کسی بورودِن، گویرا، مالہ و یا فنٹز رائے میکلین کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ تیسری انٹرنیشنل کے چند نمائندوں، او۔ ایس۔ ایس اور پیکنگ گورنمنٹ نے یاری باری ہو کے ساتھ جو تعاون کیا ہے وہ دین بین فو سے پہلے اور بعد بہت ہی معمولی ہے۔ اور اگرچہ مشرقی یورپ کا توپ خانہ اور چین کے کارکن اور لاریاں، گیاپ کی حکمتِ عملی کے لئے مفید ثابت ہوئی ہوں گی ___ اور اب بھی ہیں ___ لیکن یہ سب چیزیں ویتنامیوں کے متعین کئے ہوئے دائرۂ عمل اور ویتنامیوں کے جھنڈے تلے کام کرتی رہی ہیں۔ اپنے ملک کے لئے پرشوق لگاؤ، ہو کے لئے سب چیزوں کے مقابلے میں زیادہ محرکِ قوت ہے اور یہی لگاؤ گیاپ

اور دوسرے سخت جان جنگجوؤں میں جوشِ عمل پیدا کرتا ہے۔

تاہم ہو اپنے ذہین پیروکاروں اور اپنے 'بھتیجوں' کے مقابلے میں سب سے زیادہ بین الاقوامی خیالات کا حامی ہے —— جس کی وجہ یہ ہے کہ خاص حالات اور وقت نے اسے اس انداز میں ڈھال دیا ہے۔ دوسری دہائی کے پیرس میں چو این لائی نامی طالبعلم کارکن نے لکھا تھا:۔ 'اگرچہ ہم چینی ہیں لیکن رویّے کے اعتبار سے ہمیں وسیع المشرب ہونا چاہیے۔' ماسکو میں بھی انقلاب کو اس وقت تک نظریاتی اور عملی اعتبار سے بین الاقوامی انداز میں دیکھا جاتا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بلغاریہ کا دمتروف جرمنی میں، سربیہ کا فوپنغ فرانس میں، فرانس کا دوکرو ملایا میں سرگرم کار تھا۔ ہو کی قوم پرستی نے روتھ فشر جیسے لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ ان عظیم 'وسیع المشرب' ہستیوں کے ساتھ رابطے نے اس کے جذبۂ قوم پرستی کو کمزور نہیں کیا بلکہ اسے وسیع تر بصیرت عطا کی۔ دوسری نو آبادیوں کے عوام کے ساتھ اتحاد کا وہ احساس اس میں اب بھی باقی تھا جو پیرس کے دنوں کی یاد تھا اور جس کا اظہار بارہا 'لوپاریا' میں ہوا۔ اس کے صفحات میں مڈغاسکر، مراقش اور ویتنام کے باشندوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا گیا اور نوآبادیاتی نظام سے آگے دیکھنے اور نسل کے مسئلے کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے ہو کو کسی حوصلہ افزائی کی ضرورت نہیں تھی۔ (اس کا مفصل ذکر بعد میں ہو گا)

مختصر یہ کہ اس کے قومی کمیونزم کی جڑیں ایک وسیع بنیادوں والی بین الاقوامیت میں استوار ہیں۔ ہو نے ہمیشہ محسوس کیا کہ وہ تیسری انٹرنیشنل کی بحثوں میں پوری طرح شریک ہے، اگرچہ نظریات کی جکڑ بندیوں سے کترانے کے باعث وہ ان بحثوں میں اس قدر حصہ نہ لے سکا جتنا کہ اس کے مرتبے کا تقاضا تھا۔ دراصل روسی دباؤ اور چینی اشتعال کے درمیان کا مشکل راستہ اختیار کرنے سے بہت پہلے ہی وہ ہمیشہ پرولتاری بین الاقوامیت اور ویتنامی قومیت کے مطالبات کے امتزاج کی کوشش کرتا رہا۔

اس مسئلے پر اختلافِ رائے ممکن ہے (جیسا کہ اَنھ واں اور ژاکولین رسل کے درمیان) کہ ہو کے اس رویے کی بنیاد کینٹن میں تھانھ نیاں کے قیام کے وقت ڈالی گئی یا سوشلسٹ

طرز کی قوم پرستی ؟ اس الزام کی تردید مشکل ہے۔ بورژوا طبقے سے اتحاد کی دائیں بازو کی پالیسی ؟ حقائق اس سلسلے میں خود ہی واضح ہیں۔ (اگرچہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ہو کے پاس ایک ایسی کٹر "کمیونسٹ بریگیڈ" موجود تھی، جسے تنظیم کا دل کہنا چاہیے) لیکن اگر ٹراٹسکی پسند مصنفین پر، یورپی اور امریکی مثالوں کی روشنی میں (لافولیت اور ٹریڈ یونینیں' انٹرنیشنل کے "دوسرے دور" کی قدامت پسندی گراں گزرتی ہے تو وہ ایشیا میں اس حکمتِ عملی کے استعمال پر معترض ہونے میں حق بجانب نہیں ہیں، جہاں کا پرولتاری طبقہ متوسط درجے کے لوگوں اور کسانوں کے مقابلے میں ماضی قریب میں بھی اوسط سے کم وزن کا حامل تھا۔ یہ چیز چین کی مثال سے بالکل واضح ہو جاتی ہے، جہاں لی لی سان کی بائیں بازو کی پالیسیوں نے چینی کمیونزم کو ۱۹۲۶ - ۲۷ء کے پُر آشوب زمانے میں دھکیل دیا تھا۔

بہرحال ہونے اپنے آپ کو صرف ویتنام کے بورژوا طبقے کے تعاون تک محدود نہیں رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک کتاب "انقلاب کا راستہ"[1] لکھ رہا تھا، جس میں مارکسی اندازِ نظر کی پوری طرح پیروی کی گئی تھی، اور اپنے عملے کو تشدد آمیز انقلاب کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تھانھ نیاں پارٹی کی "قومی محاذ" کی پالیسی اس وقت اس کے مقاصد اور منصب کے پیشِ نظر نہایت موزوں پالیسی تھی۔ لیکن یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ حکمتِ عملی ماسکو میں منعقدہ پانچویں کانگریس کے فیصلوں سے کسی طرح بھی متصادم نہیں تھی ــــ جس میں جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ہو نے ۱۹۲۴ء میں شرکت کی تھی۔ اس کے علاوہ یہ کانفرنس ایک ایسے شخص کی زیرِ نگرانی منعقد ہوئی تھی جسے کامنٹرن کے دائیں بازو کی حمایت کا مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا ــــ یعنی میخائل بورودن۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ویتنامی ۱۹۲۸ء کی چھٹی کانگریس کی ان پالیسیوں سے اس لئے متفق ہو گئے تھے کہ وہ "پہلے عقیدے کی غلطی کا اعتراف کر کے اس سے دستبردار ہو رہے تھے" یا وہ محض "لیڈر کی پیروی کر رہے تھے"؟ آنھ وال اور ژاکولین رسل نے

---

[1] دیکھیں باب ۳، صفحہ ۳۶

'قومی محاذ' کی حکمتِ عملی کو ترک نہ کرنے کے سلسلے میں رائے کی ثابت قدمی کا مقابلہ ہوچی منہ کی فرمانبرداری سے کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہندوستانی رہنما مقابلتاً بہت زیادہ مضبوط سیاسی جماعت کا سربراہ تھا اس لئے ذاتی اختیارات کو زیادہ اعتماد کے ساتھ استعمال کر سکتا تھا۔ یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہند چینی کمیونسٹ پارٹی ۱۹۳۰ء تک تشکیل ہی نہیں کی گئی تھی۔

اس کے علاوہ اس کی تشکیل کے لئے ہونے نہیں بلکہ کئی دوسرے لوگوں کی غلط پیش قدمیوں نے میدان ہموار کر دیا۔ اور تھانہ نیاں کی 'قومی محاذ' کی حکمتِ عملی سے علیحدگی اختیار کرنا ناگزیر ہوگیا۔ جب شدید حسد اور انتشار کے درمیان بہت سی نئی نئی جماعتیں قائم ہوگئیں تو اسے سیام سے نظم وضبط اور اتحاد قائم کرنے کے لئے بلایا گیا۔ درحقیقت ماسکو میں چھٹی کانگریس کے وقت ——— اور اس کے بعد والے سال میں، جب انٹرنیشنل کا بائیں بازو کا 'تیسرا دور' شروع ہُوا ——— ہو پس منظر میں تھا۔ اس وقت وہ اتفاقاً یا پھر کسی منظم منصوبے کے ماتحت اپنی ذات سے قطع نظر سیام میں عملے کی تربیت میں مصروف تھا۔ ویتنام میں قیادت تران فو کے ہاتھ میں تھی (یا پھر بظاہر معلوم یہی ہوتا تھا، جو پارٹی کا پہلا جنرل سیکرٹری تھا۔) اس وجہ سے پورے یقین کے ساتھ یہ کہنا کہ ہو نے یکدم دائیں سے بائیں طرف رخ بدل لیا درست نہیں حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء میں وہ آہستہ آہستہ اس پالیسی سے منحرف ہُوا، جسے حقائق نے کسی حد تک پہلے ہی غلط ثابت کر دیا تھا۔

اس بات کا کوئی تحریری ثبوت تو موجود نہیں لیکن امکان ضرور ہے کہ وہ ہند چینی میں کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل کو قبل از وقت سمجھتا تھا۔ لیکن جب پارٹی بن گئی تو ہو کو مجبوراً اسے 'قومی محاذ' کی حکمتِ عملی میں جگہ دینے کے لئے کوئی راستہ تلاش کرنا پڑا۔ ۱۹۳۵ء کی چھٹی کانگریس نے اس طرزِ عمل سے چشم پوشی کی اور 'فاشزم دشمن محاذوں' کے قیام کی حمایت کی۔ اس انٹرنیشنل نے آئی۔ سی۔ پی کے بعض ایسے لیڈروں کے مقابلے میں ہو کے موقف کو درست تسلیم کیا، جنھوں نے مکاؤ میں چند ہفتے پہلے، جب ہو ملک سے باہر گیا ہُوا تھا، 'سخت' اندازِ نظر پر ڈٹے رہنے کی حمایت کی تھی۔

اس لئے وہ اپنی مرضی کی حکمتِ عملی اختیار کرنے میں آزاد تھا، لیکن اپنی پسند کے ہتھیاروں کے ذریعے نہیں۔ ماسکو کی ہدایات کے مطابق ویتنامی کمیونسٹ پارٹی نے ہند چینی کمیونسٹ پارٹی کی شکل اختیار کر لی۔ اس زمانے میں کامنٹرن کے لیڈر قوم پرستی کے رویے پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ہو اور اس کے ساتھیوں کی وطن دوستی کو وسیع تر تنظیم میں ضم کر دیا جائے۔ غرض دس سال تک انھیں اپنے وطن دوستی کے جھنڈوں اور نعروں کو کسی اور لبادے میں چھپانا اور مُہم کو فرانس کے محنت کش طبقے اور فاشسٹ دشمن گروہ کے ساتھ تعاون کر کے (۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک) بنیادی طور پر پرولتاری اساس پر چلانا پڑا۔

مئی ۱۹۴۱ء کی پاک بو کانفرنس میں، جو چینی سرحد کے بہت قریب لیکن ویتنام کی سرزمین پر منعقد ہوئی، ہو نے اندازہ کیا کہ اب وہ اپنی تحریک کو قوم پرستی کی طاقتور رو کے ساتھ ملانے میں بالکل آزاد ہے۔ اس کا نتیجہ ویت منھ کی تشکیل کی صورت میں نکلا، جو "قومی آزادی کا محاذ" تھا اور جس کا پروگرام، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، ترمیم پسندانہ اور متشدد طور پر قوم پرستانہ تھا۔ چار سال بعد ہو اور آگے، بلکہ بہت آگے، بڑھا اور اس نے ہند چینی کمیونسٹ پارٹی کو ختم کر کے 'لین ویت' قائم کی جو ویت منھ کے انقلابی جوش و خروش کے پرچار میں زیادہ موثر ثابت ہوئی۔

آئی۔ سی۔ پی کو مسترد کرنے کے متعلق ضروری باتیں کہی جا چکی ہیں۔ ویتنام کے انقلاب کے بہت سے قریبی مبصر، مثلاً پی۔ جے۔ ہونی، اسے ایک چال سے زیادہ نہیں سمجھتے اور دراصل وہ اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں ہو کی ایک رائے کا حوالہ دے سکتے ہیں جو فروری ۱۹۵۱ء میں ایک سیاسی رپورٹ میں پیش کی گئی تھی: 'یہ بات شاید بہت سے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ پارٹی کیوں توڑ دی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے لبادے میں چھپا دیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ ملک اور عوام کو برابر ہدایات دیتی رہی'۔

یہ سب کچھ تسلیم لیکن جس بات کو یہاں لبادے کی تبدیلی قرار دیا گیا ہے اس نے اس زمانے میں چینی کمیونسٹوں اور ان کے فرانسیسی ساتھیوں میں ہلچل مچا دی تھی۔ ایک کمیونسٹ پارٹی محض موقعہ پرستی کے حربے کے طور پر استعمال نہیں کی جا سکتی۔ مارکس اور لینن پرست

کارکنوں کے نزدیک پارٹی ایک بنیادی سائنسی حقیقت اور عوام کی خواہشات اور اُن کی آزادی کا ٹھوس اظہار ہے۔ 'یہ پارٹی' ایک عام پارٹی نہیں ہے۔ یہ پارٹی ایک ایسے نظریے کا عوامی اور خارجی اظہار ہے جسے غلطیوں سے پاک سمجھا جاتا ہے اور ایک ایسا ہتھیار جس کے ذریعے اس کا نظریہ معاشرے کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اسے عارضی طور پر یا 'مارکسی مطالعاتی گروہ' میں شمولیت کے بدلے میں بھی (یہ مشورہ آئی۔سی۔پی کے لیڈروں نے ۱۹۴۵ء میں دیا تھا) توڑ دینا بے مثال جرأت کا اقدام تھا اور اسے عام طور پر ایسا ہی سمجھا گیا۔

جب ہو ۱۹۴۶ء کے موسم گرما میں فرانس پہنچا تو اس کے فرانسیسی ساتھیوں نے اس کے ساتھ سب سے پہلے اسی موضوع پر گفتگو کی اور اس ملاقات میں کسی گرمجوشی اور خلوص کا مظاہرہ نہ کیا۔ ہو نے اس گفتگو کے دوران میں اس بات پر بہت زور دیا کہ اگر آئی۔سی۔پی کو لبادے میں نہ چھپا دیا جاتا تو اسے کومنتانگ نے ختم کر دیا ہوتا، جس کی فوجیں اس وقت شمالی ویت نام پر قابض تھیں۔ اس کے باوجود نہ تو جرمن اور نہ ہی فرانسیسی کمیونسٹوں نے نازی مظالم کے جواب میں ایسے حربے استعمال کئے۔

ہوچی منہ کو جرأت مندی اور انقلابی جوش و خروش کا سبق سکھانے کا متمنی یقیناً کوئی جلد باز شخص ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے ۱۹۴۵ء والے اقدام کا انوکھاپن اس حقیقت کی بنا پر اور بھی بڑھ جاتا ہے کہ یہ اقدام مختلف مواقع پر مختلف صورتوں میں حق بجانب تھا۔ ویت منہ کے اخبار 'ری پبلک' نے اس وقت اس بات پر اصرار کیا تھا کہ ہم نے 'اپنی نسلی یک جہتی کو برقرار رکھنے کے لئے یہ قدم اٹھایا ہے[1]'۔ لیکن یہ بیان کتنا غیر متوقع ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہو اس وجہ سے یہ سب کچھ کر گذرا کہ وہ پارٹی کو بجائے خود مقصد نہیں بلکہ ایک ذریعہ اور انقلابی حربہ تصور کرتا تھا۔ اس کا نظریۂ عملیت شاید اس

---

[1] فلپ داویلر: 'ویت نام کی تاریخ'

سے زیادہ واضح اور بے باک انداز میں اور کہیں ظاہر نہیں ہوا ہے۔

۱۹۴۵ء کے آخر میں آئی۔سی۔پی کے خاتمے کے رسمی اعلان کے بعد ویت منھ لیڈروں نے مئی ۱۹۴۶ء میں لین ویت کی تشکیل کر کے اور تمام محبِ وطن لوگوں سے اس میں شامل ہونے کی درخواست کر کے متحدہ محاذ کے راستے پر دور تک چلنے کی کوشش کی۔ فرانس کے ساتھ لڑائی کا آغاز ہوا تو اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہوئی کہ فرانس کی مخالف قوتوں کے سیاسی دائرے کو امکانی حد تک وسیع کیا جائے۔ لیکن ۱۹۵۰ء میں کمیونسٹوں نے چین پر غلبہ حاصل کر لیا۔ ہو اور اس کے ساتھیوں کا بیرونی دنیا —— کمیونسٹ دنیا —— سے رابطہ بحال ہو گیا۔ اچانک انھیں اپنی پشت پر اتحادی مل گئے۔ اب وہ دوبارہ اپنا اصلی رنگ دکھانے کے قابل ہو گئے۔ چنانچہ فروری ۱۹۵۱ء میں لاؤ دونگ یعنی مزدوروں کی جماعت قائم ہو گئی۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آئی۔سی۔پی دوبارہ زندہ ہو گئی تھی۔ کم از کم نظریے کی حد تک تو اس کا تعلق پورے ہند چینی سے تھا۔ لاؤ دونگ خالصتاً ویت نامی جماعت تھی۔ دراصل اس پورے عمل کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :- ۱۹۳۰ء میں اس کی اصل توجہ بین الاقوامیت پر تھی۔ ویت نام کا بطورِ خاص کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس لئے اس وقت پارٹی کا نام "ہند چینی کمیونسٹ پارٹی" تھا۔ اس کے برعکس ۱۹۴۱ء میں ویت منھ کے قیام کے ساتھ قوم پرستی نظریے پر غالب آ گئی۔ ۱۹۵۱ء میں لاؤ دونگ نے آئی۔سی۔پی سے نظریاتی سخت گیری اور ویت منھ سے وطن دوستی اخذ کی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے آپ کو ایک کمتر انفرادیت کی حامل تنظیم "محبِ وطن محاذ" سے وابستہ کر لیا۔ اس نئے ڈھانچے کی دو نمایاں سطحیں تھیں اور ہو ان دو مختلف وابستگیوں سے جو جی چاہے لے سکتا تھا۔ گویا حکمتِ عملی کا پرانا ماہر پھر جیت گیا تھا۔

جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں ہو چی منھ کے کردار میں فکر کے مقابلے میں تنظیمی کاروائیاں اور سیاسی جدوجہد زیادہ نمایاں ہے۔ تاہم اس کی ماہرانہ سربراہی یقیناً ایک

نظریے ہی کو، یعنی مارکسزم اور لیننزم کو، ویت نام کے حالات کی روشنی میں دیکھنے اور اسے اس کے مطابق ڈھالنے کو، بنیاد بناتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حال ہی میں ہو کے ساتھیوں میں سب سے کٹّر مارکسی ساتھی نے اس نظریے کی وضاحت کی ہے۔ اس شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہو کی اندھی تقلید کرتا ہے کیونکہ در اصل اس کا اندازِ نظر اس اندازِ نظر سے بالکل مختلف ہے جو عام طور پر صدر کا اندازِ نظر سمجھا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تروونگ چِنھ کی سوانح عمری نے، جو ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی اور اس کا حوالہ اس کتاب میں دیا جا چکا ہے، لیڈر کے احترام کی روایت کو ترک کر دیا ہے۔[1] درحقیقت قاری یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ لاؤ دونگ کا یہ سابق جنرل سیکرٹری عقیدے کے لحاظ سے اس قدر ماؤ پرست ہے کہ وہ ہو کو بھی پرستش کے اسی معیار کے مطابق پیش کرنے پر مجبور ہے جو پیکنگ میں ماؤ کے لئے مخصوص ہے لیکن پرستش کے لہجے کی تہہ میں سوچا سمجھا مارکسی تجزیہ پوشیدہ ہے۔ تروونگ چِنھ نے ایک ایک فقرے میں صدر کی زندگی کو سمجھانے کی خاطر اہم اشارے مہیا کئے ہیں۔ اس نظریاتی خلاصے کے اہم نکات یہ ہیں :-

ویتنام کے انقلاب کی نوعیت کے بارے ہیں :-

"ویتنام کی ٹھوس صورتِ حال پر مارکسزم، لیننزم کا اطلاق کرتے ہوئے ہوچی منھ نے بالکل ابتدا میں یہ محسوس کر لیا تھا کہ ویتنام کا انقلاب ایک بالکل ہی دوسری نوعیت کا بورژوا جمہوری انقلاب ہے ...... جو ارتقائی منازل طے کر کے ...... سوشلسٹ انقلاب کی صورت اختیار کرے گا ...... یہ مقبولِ عام قومی جمہوری انقلاب ہو گا ...... جسے عوامی انقلاب کہا جا سکے گا یا دوسرے لفظوں میں یہ انقلاب مزدوروں، کسانوں، چھوٹے بورژوا اور قومی بورژوا کا برپا کیا ہوا ہو گا جو مزدوروں کی رہنمائی میں اور مزدور

---

[1] کتاب کا پورا نام یاد رکھنے کے قابل ہے :- "صدر ہوچی منھ — ویتنامیوں کا محترم رہنما"

کسان اتحاد کی بنا پر آئے گا..... اس انقلاب کا بنیادی خیال مارکسزم۔لینن‌ازم کے نظریات پر ہی استوار ہوا ہے.....[1]"

کیا انقلابی حکمتِ عملی میں اولیں اہمیت صنعتی ممالک کے معاشرے کو سوشلزم میں تبدیل کرنے کے عمل کو دینی چاہیے یا ان نوآبادیوں کی آزادی کو جو ابھی زراعتی دور میں ہیں؟ اس موضوع پر صدر کا یہ سوانح نگار ایک ایسی رائے درج کرتا ہے جو ہونے ۱۹۲۴ء کے ایک مضمون میں تحریر کی تھی اور جس کا عنوان تھا :۔" انقلابِ روس اور نوآبادیاتی اقوام":۔

"سرمایہ داری ایک ایسی جونک ہے جس کی ایک رگ بڑے شہروں کے پرولتاریوں اور دوسری رگ نوآبادیوں کے پرولتاریوں کا خون چوستی ہے۔ اگر اسے ختم کرنا مقصود ہے تو اس کی دونوں رگیں بیک وقت کاٹنی چاہئیں۔ اگر صرف ایک رگ کاٹی جائے گی تو دوسری رگ پرولتاریوں کا خون چوستی رہے گی، جونک زندہ رہے گی، اور کٹی ہوئی رگ دوبارہ ٹھیک ہو جائے گی[2]"

یہ اس انقلابی جدوجہد کا نہایت عمدہ خلاصہ ہے جو بنیادی طور پر ویتنام کی آزادی کی خواہش سے زندگی پاتی ہے۔ لیکن جسے فرانسیسی پرولتاریوں سے ہو کے طویل ربط نے بہت جلا دی۔ یہی وہ دو رُخا انداز ہے جو اسے مارکسزم کا ایسا غیر معمولی عامل بناتا ہے۔

طریقِ عمل کے بارے میں :۔

"صدر ہو ویت نام کے انقلاب کا پہلا رہنما ہے، جس نے اِکّا دُکّا قتل اور بغاوتوں کے گمراہ کن طریقوں کو سمجھا ہے ـــ جو افراد کی ذاتی بہادری کے حماقتی طریقوں پر انحصار کرنے والے اس کے پیشروؤں نے اختیار کئے ہوئے تھے۔ اسے یقین تھا کہ اگر انقلاب کو فتح حاصل کرنا ہے تو عوام میں سیاسی شعور پیدا کرنا، انھیں منظم کرنا اور انھیں عمومی

---

[1] ترونگ چنھ، صفحہ ۷۴۔

[2] ترونگ چنھ، صفحہ ۴۹۔

مطالبات کی جدوجہد میں شریک کرنا ضروری ہے ....[1]"

رہنمائی اور انقلابی طاقت کے استعمال کے بارے میں :-

"ہم سمجھتے ہیں کہ انسان ممالک کی "تاریخ بناتا ہے اور ہم اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ عظیم انسانوں کا اس میں بڑا حصہ ہوتا ہے ...... ہمارے زمانے میں جو ہیرو ویتنام کے عوام کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں انھیں لازماً کسی انقلابی جماعت کی تشکیل کرنی ہوگی ...... تجربہ کار اور ہمہ صفت موصوف لیڈر ایسا ہونا چاہیے جو عوامی انقلابی تحریک کے ذریعے آگے آیا ہو، جسے معاشرہ اپنی کشتی کے ناخدا کی حیثیت دے اور وہ اس حیثیت میں پارٹی کی تنظیم کا سربراہ ہو۔"

کسانوں اور زرعی مسائل کے بارے میں :-

"ہمارے ملک میں قومی مسئلہ بنیادی طور پر کاشتکاروں کا مسئلہ ہے اور زرعی مسئلہ جمہوریت کے مسئلے کا مرکز و محور ہے ......"

"ہماری قوم تقریباً تمام کی تمام کسانوں پر مشتمل ہے۔ کسانوں کے جوش و خروش کی بدولت ہم نے فتحمندی سے مخالفوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اسی جوش و خروش کی بدولت ہم کامیاب ہوں گے اور قومی تعمیرِ نو کا کام جاری رہے گا ...... یہاں ہم نے مارکسی لیننی مؤقف کو ایک زرعی اور نوآبادیاتی قوم کی ضروریات کے مطابق ڈھالا ہے۔ اور یہ در اصل مارکسی لیننی اصولوں اور ویتنامی انقلاب کے حقائق کا مرکب ہے [2]"

اصولوں اور حقائق کے درمیان امتیاز بہت پُرکشش ہے، جس میں ہوچی منھ کے نظریات کی روح کھنچ آئی ہے خواہ الفاظ کسی اور ہی کے ہوں۔ اور کسانوں کے متعلق یہ خیالات جولائی ۱۹۲۴ء کی انٹرنیشنل کی پانچویں کانگریس میں ہو کے خیالات کی صدائے بازگشت ہیں۔ ویتنام کی حکمتِ عملی کا یہ بوڑھا ماہر اسی زبان میں بات کرتا ہے جس میں وہ اس سے

---

۱ منتخب مضامین، جلد اول، صفحہ ۳۲۹ -

۲ ترونگ چنھ، صفحہ ۴۹ - ۵۰ -

پہلے کے زمانے کے نوجوان انقلابی کی حیثیت میں کیا کرتا تھا۔

اس طرح ترونگ چنھ کے ذہن کے آئینے کے ذریعے نظریات کی ایک ایسی شکل سامنے آتی ہے جس کی ترکیب الفاظ کے بجائے اعمال سے بنتی ہے۔ قومیت اور بین الاقوامیت واضح طور پر 'کوٹ آف آرمز' کے حروف کی طرح آپس میں گوندھے ہوئے ہیں۔ دیہات کی تصویروں کی بھرمار کے ساتھ ساتھ پرولتاریت پر زور دیا گیا ہے۔ وہ ماؤ کے مقابلے میں نئی باتیں گھڑنے کی یقیناً بہت کم صلاحیت رکھتا ہے اور شاید لینن کی سوچ کے زیادہ قریب ہے ـــــ وہ ایک ایسا لینن ہے جس کے پاس موقع بھی ہے اور وقت بھی کہ یورپ کی عظیم سلطنتوں کی سرحدی 'قومیتوں' سے آگے جھانک کر حقیقی 'نوآبادیوں' کو دیکھ سکتا ہے، جو اس چیز کا مشاہدہ کر سکتا ہے کہ 'سامراج' جو سرمایہ داری کی انتہائی شکل ہے بالآخر کس طرح بنیادی طور پر حکمتِ عملی کا مظہر بن گیا، جو مالی مفادات اور منڈیوں کے حصول کی کشمکش میں سے قومی جھگڑوں کو دوبارہ ابھرتا ہوا دیکھ سکتا ہے۔

بطور کمیونسٹ ہو کا انوکھاپن اس کے طرز زندگی، رویے، تقریر و تحریر، اور آئی۔ سی۔ پی کو ختم کرنے جیسے بعض دیگر اقدام سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ پھر بھی بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک میں اپنی حیثیت کو نقصان پہنچائے بغیر پارٹی کو توڑنا، ویتنام کے انقلاب کو 'قوم پرستوں' کے تعاون کی کڑی آزمائشوں سے گزار کر کامیابی کی طرف لے جانا، فرانس کے خلاف جنگ لڑنا اور امریکہ کا مقابلہ کرنا ـــ یہ سب باتیں اپنے نزدیکی ساتھیوں، عملے اور عوام میں اس کی حیثیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہ اس اختیار کو استعمال کرنے میں پست ترین استبداد سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔

کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہوچی منہ 'سطحی' کمیونسٹ ہے اور محض قوم پرست ہے جس نے سرخ لباس پہن رکھا ہے؟ لیکن اس نقطۂ نظر کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی شہادتوں سے آنکھیں بند کر لی جائیں جو اس نے انٹرنیشنل کے فیصلوں کو وقتاً فوقتاً

قبول کر لی ہیں ــــ مثلاً ۱۹۵۴ء میں اس نے جینوا کانفرنس کی ان شرائط کو قبول کر لیا جو ویتنامی قوم کے مقابلے میں عالمی کمیونزم کے لئے زیادہ مفید تھیں۔ اس طرح کے اقدامات کا حوالہ تمام شبہات کو دور کر دیتا ہے اور ثابت کر دیتا ہے کہ وہ کمیونسٹ تحریک سے پوری طرح اور شعوری طور پر وابستہ ہے۔

اگرچہ کمیونسٹ نظریے کے بارے میں اس کا اتار چڑھاؤ پریشان کن ہے، اگرچہ وہ نظریہ ساز ہونے کا تاثر ہرگز نہیں دیتا، اگرچہ کام کے اس حصے سے اس کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا ــــ اور دراصل وہ نظریاتی بحثوں سے جلد اکتا جانے کا تاثر دیتا ہے ــــ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت پسندی، تجربیت، حتیٰ کہ مصلحت پرستی نے اسے کمیونسٹ چرچ کی درجہ بندی میں عمدہ حیثیت دی ہے، جہاں کفر کے فتوے خیالات کے نئے راستوں پر زیادہ عائد کئے جاتے ہیں اور عمل کے غیر معمولی راستوں پر کم۔

جس شخص نے ایک تحریک کے لئے اپنی تمام قوتیں مجتمع کیں اور دراصل اس کی تشکیل میں حصہ لیا، اس کی تحریک کے بارے میں مکمل وفاداری پر کس طرح شبہ کیا جا سکتا ہے؟ ہو کو دراصل 'فطری' اور عملیت پسند کمیونسٹ کہنا چاہیے۔ مغربی معاشرے کے ایک رکن سے کہیں زیادہ حد تک یہ ایشیائی اپنے تجربات، اپنے مصائب، اپنے راستے کے خطرات، اپنی سرفرازیوں اور کامیابیوں اور اپنی طاقت کا پتلا ہے۔ یہ تمام چیزیں اس ویتنامی لیڈر کو اس عالمی پارٹی سے وابستہ کرتی ہیں، جس نے اسے منتخب کیا، اسے بنایا اور پھر اسے اعلیٰ حیثیت عطا کی، اور اس مقامی پارٹی سے بھی، جسے اس نے خود تشکیل کیا، اسے با اثر بنایا اور پھر اسے فتحمندی کی طرف لے گیا۔

۱۳- پیکنگ یا ماسکو، ہنوئی....

ویتنام کے ایک ایسے انقلابی کے لئے، جو دنیا کے بارے میں وسیع نظر رکھتا ہو اور ۱۹۲۰ء میں جس کی عمر تیس برس کے لگ بھگ ہو، اکتوبر کا انقلاب روس ہی انقلاب' ماسکو سوشلزم کا گھر، اور لینن اور اس کے ساتھی صحیح مثالی رہنما تھے۔ لیکن بیس برس بعد ویتنام میں پیدا ہونے والے کسی انقلابی کا یہ موقف نہیں ہو سکتا۔ جب یہ شخص چالیس برس کا ہوتا ہے تو چینی کمیونزم کی جدوجہد اور آخر میں اس کی فتح اس کے لئے زیادہ معنی خیز اس کی زندگی کے زیادہ قریب اور ایشیائی انقلابی کی حیثیت میں اس کی زندگی کا اٹل حصہ بن جاتی ہے۔

ہنوئی میں جس طرح کا تصادم موجود ہے وہ دو مختلف نسلوں کا تصادم نہیں ہے' بلکہ ایسے اشخاص کے درمیان ہے جو مختلف تاریخی حالات میں پلے بڑھے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ یہ سب اشخاص، خواہ ان کا مرکزِ نگاہ ماسکو ہو یا پیکنگ' پہلے لینن کو پڑھتے ہیں اور اس کے بعد مارکس کو'۔ یہ رائے ویتنام کے معاملات کے ایک ماہر

کی ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں گروہ نظریے سے زیادہ عمل کو اہمیت دیتے ہیں اور کمیونزم میں "قومی مسئلے" کو بھی شامل سمجھتے ہیں ۔ یہ سب کچھ "سرمایہ" کے مصنف کارل مارکس کے لئے بیگانہ تصور تھا ۔

ہوچی منہ کا وطنیت پہ واضح اصرار ("میرا واحد مقصد ویتنام کو آزاد دیکھنا ہے") ماسکو سے اس کے قریبی تعلقات رکھنے کی خواہش کا ثبوت ہے ۔ شمالی ویتنام میں سٹالن کے نظریے یعنی "کسی ایک قوم تک محدود سوشلزم" کے اطلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ اس لئے حالات ہو کو مشترکہ منصوبوں اور معاہدوں کی طرف قدم اٹھانے کی دعوت دیتے ہیں ۔ لیکن چین چونکہ قریبی ہمسایہ ہے اس لئے وہ گہرے فوجی اور سیاسی اثرات ڈال سکتا ہے ۔ البتہ ماسکو دُور ہے ۔ جغرافیائی قربت مختلف ملکوں کے درمیان، جن میں سوشلسٹ ملک بھی شامل ہیں، ہم آہنگی پیدا کرنے میں بے حد معاون ہوتی ہے ۔ اس لئے روس کی مدد اتنا بھاری بوجھ نہیں بن سکتی جتنا کہ چین کی مدد ۔

لیکن میکیاولی کے انداز کی اس سوچ سے قطع نظر، روس کے لئے ہو کی ترجیح نظریاتی اور جذباتی دونوں بنیادوں پہ استوار ہے ۔ اس پرجوش نوجوان پہ، جو دُنیا کو تبدیل کرنے کے اس قدر درپے ہے ۔ ۱۹۲۴ء کے ماسکو، پانچویں کانگریس کی فضا اور اس کے دوران زنوفیف ، بخارین اور ٹراٹسکی کے درمیان تبادلہ خیال سے جو گہرا اثر ہُوا ہوگا اسے جتنی زیادہ اہمیت دی جائے کم ہے ۔ اس زمانے میں اس نے جو مضامین لکھے ان میں مذہبی جوش و خروش ہے اور کمیونزم کے "مقام مقدسہ" کے دَورے کے اثرات اس پر اس وجہ سے اور بھی گہرے ہیں کہ پریزیڈیم نے اس کی وابستگیوں کو دائمی بنانے کے لئے اسے ذمّہ داریوں اور خطروں میں برابر کا شریک کر لیا ۔ کینٹن میں بوروڈن کے نائب کے طور پہ اس کا کام، اس کے بعد جنوب کے سمندر پار ممالک میں کامنٹرن کی نمائندگی اور پھر ہند چینی میں تمام انقلابی سرگرمیوں کی تنظیم و ترتیب نے اسے ناقابلِ شکست استقلال بخشا ۔

ایسا وقت بھی آیا جب اس کی وفاداری پہ بہت زیادہ بوجھ پڑنے لگا تھا ۔ ۱۹۳۴ء کے قریب معلوم ہوتا تھا کہ ماسکو کی توقعات لوہونگ فونگ اور ہاہوئی ٹاپ

جیسے نوجوان لیڈروں سے وابستہ ہو رہی ہیں۔ لیکن ۱۹۳۵ء میں، جب کامنٹرن نے قوم پرست اور ترمیم پسند تحریکوں کی معاونت کے ساتھ عوامی محاذ کی حوصلہ افزائی کا فیصلہ کیا تو ماسکو پر اس کے اعتماد کا اچھا اثر ہُوا۔ یہی فیصلہ دانشمندانہ تھا نہ کہ ۱۹۲۸ء کا، جس میں 'تیسری راہ' کے مطابق پرولتاری بائیں بازو کی حمایت تجویز کی گئی تھی۔ ماسکو کی بصیرت اور پرکھ پر ہو کا اعتماد پھر سے قائم ہو گیا۔

کیا یہ سب کچھ ہو کو بخارین کا پیروکار، دائیں بازو کا حامی یا خروشیف کا نقیب بناتا ہے؟ جی نہیں، ہو کو نظریاتی روشنی میں دیکھنا سرے سے غلط ہے۔ اسے بدلتے ہوئے حالات اور حل طلب مسائل کی روشنی میں ہی دیکھنا چاہیے۔ بعض مبصروں کا خیال ہے کہ وہ اعتدال پسندوں کے مقابلے میں بائیں بازو والوں کے ساتھ زیادہ سختی سے نپٹتا ہے۔ ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام کی مختصر تاریخ کا واحد بحران (۱۹۵۶ء-۵۷ میں) بائیں بازو کے لیڈر ترونگ چینھ کو عارضی طور پر عہدے سے الگ کرنے (بلکہ نچلے عہدے پر فائز کرنے) کی وجہ سے پیدا ہُوا، جس کے بعد اس کے قریب ترین ساتھی انگوین چی تھانھ کو تھوڑے عرصے کے لئے قید بھی کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات بھی بالکل درست ہے کہ نکیتا خروشیف کی صدارت کی پہلی میعاد (۱۹۵۷ء-۶۲ء) کے دوران ماسکو اور ہنوئی کے تعلقات بہت خوشگوار تھے اگرچہ بعد میں خروشیف کے اقوال و افعال پر ترمیم پسندی کے الزامات لگنے شروع ہوئے (۱۹۶۲ء-۶۴ء) تو یہ تعلقات کشیدہ ہو گئے اور معمولی سے زیادہ نہ رہ گئے۔

لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہو نے اس قسم کی ترمیم پسندی کا ذکر ہمیشہ ٹھنڈے دل سے کیا ہے، اس وقت بھی جب پیکنگ نے اس کی سخت لفظوں میں مذمت کی۔ ستمبر ۱۹۶۴ء میں بھی 'سوشلسٹ ممالک کے اندر ترمیم پسندی' کے بارے میں سوالوں کے جواب دیتے ہوئے اس نے محض اس رائے پر قناعت کی کہ 'انقلابی جماعتوں کے اس طرح کے اندرونی اختلافات ہمیشہ تسلی بخش انداز میں حل ہوتے رہے ہیں'۔ اور یہ کہ شمالی ویت نام اپنے طور پر 'ماسکو کے ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۰ء

کے اعلانات کے انقلابی اصولوں کا پابند ہے[1]۔

اگر روس کبھی شمالی ویتنام کے ضروری مفادات کو پس پشت ڈالے یا جنوبی ویتنام میں گوریلوں کے مقاصد سے لاپروائی برتے تو اس صورت میں ہو پیکنگ کا رخ اختیار کرے گا۔ اگر یہ ثابت کیا جا سکے کہ ویتنام کی نجات ریڈ گارڈز کے ساتھ وابستہ ہے تو وہ لن پیاؤ کے ساتھ مل جانے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ البتہ یہ اتحاد اس کے لئے بوجھ بن جائے گا۔

پیکنگ کے متعلق ہو کا رویہ دیکھنے کے لئے اگر چین میں اس کے گذرے ہوئے دنوں اور ذاتی یادوں پر انحصار کیا جائے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ ان میں سے کچھ یادیں بڑی تلخ بھی ہیں۔ اس سلسلے میں دونوں کے تعلقات کی تاریخ بیان کرنا زیادہ سودمند ہوگا۔ ویتنام کے قومی ہیروؤں میں سے دو تہائی ہیرو چینیوں کے ساتھ جنگوں میں مشہور اور ہر دلعزیز ہوئے (موجودہ ہنوئی میں انھیں منگول کہا جاتا ہے اور عموماً درست طور پر)۔ پی۔ جے۔ ہونی ہمیں چینی ویتنامی تعلقات، روسی پولش تعلقات اور برطانوی آئرش تعلقات میں ایک مماثلت دکھانا چاہتا ہے[2]۔ لیکن اس کا مطلب یورپی تعلقات کو، جن میں مذہب اہم کردار ادا کرتا تھا، ایشیائی تعلقات کی سطح پر لا کھڑا کرنا ہے، جو اقتصادی استحصال، فوجی طاقت اور تہذیبی عمل کے اصول پر قائم ہیں۔

اس کے علاوہ، جب بھی ہو پیکنگ کی طرف دیکھتا ہے تو ماوزے تنگ سے اس کا سامنا ہوتا ہے۔ اور یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ پرانے شکوک رفع ہو چکے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ اور وو انگوین گیاپ جنگ کی حکمتِ عملی سیکھنے میں عوامی جمہوریہ چین کے چیئرمین کے کس قدر مرہونِ منت ہیں۔ تروَنگ چنھ کے نزدیک، جو ویتنام کا سب سے بارسوخ ماؤ پرست ہے، "نوآبادیوں اور نیم نوآبادیوں

---

[1] "لوموند" ۱۵ ستمبر ۱۹۶۷ء۔

[2] "شمالی ویتنام میں کمیونزم" صفحہ ۲۸۔

ہیں انقلاب کے نظریے کے بارے میں ماؤ کے خیالات ہماری پارٹی اور صدر ہو کے لئے ملک کی سیاسی پالیسی وضع کرنے اور اس کے مقاصد متعین کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئے ہیں[۱]۔

لیکن جب ہو خود ماؤ کے بارے میں کچھ لکھتا ہے یا گفتگو کرتا ہے تو اکثر سرد مہری سے، بلکہ کبھی کبھی تو اس میں طنز کی آمیزش ہوتی ہے۔ وہ فروری ۱۹۵۱ء کی سیاسی رپورٹ میں، جو غالباً اس کے سیاسی تجزیے کا اہم ترین شاہکار ہے کہ اس میں اس کے افکار کی نزاکتوں کا بھرپور اظہار ہوا ہے، لکھتا ہے: "کامریڈ ماؤزے تنگ نے مارکس، اینگلز، لینن اور سٹالن کے نظریے کو ہنرمندانہ طریقے سے چینی شکل میں ڈھالا ہے، چین کی صورتِ حال پر اس نظریے کا اطلاق انتہائی تدبر سے کیا ہے اور چینی انقلاب کو مکمل فتح سے ہمکنار کرایا ہے[۲]۔" دوسرے الفاظ میں ماؤ دوسروں کے افکار کو اپنے انداز میں ڈھال سکتا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب کسی غیر ملکی سیاح نے ہو سے پوچھا کہ کیا آپ نے 'چیئرمین ماؤ کی طرح' مضامین لکھنے اور کتابیں شائع کرانے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تو اس نے مہمان کو آنکھ مار کر کہا: "اگر کوئی موضوع چیئرمین ماؤزے تنگ سے بچ سکا ہے تو مجھے بتا دو، میں اس خلا کو پاٹنے کی کوشش کروں گا......"

ہو جانتا ہے کہ جہاں تک نظریات و خیالات کا تعلق ہے وہ 'سرخ کتاب' کے مصنف کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کیا اس لحاظ سے یہ کمتری اس کے لئے تکلیف دہ ہے؟ اس کا خیال یہ ہے کہ انقلاب کو منظم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ اس کے بارے میں لکھنے لکھانے کی۔ ماؤ نے ہی ایک بار کہا تھا۔ "طاقت بندوق کی نالی سے نکلتی ہے" اور اس کا ویتنامی دوست بھی نشانہ بازی کے کسی کتابچے پر بندوق کے بارود کو ترجیح دیتا ہے۔

۱۔ 'ویتنام میں کمیونزم'، صفحہ ۲۲۱۔

۲۔ 'منتخب مضامین'، صفحہ ۲۴۱۔

علاوہ ازیں ہو چینی پیش قدمیوں سے صاف طور پر کتراتا ہے۔ ہنوئی ۱۹۵۴ء اور آخر ۱۹۵۶ء کے اختتام کے درمیان شاید پیکنگ کے نقشِ قدم پر چلا ہو۔ لیکن بعد میں بہت حد تک، خاص طور پر صدر کی جانب سے، محتاط رویہ اختیار کر لیا گیا۔ یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل کے ایک نامہ نگار سے انٹرویو میں، جو جنوری ۱۹۵۹ء میں شائع ہؤا اس نے صاف طور پر کہا کہ ' میرا ملک عوامی جمہوریہ چین کی پیروی کرنے کا کوئی فوری ارادہ نہیں رکھتا'۔ ان دنوں چین 'آگے کی طرف عظیم جست' کے ابتدائی نتائج بھگت رہا تھا۔ ہو نے یہاں تک کہہ دیا کہ سال کے دوران مشرق و مغرب کی کشیدگی میں کمی ہو جانے کی توقع ہے۔ گویا اس کے خیالات کی عام روش ماؤ کے مقابلے میں خروشیف کے زیادہ قریب ہے۔

جولائی ۱۹۶۴ء میں فرانسیسی ٹیلی ویژن کے نمائندہ خصوصی دانیال ہیون بیل کے ساتھ ایک انٹرویو کے دوران اس کی گفتگو اور بھی واضح تھی۔ اس نے سوال کیا کہ آیا شمالی ویتنام کے الگ تھلگ رہنے سے اس کا چین کے زیر اثر آ جانا ناگزیر نہیں ہو جاتا۔ اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور فوراً جواب دیا 'ہرگز نہیں'۔

طبعاً ایسا قوم پرست ہونے کے علاوہ جو ویتنام میں چینی اثرات کے نفوذ کے بارے میں بڑا محتاط ہے، اور ایسا تجربہ پسند، جو ہمیشہ نظریاتی انداز کے بارے میں کسی قدر مشکوک رہا ہے، ہو یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انقلاب کے ساتھ طویل تعلق کے باعث اسے ماؤ، چو این لائی اور لن پیاؤ جیسے اشخاص پر فضیلت حاصل ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی ۱۹۲۴ء میں انٹرنیشنل کی پانچویں کانگریس میں شرکت نہیں کی۔ جب 'انگوین اے کوک' — جو نوجوان چینی کمیونسٹوں کے گروہ کو محض کومنتانگ کا بایاں بازو گردانتا تھا[۱] — فرانس کی کمیونسٹ پارٹی کے نمائندے کی حیثیت میں ماسکو گیا تو چو اس وقت محض ایک نوجوان طالب علم کارکن تھا۔ اس زمانے میں یہ مقام اور یہ ذمے داری کسی بھی چینی کے لئے قابلِ رشک رہی ہو گی۔ لن پیاؤ اس وقت ابھی نوجوانی کے دور میں تھا اور ماؤ ایک اعلیٰ صوبائی لیڈر۔

ہو اتنا ذہین ضرور ہے کہ وہ محض سینیارٹی کو انقلابی منصب کے لئے مضبوط جواز قرار نہیں دے سکتا۔ لیکن یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ وہ ایک ایسی چھوٹی سی قوم کا

---

۱ 'نوپاریا' ۷، اگست ۱۹۲۵ء

لیڈر ہے جسے ایک عرصہ چین کے لوگ، جنھیں اپنی زیادہ تعداد اور نسلی قدامت پر بڑا فخر ہے، حقارت سے دیکھتے رہے ہیں۔ اس حد تک ہو یہ جتا دینا چاہتا ہے کہ سوشلسٹ انقلاب کی تاریخ میں ایشیا کے کسی اور لیڈر کی جڑیں اتنی گہری نہیں جتنی اس کی ہیں۔

ہو کے ماسکو سے تعلقات اور پیکنگ سے سرد مہری کا رویہ لاؤ دونگ کے اکثر اراکین کے خیالات سے ہم آہنگ نہیں، یہاں تک کہ پارٹی کے تمام رہنما بھی اس سے متفق نہیں ہیں۔ بہت سے ویتنامی محسوس کرتے ہیں کہ روسی انقلاب کے ساتھ ان کا رشتہ دُور کا ہے لیکن وہ اس دوسرے انقلاب میں بہت انہماک کا اظہار کرتے ہیں جو ان کی سرحدوں کے اس پار چین میں برپا ہے۔ سوائے منگولیا کے، ایشیائی ممالک میں چین کا اثر و رسوخ، روس سے کہیں زیادہ ہے۔ اور ان کا یہ میلانِ خاطر اس وجہ سے اور زیادہ ہو جاتا ہے کہ ویتنام کا کلچر کسی نہ کسی طرح چینی کلچر سے مماثل ہے۔ اس کے علاوہ گزشتہ پچیس برس سے دونوں ممالک کے حکمران طبقے کو ایک ہی جیسے اقتصادی اور فوجی مسائل کا سامنا ہے۔

قصہ کوتاہ ایک مضبوط اور فعال رائے عامہ چینی اندازِ نظر کی بے کم و کاست حمایت اور دونوں ممالک کے انقلابوں میں زیادہ سے زیادہ تعاون پر زور دے رہی ہے۔ اس گروہ کا مانا ہوا لیڈر تروونگ چنھ ہے، جو ٹانکن کی افسر شاہی کے ایک رکن کا بیٹا ہے اور ایک ایسا دانشور جسے بیک وقت فرانسیسی اور چینی کلچر پر یکساں مہارت حاصل ہے۔ ایک طویل عرصے تک وہ آئی۔ سی۔ پی کا جنرل سیکرٹری رہا، پھر ویت منھ کے نظریاتی ترجمان 'دی ری پبلک' کا ایڈیٹر بن گیا۔ اس کے بعد اس نے ایک کتاب بعنوان 'مزاحمت فتحیاب ہو گی' لکھی، جو ویتنام کے گوریلوں کے لئے بائبل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں وہ لاؤ دونگ کا جنرل سیکرٹری مقرر ہوا لیکن ۱۹۵۶ء کے آخر میں جلد بازی سے کی جانے والی زرعی اصلاحات کی ناکامی کے بعد ہٹا دیا گیا تاہم وہ پولٹ بیورو کا رکن رہا۔ وہ دو سال کے بعد قومی اسمبلی کی سٹینڈنگ کمیٹی کا چیئرمین مقرر ہوا، جس عہدے کے باعث اسے ملک کے وزیر اعظم پر فوقیت حاصل ہے۔

وہ پارٹی کے ایک ایسے گروہ کا سربراہ ہے، جسے آسانی کی خاطر 'چین کا حامی' کہہ دیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ہو کے مخالفین میں نہیں ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی کتاب 'قابلِ تعظیم صدر' (۱۹۶۶ء) جس کا میں نے کئی جگہ حوالہ دیا ہے، گمراہ کرنے کی سوچی سمجھی کوشش تھی اور مخالفت کے کانٹوں کو گلاب کی پتیوں تلے چھپانے کا حربہ۔ لیکن معاملہ یوں نہیں لگتا۔ حالانکہ کتاب میں ہو کی تقریروں سے کچھ ایسے اقتباسات اشارتاً پیش کئے گئے ہیں جن سے ہو سائنسی سوشلزم کا ناتراشیدہ اظہار کنندہ نظر آتا ہے مگر ہو یقیناً خوش ہوگا کہ لاؤ دونگ کا چینی گروہ —— اور حالات ایسے ہیں کہ اس گروہ کا وجود ناگزیر ہے —— ایک ایسے شخص سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، جسے ہو بخوبی جانتا ہے، جسے اس نے تربیت دی ہے اور جس کے ذہنی خواص سے (اور غالباً وفاداریوں سے بھی) وہ واقف ہے اور جو یقیناً (جیسا کہ ہم دیکھیں گے) ماؤ کے اندازِ نظر کی اندھی تقلید نہیں کرتا۔

اس اندازِ نظر کی حمایت کرنے والے —— یعنی بقائے باہمی کے چوکھٹے کے اندر رہتے ہوئے طویل مقامی جنگ کی حمایت کرنے والے —— اس بوڑھے لیڈر کے اور بھی کم حامی ہیں۔ ان میں سے زیادہ نمایاں پولٹ بیورو کے تین اور اراکین ہیں:- لو دوک تھو، جو پہلے جنوب میں مزاحمت کے رہنماؤں میں تھا اور اب ایک بڑا سیاسی نظریہ ساز اور اپنی تحریروں میں 'شکست خوردہ' ذہنیت پر شدید حملے کر چکا ہے[1]۔ دوسرا شخص انگوین دوئی ترنھ ہے، جو وزیرِ خارجہ ہے اور ایک زمانے میں دانشوروں کی ذہن شوئی کا نگراں تھا۔ تیسری شخصیت انگوین چی تھانھ ہے، جو فوج کا پولٹیکل کامیسار، فوجی حلقوں میں گیاپ کا واحد رقیب، اعلیٰ پائے کا خطیب اور ہوائے کا سابق سربراہ مزاحمت ہے۔ پولٹ بیورو سے باہر چار اور ہیں، جو اہم عہدوں پر فائز ہیں:- ٹریڈ یونینوں کا لیڈر

---

[1] اس کا ایک مقالہ، جو فروری ۱۹۶۶ء کے شروع میں شائع ہوا، ہنوئی میں 'کلچرل انقلاب' کی پیش گوئی کرتا نظر آتا ہے۔

ہوانگ کوک ویت، جو تیسری دہائی سے بائیں بازو میں ہے اور ویتنام کی فعال سیاست میں واحد شخص ہے جو ہو کے طویل تجربہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ہوانگ وان ہوان پیکنگ میں سفیر رہا ہے اور صدر کے 'زیرِ زمین' رہنے کی مدت میں اس کا ساتھی تھا اور تو ہو عمدہ شاعر اور نڈر محتسب ہے اور اُس کے نظریات (وقت سے کئی سال پہلے!) شاید اب بھی وہی ہیں جو ریڈ گارڈز کے ہیں۔

شمالی ویتنام کے نوجوان شہریوں میں سے اکثر چینی انقلاب کے ارتقا کی رفتار کو اپنی پسند کے عین مطابق پاتے ہیں۔ فوج کا تربیت یافتہ عملہ عمدہ خیالات حاصل کرنے کے لئے سرحد کے اس پار نظر دوڑاتا ہے۔ اور صنعت کے ماہرین منچوریا میں چین کی کامیابیوں کے خواب دیکھتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں جو ہو کے لئے ماسکو اور پکنگ کے درمیان توازن قائم رکھنے کی حکمتِ عملی کو آسان بنا سکے۔

دوسری طرف ویتنامیوں کی ایک قابلِ ذکر تعداد ایسی بھی ہے جو روس سے دوستی کی پالیسی کو برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ یہ لوگ ماؤ ازم کی کامیابیوں کو تحسین کی نظروں سے دیکھتے ہیں، لیکن اس میں چینی غلبے کے شکوک ملے ہوتے ہیں۔ اس گروہ کا، جو اتنا مختصر نہیں جسے نظر انداز کیا جا سکے، سربراہ جنرل گیاپ ہے، جو واحد ویتنامی رہنما ہے جس کی عزت و شہرت کا موازنہ صدر سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کی پر اثر شخصیت اور تخیلی قوت اسے اپنی ذات میں ایک داستان بناتی ہے اور اسے ویتنام کا ٹراٹسکی قرار دینے کے لئے معقول دلائل موجود ہیں، اگرچہ ہنوئی میں اس طرح کا لقب اس کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوگا۔

وو انگوین گیاپ اگرچہ 'لانگ مارچ' والے چینی لیڈروں سے جنگ کی حکمتِ عملی سیکھنے کا مرہونِ منت ہے ___ اور وہ اس استفادے کا اعتراف کرتا ہے ___ لیکن اس کے باوجود وہ کبھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ اس کا ملک اسی طرح چین کے زیرِ اثر آ جائے جیسے ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۰ء تک مشرقی یورپ کی جمہوریتیں روس کے زیرِ اثر رہیں۔ وہ ایشیا کے ان انقلابیوں میں سے ہے جو روس کے لیڈروں کا کشادہ دلی سے استقبال

کرتے ہیں، ایسی ہی کشادہ دلی سے جس کا مظاہرہ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں وارسا اور ۱۹۶۶ء میں بخارسٹ کے لوگوں نے چو این لائی کے استقبال کے موقع پر کیا تھا۔ گیاپ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تروُنگ چِنھ (جو دوسرے گروہ کا لیڈر ہے) کا مخالف ہے، جس کی وجہ سے اسے قدرتاً اس "قومی کمیونسٹ" گروہ کا لیڈر سمجھا جاتا ہے، جو چین کی محافظت کو تباہی کے مترادف خیال کرتا ہے، جس سے بہرصورت احتراز لازمی ہے۔ شاید یہ محض قیاس ہو لیکن اعمال و اقوال سے اس کی تائید کرنے والوں کی تعداد بھی کم نہیں۔

اس گروہ کا دوسرا ممتاز ترین لیڈر وزیر اعظم فام وان دونگ ہے۔ اس نے تمام وفادار شاگردوں کے انداز میں اپنے استاد ہو کے رویے کو اور شدید کر دیا ہے۔ جبکہ ہو خود پیکنگ سے تعلقات ٹھیک ٹھاک رکھتا ہے، دونگ چینیوں کے بارے میں ذرا سی تلخی کا بھی اظہار کر دیتا ہے۔ پھر بھی اسے اپنے آپ پر اتنا قابو ہے اور وہ ہو کا اتنا وفادار ہے کہ اس قسم کے مناظروں میں نہیں الجھتا۔

اس کے دو اور قریبی دوست بھی اسی رائے کے حامل ہیں۔ اول فام ہنگ، جو نائب وزیرِ اعظم ہے اور جسے ہو پولیٹ بیورو میں اس لئے لایا کہ تروُنگ چِنھ کے —— اس زمانے میں —— بڑھتے ہوئے اثرات کو متوازن کیا جا سکے، دوسرے انگ وان کھیم، جو اب وزیر داخلہ ہے اور پہلے وزیر خارجہ تھا۔ روسی گروہ میں بزرگ شخصیت نائب صدر تون دوک تھانگ کی ہے (جنھوں نے ۱۹۱۷ء کے بحیرہ اسود کی بغاوت میں آندرے مارتی کے ساتھ حصہ لیا) اور ماہرِ اقتصادیات لو تھان انگھی بھی اس میں شامل ہیں۔

لیکن پارٹی کے سیکرٹری لودواں کا رویہ الجھن کا باعث ہے۔ چونکہ اسے اس کلیدی عہدے پر ستمبر ۱۹۶۰ء میں ایسے دور میں ترقی دی گئی جب روس کا اثر بڑھ رہا تھا اس لئے پی۔ جے۔ ہونی جیسے تجربہ کار مبصر اسے گیاپ اور دونگ کا ہم خیال تصور کرتے ہیں۔ (ہونی یہ بھی کہتا ہے کہ لودواں اس وجہ سے اس گروہ کا حامی ہے کہ وہ لودوک تھو کو ناپسند کرتا ہے، جو پندرہ برس سے مخالف گروہ کے رہنماؤں میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن مقصد کچھ مصنوعی معلوم ہوتا ہے۔)

درحقیقت جنوبی ویتنام کے سنگین مسئلے کے متعلق لو دواں کا خیال انتہا پسند گروہ کے نظریے سے ملتا جلتا نظر آئے گا۔ کیونکہ اس نے اس سلسلے میں شدید انقلابی حکمتِ عملی اور شمالی ویتنام کو امکانی حد تک جنوبی ویت نام کی مدد کا پابند کر دینے کی حمایت کی ہے۔ لیکن بعض مسائل مثلاً اجتماعیت کی رفتار اور پیکنگ اور ماسکو کے درمیان نظریاتی غیر جانبداری قائم رکھنے کی ضرورت کے متعلق وہ پارٹی اور انتظامیہ کے وسط میں کھڑا ہے اور اپنے روابط اور اعتدال کی طرف فطری میلان کے باوجود توازن کے اس نقطۂ نظر کے بہت قریب نظر آتا ہے۔ جو ہو کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔

اس طرح صدر ہو اپنی پارٹی کے مضبوط ترین رکن کے تعاون سے روس اور چین کے حامی عناصر کے درمیان توازن قائم رکھتا ہے۔ اگر اس کا ذاتی رجحان کچھ زیادہ ہی ماسکو کی طرف ہو جائے تو لو دواں اسے فوراً کھینچ کر بالکل وسط میں لے آئے گا، جو صدرِ مملکت اور ویتنامی قوم پرست کی حیثیت میں اس کا صحیح مقام ہے کیونکہ ماسکو اور پیکنگ کے درمیان شدید ترین جدلیاتی ٹکراؤ سے بچ کر ہی ویتنام کے لیڈر 'ویتنامی راستے' کے ساتھ اپنے بنیادی لگاؤ کو زندہ رکھ سکتے ہیں اور اسے بہتر بنا سکتے ہیں۔

•

'ویتنامی راستے' کا تعین کرنے اور اس پر چلتے رہنے کی کوشش میں ہو اور اس کے ساتھی جن پیچیدہ راہوں سے گذرے ہیں ——— وہ روسی ترمیم پسندی اور چینی 'اصول پرستی' اور مقابلتاً 'پر امن بقائے باہمی اور 'طویل المیعاد جنگ' کی طرف رغبت کے درمیان کا راستہ ہے ——— انھیں چار نمایاں ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔ ۱۹۵۴ - ۵۷ء 'چینی' دور۔ ۱۹۵۷ - ۶۱ء 'روسی' دور۔ ۱۹۶۱ - ۶۴ء خروشیف پسندی کے الزامات اور 'پر امن بقائے باہمی' کے متعلق کچھ خوش فہمیاں۔ ۱۹۶۵ - ۶۷ء بالکل وسط کی طرف واپسی ——— ماسکو اور پیکنگ کے درمیان 'غیر جانبدارانہ' رہنے کے لئے نہیں بلکہ دونوں سوشلسٹ محاذوں کے درمیان خلیج کو پاٹنے کے لئے۔

یہ بالکل فطری امر تھا کہ جینوا کانفرنس کے بعد شمالی ویتنام چینیوں سے مدد لے۔ یہ درست ہے کہ اس سے پہلے انہوں نے دونوں محاذوں سے برابر برابر مدد حاصل کی تھی۔ لیکن

انھیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ ماسکو نے سرکاری طور پر ان کی حکومت کو پانچ سال کے بعد تسلیم کیا ہے۔ اس کے علاوہ جینوا میں مذاکرات کے وقت اس بات کا قیاس کیا جاتا تھا کہ روس اور چین نے اپنی ذمے داریوں کو بانٹنے کا فیصلہ کیا ہے اور ایشیائی معاملات میں چینیوں کو زیادہ ذمے داری سونپی گئی ہے۔

اگر ہنوئی نے ایسے وقت پر جب کمیونسٹ دنیا کے دو عظیم صدر مقامات کے تعلقات پُرسکون — اتنے پرسکون جتنے کہ دو اتحادیوں کے درمیان ممکن ہو سکتے ہیں — لگتے تھے، یہ راہ انتخاب کی۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ نتیجتہً ہو اور اس کے ساتھیوں نے عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ اپنے جنگ کے زمانے کے تعلقات کو امن کے تقاضوں پر استوار کیا، البتہ احتیاط سے کام لیا، جس کا ان کا قومی افتخار متقاضی تھا۔

اس عرصے میں سارے ملک میں "چین اور ویتنام کی دوستی کی انجمنیں" قائم کی گئیں اور ان کی حوصلہ افزائی کے لئے پروپگنڈے کی ایک مہم شروع کی گئی۔ اور ہنوئی نے زرعی اصلاحات کی رفتار تیز کر کے اور "سو پھولوں" والی حکومت کے عمومی سانچے کا تتبع کر کے پیکنگ کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کیا۔ لیکن پہلے طریقِ کار کی تہ میں موجود بائیں بازو والا انداز اتنا ہی خطرناک ثابت ہوا جتنی کہ دوسرے طریقِ کار میں موجود دائیں بازو والوں کی ابن الوقتی۔ "ترقی کی طرف عظیم جست" انگھ این (ہو کا صوبہ) کے کسانوں کی بغاوت پر منتج ہوئی اور اسے دبانے کے لئے جو تشدد کیا گیا اس میں ہزارہا جانیں تلف ہوئیں۔ اس دوران میں "سو پھولوں" نے دانشوروں میں اس قدر خوش فہمیاں پیدا کیں کہ ۱۹۵۶ - ۵۷ء میں قوم کے مصنفوں نے واقعی حکومت کو للکارنا شروع کر دیا۔ آزاد خیال رسالے نھان وان (علم و ادب) کی اشاعت، جس کا ایڈیٹر فان کھوئی تھا — جو ترقی پسند نظریے کا بزرگ عالم، ایک قسم کا ادب کا ہوچی منھ، تھا — بند کر دی گئی۔ ۱۹۵۷ء کے شروع میں چینی اندازِ نظر کی نقالی نے شمالی ویتنام کو ایک خطرناک اور دہرے بحران میں دھکیل دیا۔ زرعی اصلاحات کے ذمہ دار لوگوں کی خونیں زیادتیوں نے لیڈروں اور عوام کے باہمی تعلقات تقریباً منقطع کر دیئے۔

پارٹی پر اس بحران کے گہرے اثرات ہوئے۔ ہو نے ترونگ چنھ کو لاؤ دونگ کے جنرل سیکرٹری کے عہدے سے الگ کر دیا اور اس کی ذمہ داریاں خود سنبھال لیں تاکہ عوام کا اعتماد بحال کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ نومبر ۱۹۵۶ء میں جنرل گیاپ کے ذمہ ایک بڑی خود انتقادی تقریر کرنے کا کام لگایا کہ حالات کا یہی تقاضا تھا۔ اس تقریر نے ایک ایسی فردِ جرم کی شکل اختیار کر لی جس میں تسلیم کیا گیا تھا کہ "سنگین اور مسلسل غلطیاں" ہوئی ہیں جنھوں نے ملک کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ وارسا میں چند ہفتے پہلے گوملکا نے نیٹو ممالک کے بارے میں شاید ہی اس سے زیادہ سخت الفاظ استعمال کئے ہوں۔ قصہ کوتاہ ہنوئی کے لئے نئے سرے سے مراکزِ نظر بنانے کا وقت آ گیا تھا۔ اور ہنگری کی بغاوت کو دبانے سے ویتنام کے لوگوں پر بھی ناگوار اثر پڑنے کے باوجود ہو اور اس کے ساتھیوں نے ماسکو سے قریبی تعلقات استوار کرنے کے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔ چنانچہ صدر نے ۱۹۵۷ء کے اختتام پر مشرقی یورپ کا سفر کیا اور نومبر میں روسی انقلاب کی سالگرہ کی تقریبات میں شرکت کی۔

لیکن چین نواز گروہ یا اس گروہ نے، جو گذشتہ دو سالوں سے پیکنگ سے قریبی تعلقات پیدا کرنے کی پالیسی پر گامزن تھا، شکست تسلیم نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ہو ویتنام سے باہر گیا تو ہنوئی میں حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ پی۔ جے۔ ہونی کے بقول گیاپ قومی زندگی سے کئی ہفتوں غائب رہا۔ اور اکتوبر کے انقلاب کی تقریبات پر انگوین دوئی ترنھ نے ایک تقریر کی جس میں چین کے بے شمار حوالے دیئے گئے۔ مگر روس کا کوئی ذکر نہیں ہوا[1]۔ لیکن ان واقعات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ جونہی صدر یورپ سے واپس آیا، حالات معمول پر آ گئے۔

"روس نواز" رجحان ۱۹۵۷ء کے آخر میں شروع ہوا، ۱۹۵۹ء میں نقطہ عروج پر پہنچا اور ۱۹۶۲ء کے قریب زوال پذیر ہو گیا۔ اس کی ابتدا چینی طریقِ کار کی ویتنام میں ناکامی سے ہوئی، اس کا عروج اس وجہ سے ہوا کہ خود چین میں "ترقی کی طرف عظیم جست"

---

[1] پی۔ جے۔ ہونی "ڈی۔ آر۔ وی (شمالی ویتنام) لیڈر اور جانشینی کا مسئلہ"۔ چائنا کوارٹرلی۔ سرما ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۳

(۱۹۵۹-۶۰ء) کے نتائج تباہ کن نکلے اور ۱۹۶۰ء کی تخفیفِ اسلحہ کانفرنس سے لے کر کیوبا کے ۱۹۶۲ء کے بحران تک خروشیف کی مسلسل شکستوں کی بنا پر تباہی کی حد تک کمزور ہو گیا۔

اس تمام عرصے میں ہو نے سوویت یونین کے بارے میں اپنے دوستانہ خیالات مسلسل تقریروں کے ذریعے ظاہر کئے اور روس کو خراج تحسین پیش کیا اور اسے "سوشلسٹ اقوام کا رہنما" قرار دیا اور اس دوران چین کا بالکل ذکر نہ کیا۔ لیکن وہ حکمت عملی کا اتنا ماہر ضرور تھا کہ دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کے توازن کو بگاڑنا نہیں چاہتا تھا، جو ایک بار پہلے ۱۹۵۴-۵۷ء کے درمیان ماؤ پرست ویتنامیوں کے ضرورت سے زیادہ جوش و خروش کے باعث درہم برہم ہو گیا تھا۔ اور جب ان دو بڑے کمیونسٹ ممالک میں کشیدگی بہت بڑھ گئی تو اس نے پوری پوری کوشش کی کہ ویتنام کی حیثیت غیر جانبدار ملک کی سی رہے۔

ستمبر ۱۹۶۰ء میں لاؤ دونگ نے ہنوئی میں تیسری کانگریس منعقد کی۔ اس میں روسی مندوب میکتدنوف کا استقبال نمایاں طور پر چین کے مندوب لی فوچن سے زیادہ پرجوش تھا۔ ساری کانفرنس میں روس کی حمایت کی سرگرم فضا موجود رہی[1]۔ کچھ لوگوں کا خیال ہو گا کہ اگر ملک کے دونوں حصوں کو ملانے کے لئے جنگ پر زور دیا گیا، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہنوئی کو جنوبی ویتنام میں دیم کے مخالف گوریلوں کی امداد میں فوری اضافہ کرنا ہو گا، تو چینی دلائل زیادہ پُر اثر ثابت ہوں گے۔ لیکن اس طرح کی امداد مہیا کرنے کا فیصلہ ماؤزے تنگ کے حوالے کے بغیر بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ اول تا آخر ویتنام ہی کا معاملہ ہے۔

تاہم ماسکو اور پیکنگ کے بڑھتے ہوئے کشیدہ تعلقات سے، جس کا اظہار ان ممالک کے مندوبین نے اپنی تقریروں میں کیا ہو کو بہت صدمہ پہنچا۔ کانگریس کے اختتام سے پہلے ہو نے مسکراتے ہوئے دونوں ملکوں کے مندوبین کے ہاتھ پکڑ لئے اور سفارتی نمائندوں

---

[1] پی۔ جے۔ ہونی "شمالی ویتنام پارٹی کانگریس" چائنا کوارٹری، دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۷۲۔

کے سامنے، جنھیں اس پر یقین نہیں آ رہا تھا، جمع شدہ مندوبین سے درخواست کی کہ "مل جل کر آگے بڑھنے" قسم کے گیت میں اس کے ساتھ شریک ہوں۔

دو ماہ کے بعد وہ اکیاسی کمیونسٹ پارٹیوں کی کانگریس میں شرکت کے لئے ماسکو گیا۔ اس نے ماسکو اور پیکنگ کے درمیان ان بن کو روکنے کی کوشش کی، کچھ دور تک چو این لائی کے ساتھ چلا لیکن اس کے باوجود ثالث ہی بنا رہا۔ اس کے خیالات تعظیم کے ساتھ سُنے گئے۔ لیکن اس کا ملک اس قدر مفلس اور اتنا دور تھا۔۔۔۔۔۔کہ وہ نہ تو اس موقع پر، اور نہ ہی اگلے سال روس کی کمیونسٹ پارٹی کی کانگریس کے انعقاد کے وقت، جس کے دوران اس نے البانیہ کی پارٹی کی سرکاری طور پر مذمت کرنے والی قرارداد پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا، سمجھوتے کا کوئی قابلِ قبول حل پیش کرنے میں کامیاب ہو سکا۔

چھ ہفتوں کے بعد میں اسے ہنوئی میں ملا۔ اس نے سختی سے اس 'نفاق' کو زیرِ بحث لانے سے انکار کر دیا۔ قریب ہی ایک عمارت میں عوامی جمہوریہ البانیہ کے متعلق ایک بڑی نمائش کا اہتمام تھا۔ جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متوجہ کیا وہ تھی صدر کی ایک سرکاری تصویر جو ہر جگہ دو اور تصویروں کے درمیان لٹکائی گئی تھی اور وہ تصویریں تھیں 'کو۔ رت۱۔ سوپ' اور 'ماؤ تراش دونگ۲' کی (یہ ان کے ویتنامی ہیجے ہیں)۔

اب روس نواز دور 'تیسرے راستے' میں تبدیل ہو رہا تھا۔ اس کی ایک بڑی سادہ وجہ تھی۔ اب جبکہ ماسکو اور پیکنگ کے درمیان پھوٹ بڑھ رہی تھی ہنوئی کے سامنے اور کوئی راستہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ چین کے قریب آ جائے —— تاہم ان کی حاکمیت قبول کئے بغیر۔ ویتنام کے لیڈر روسی نقطۂ نظر کو اب بھی کسی حد تک کم یا زیادہ ہمدردی کی نظر سے دیکھتے ہوں گے لیکن وہ پیکنگ کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ اس طرح سے ان کے خارجی تحفظ اور داخلی توازن کو خطرہ پیدا ہو جاتا۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ تصادم لاؤ دونگ کی اندرونی کشیدگیوں کو انتہائی حد تک پہنچا دیتا۔ اس لئے ضروری تھا کہ چینی اندازِ نظر کی طرف محتاط اور مشروط انداز میں لوٹا جائے۔

اب 'تیسرا دور' شروع ہوا، جو 'تیسرے راستے' پر گامزن ہونے کی بدولت رفتہ رفتہ

---

۱ خروشیف ۲ ماؤزے تنگ (مترجم)

دریافت ہوا - اور یہ تھا ویتنامی راستہ - ابتدا میں ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۴ء کے درمیان پیکنگ سے تعلقات کی تجدید کا کام "روس نواز" گروہ کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا - ایسا لگتا تھا کہ صدر کا ستارہ غروب ہو رہا ہے - اس کے بارے میں بہت کم کہا یا سنا جاتا تھا - اس نے تقریریں کرنا اور انٹرویو دینا چھوڑ دیا تھا - پھر یہ افواہیں گشت کرنے لگیں کہ گیاپ تنزل کی زد میں آ گیا ہے یا آ رہا ہے - اس کے حریف انگوین چی تھانھ کو اس کے برابر کا عہدہ دے دیا گیا -

نتیجتاً ۱۹۶۴ء کی ابتدا میں پھر چین کا گہرا نفوذ نظر آنے لگا - جنوری میں لاؤ دونگ کی جنرل میٹنگ کے اختتام پر ایک بیان شائع کیا گیا، جو اگر پیکنگ میں شائع ہوتا تو بلا پس و پیش قبول کر لیا جاتا - اس میں صرف جدید ترمیم پسندی پر حملے کئے گئے تھے - اس کے علاوہ "ٹیٹو کے ٹولے" کے بارے میں وہی اصطلاحات استعمال کی گئی تھیں جو "لومانیتے" میں ۱۹۴۹ - ۵۰ء میں شائع ہوئی تھیں - لیکن "انتہا پسندی" یا "بائیں بازو کی مہم جوئی" کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں تھا -

جس چیز نے اس بیان کو اور بھی یادگار بنا دیا وہ یہ تھی کہ یہ لو دواں کا تحریر کردہ تھا، جسے روس نواز دور کے نقطۂ عروج کے وقت ۱۹۶۰ء کی کانگریس کے دوران جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا - لیکن یہ اہم شخصیت جو ترونگ اب اس گروہ کے ساتھ مل کر، ترنگ چنھ کے گرد جمع ہو گیا تھا، چینی اندازِ نظر کی پیروی کرتی معلوم ہوتی ہے - ہو اور دونگ کے داخلی عقائد کے متعلق ہمارا خیال کچھ ہی کیوں نہ ہو، نظریاتی طور پر تمام لیڈر ایک متحدہ محاذ میں منسلک نظر آتے ہیں -

تاہم موسمِ بہار تک پھر سے توازن کی پالیسی کی طرف واپسی کی علامتیں ظاہر ہونے لگی تھیں - اسی لو دواں کو ماسکو بھیجا گیا کہ معلوم کرے کہ اگر جنگ کو شمالی ویتنام تک پھیلانے کی امریکی دھمکیوں پر عملدرآمد کیا گیا تو روس کا رویہ کیا ہو گا - کہا جاتا ہے کہ ہنوئی کو جس قسم کی یقین دہانی کی اُمید تھی وہ روس نے دے دی - اسی دوران مئی کے مہینے میں "ایک خاص سیاسی کانفرنس"، شمالی ویتنام کے صدر مقام میں منعقد ہوئی - اس دفعہ کاروائی کے

خلاصے کے متعلق بیان کی تحریر کا کام ہو پر چھوڑ دیا گیا۔ اس کے الفاظ ضبط اور توازن کی عمدہ مثال تھے؛ وہ ضبط اور توازن جو گذشتہ بیس برس سے اس کی سیاسی زندگی کا خاصہ تھے۔ ان میں شمالی ویتنام کے کارکنوں کو بائیں بازو کے عدمِ اعتدال اور دائیں بازو کی ابن الوقتی سے خبردار کیا گیا تھا۔

لیکن اس بات کا خطرہ موجود تھا کہ جنگ کا دائرہ وسیع ہو جانے کی وجہ سے ہو اور اس کے ساتھیوں کی نفیس توازن قائم کرنے کی چال الٹ نہ جائے۔ تشدد کے واقعات پُرامن بقائے باہمی کے حامیوں کو کبھی فائدہ نہیں پہنچاتے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ خاص طور پر ۱۹۴۵ - ۵۴ء کے درمیان اس سے زیادہ ڈرامائی بحرانوں سے بھی بچ نکلا تھا۔

۱۹۶۵ء میں اس کی قدر و منزلت کا پوری طرح احیاء ہوا۔ طوفان کے نقطۂ عروج پر عوام نے ہی نہیں عملے کے ارکان نے بھی اس بزرگ لیڈر کے بلند اخلاقی منصب اور متانت کی پھر سے ضرورت محسوس کی۔ اس بات کی کسی نے پرواہ نہ کی کہ وہ ترمیم پسند ہے یا نہیں۔ حقیقی خطرے کے سامنے اس بات کی کیا اہمیت ہے کہ کس پر کون سی مُہر لگی ہے۔ بابائے قوم پھر بلندیوں پر پہنچ رہا تھا اور اس کی زیرِ نگرانی 'ویتنامی راستہ' اپنی صحیح سمت اور توازن پانے لگا۔

ہنوئی سے شائع ہونے والے سرکاری اور نیم سرکاری بیانات اس بات کا کافی بڑا ثبوت ہیں کہ ویتنامی اپنی اصلی آزادی کو مستحکم کرنے کی پالیسی پر گامزن تھے۔ مثال کے طور پر ستمبر ۱۹۶۶ء کے 'ہوک ٹاپ' ('مطالعے') کا شمارہ ملاحظہ ہو، جو لاؤ دونگ کا نظریاتی ترجمان ہے۔ اداریے میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ پارٹی کو تخلیقی سرگرمیوں پر توجہ دینی چاہیے۔ اس میں خاص طور پر بتایا گیا ہے کہ :-

"غیر ملکوں کے تجربات کا مطالعہ ضروری ہے۔ لیکن ہم اپنے ملک کے تجربات کو نظرانداز کر کے محض ان تجربات کے مطالعے کے مخالف ہیں ..... انتہاپسند رجحانات کو رد کر دینا چاہیئے اسی طرح عملیت کے نظریات بھی۔ نظریات کے مطالعے کے ذمہ دار چند کامریڈ احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔ وہ ہمارے اپنے ملک کے حقائق کا بغور مطالعہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔"

ایک اور مقالے میں جو ماسکو کے ۱۹۶۰ء کے اعلان کے بارے میں ہے (جس کا پیکنگ میں بڑی سرد مہری سے استقبال کیا گیا) تروتنگ چنھ خود کہتا ہے:۔ "سوشلسٹ محاذ اور سامراجی محاذ کے درمیان جنگ ہمارے وقت کی اہم بنیادی جنگ ہے۔" (جو خود ماؤ کے اصلی یا کم از کم جدید ترین نظریئے کے مطابق نہیں ہے)۔ آخر میں تزان ہیو کا ایک مضمون جمہوریت کی جانب سے استدلال کی حیثیت رکھتا ہے اور نوکر شاہی اور آمریت کے خلاف ہے:۔ "بعض سوشلسٹ دوستوں کے خیال کے برخلاف میں یہ کہوں گا کہ پارٹی سے وفاداری کسی شخص کو قانون کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں کر دیتی ..... اوپر سے نیچے کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ہمیں نیچے سے اوپر کی نگرانی بھی کرنی چاہیے۔"

کیا ویتنام کی وفاداریاں ماسکو سے ہیں؟ پیکنگ سے ہیں؟ جی نہیں۔ حکومت، پارٹی، اور عوام کی وفاداریاں واضح طور پر ہنوئی کے ساتھ ہیں۔ لیکن جہاں ایک طرف چین میں ریڈ گارڈز تاریخی کتابوں کو تین این مین (یا آسمانی امن) کے چوک سے چند ہی گز کے فاصلے پر جلا رہے ہیں، ہنوئی میں کتاب خانوں کے ناظم سترھویں صدی کے مسودوں کی، جو شہر سے باہر نہیں لے جائے جا سکتے[1] مائیکرو فلم تیار کرواتے ہیں، تاکہ اگر کوئی گوریلا جنگجو اپنے ثقافتی ورثے کا مطالعہ کرنا چاہے تو انگو ین دو کی تحریروں کی شکل میں پڑھ سکے۔ ہنوئی وہ شہر ہے جہاں چینی حکمرانوں کے کڑے اعتقادات و ہدایات کے نمونوں کو اپنانے کی بجائے نوجوان ہوائی حملوں کے درمیانی وقفوں میں جھجک کے ساتھ خوش ذوقی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور خلوص اور ظرافت بکھیرتے پھرتے ہیں (اور لڑکیاں بے حجاب طور پر اپنے عورت پن کے ساتھ بالوں کو کھلا چھوڑ کر گھومتی پھرتی ہیں)

ماسکو؟ پیکنگ؟ جب ہو سے پوچھا جاتا ہے کہ اس کے جنگی مقاصد کیا ہیں تو وہ سختی سے جواب دیتا ہے:۔ "ویتنام کے لوگوں کے لئے آزادی اور عزت سے زیادہ کوئی چیز قیمتی نہیں ہے۔"

---

[1] جے۔ دوکور نوائے، "دو جنگیں ایک ویتنام"، لوموند، دسمبر ۱۹۶۶ء

۱۴ - چچا ہو اور چچا سام

غلط فہمی، غلط شناسی اور بدگمانی' (اگر ایک امریکی رسالے[1] کے ویتنام نمبر سے ایک عمومی عنوان مستعار لیا جائے) — جب کوئی شخص ہنوئی اور واشنگٹن کے تعلقات بیان کرنا چاہتا ہے تو یہ الفاظ لازماً گفتگو میں شامل ہو جاتے ہیں - امریکہ اور ویت نام کے درمیان گفت وشنید کی مکمل غیر موجودگی اور فرانس اور ویتنام کے انتہائی پیچیدہ تعلقات میں بہت فرق ہے۔ موخرالذکر تعلقات نفرت اور محبت، قبائلی عصبیت اور کینہ، اثر پذیر گفت وشنید، ضربوں کے تبادلے اور آزمائشوں کے اشتراک پر قائم ہیں۔ گویا فرانس اور ویتنام کے تعلقات بوڑھے میاں بیوی کے تعلقات سے مشابہہ ہیں۔

کیا ہمیں واقعی یقین کر لینا چاہیے کہ امریکہ اور ویتنام یعنی چچا سام اور چچا ہو کے مابین رابطہ خارج از امکان ہے - ان کے تعلقات ہمیشہ ایسے تو نہ تھے۔ ریاستہائے متحدہ اور اس کا مخصوص تمدن ویتنام کی مالک، حیران کن شخصیت، یعنی ہو کے لئے یکسر اجنبی نہیں

---

[1] سرکاری دستاویزات کا جرنل، جولائی ۱۹۶۶ء

ہے۔ جب ٹیٹو نے امریکیوں کے ساتھ تعاون کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو ان دنوں ان کے بارے میں اس کا علم ارنسٹ ہیمنگوے تک محدود تھا، جسے اس نے شاید سپین میں دیکھا بھی ہو۔ جب گو ملکا رچرڈ نکسن یا رابرٹ کینیڈی کا دوستانہ استقبال کرتا ہے تو اسے امریکی معاشرے کا کتنا علم ہوتا ہے؟ لیکن ہو کا ذاتی تجربہ —— اور اس کے ساتھ اس کا دستاویزوں کا بغور مطالعہ اور سیاسی تجزیوں کی مہارت بھی —— ریاستہائے متحدہ اور ویتنام (جسے اس نے نئی زندگی عطا کی ہے) کے درمیان تعلقات کا پل باندھنے کے لئے کافی ہے۔

بے شک وہ واشنگٹن کے مقابلے میں پیرس سے زیادہ قریب ہے۔ اس کی سیاسی زندگی، اس کا شخصی انداز اور اس کا مخصوص مزاحیہ طرز —— سب اس بات کے ثبوت ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ریاست ہائے متحدہ سے ذہنی اور سیاسی روابط پیدا کرنے کی واضح علامتیں اس کے ہاں موجود ہیں، جو واضح طور پر ۲ ستمبر ۱۹۴۵ء کے ویتنام کے اعلانِ آزادی کی تمہید میں نظر آتی ہیں :۔ 'تمام انسان برابر پیدا کئے گئے ہیں۔ انھیں خالق نے بعض ناقابلِ انتقال حقوق دیئے ہیں، جن میں زندگی، آزادی اور مسرت کی تلاش شامل ہیں'۔

یہ سطریں جن سے اس ویتنامی، اس ایشیائی اور اس مارکسی نے اپنے تاریخی اعلان کا آغاز کیا ہے۔ مائی ہاک دے کی قدیم تحریروں یا لاؤ زو کی کتابوں سے اخذ نہیں کی گئیں، نہ ہی یہ فرانسیسی یا روسی انقلاب سے متعلق مشہور کتابوں سے لی گئی ہیں۔ یہ امریکہ کے اعلانِ آزادی سے مستعار ہیں، جس کا خصوصی حوالہ دیا گیا ہے۔

اگرچہ ایک مارکسی کا خالقِ کائنات کو خراجِ عقیدت پیش کرنا اور خصوصاً ایسے سنجیدہ موقعے پر اور ان سامعین کے سامنے جن کی اکثریت بدھ مذہب سے تعلق رکھتی ہو، حیران کن ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ اس اقتباس کا انتخاب قابلِ غور ہے کہ یہ انتخاب ہو کے ایشیا، فرانس اور روس کے ادب سے شناسا ہونے کے باعث اتنا ہی پریشان کن ہے، جتنا کہ اہم۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ویتنام اور تامس جیفرسن کے ملک کے درمیان اچھے تعلقات

کی کوئی دیرینہ روایت موجود ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے تعلقات 'تیسری دنیا' کے کئی ممالک کے ساتھ اتنے ہی پرانے تھے جتنی کہ اس کی اپنی عمر تھی۔ لیکن ویتنام کے ساتھ روابط نہ ہونے کے برابر تھے، البتہ ۱۸۶۴ء میں صدر لنکن اور ہوائے کے حاکم اعلیٰ شہنشاہ تو دوک کے درمیان' جو ان دنوں کیتھولک مذہب کے خلاف مسلسل جنگ میں مصروف تھا کیونکہ اس کے نزدیک یہ تحریک محض مغربی اثرات کے پھیلانے کے لئے ایک لبادے کی حیثیت رکھتی تھی، وفود اور پیغامات کا تبادلہ ہوا تھا۔

بعد ازاں فرانس کی نو آبادیاتی پالیسی نے تہذیبی تعلقات اور اقتصادی روابط پہ اجارہ داری حاصل کرنے کی کوشش کی۔ امریکی نظریے کے کچھ ٹکڑے ویتنام کے ایک مختصر روشن خیال طبقے تک جاپان اور چین کے قوم پرست عناصر کے ذریعے پہنچے ہوں گے لیکن ہوچی منھ ریاستہائے متحدہ، اس کے مخصوص معاشرے اور مسائل سے ان ذریعوں سے بھی واقف نہیں ہوا۔

یہ تو معلوم نہیں کہ ۱۹۱۵-۱۶ء میں جب وہ ایک فرانسیسی جہاز کے کچن میں ملازم تھا تو ان دنوں نیویارک اور بوسٹن کے ساحلی شہروں میں اس نے کتنے عرصے کی چھٹیاں گذاریں لیکن اس کے بعض تجربات کی بازگشت اس کے مضامین میں نظر آتی ہے خصوصاً ان مضامین میں جو 'لوپاریا' اور 'انٹرنیشنل کارسپانڈنسی' میں شائع ہوئے۔

مثال کے طور پر ۱۹۲۴ء میں تیسری انٹرنیشنل کی سرکاری اشاعت کے نمبر ۵۹ اور ۴۷ میں 'انگوین اے کوک' کے دو مضامین شامل ہیں (تمام مضامین ناموں کے ساتھ شائع نہیں کئے جاتے، اس لئے کبھی کبھی اس کی تحریروں کی شناخت ناممکن ہوتی ہے)' جو امریکہ کے نسلی مسائل کے بارے میں ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مشاہدات جو ان مضامین میں بیان کئے گئے ہیں، مثلاً پہلے مضمون میں لوگوں کی سزائے موت کے واقعات اور دوسرے میں کوکلکس کلان کے بارے میں تاثرات، کیا وہ ہو کے ذاتی مشاہدات اور تاثرات ہیں؟

اس کا جواب نفی میں معلوم ہوتا ہے۔ جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ براہ راست امریکی اخباروں 'نیو اورلینز سٹیٹس' 'میمفس پریس' اور 'کرائسیس' وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔

توقع کے مطابق ان مضامین کا لہجہ مناظرانہ اور تلخ ہے۔ لیکن اس نے احتیاطاً نسل پرستوں کا سا رویہ اختیار کرنے سے احتراز کیا ہے اور فوراً ہی یہ بھی بتایا ہے کہ چند سفید فام — ہیریٹ بیچر اسٹو، جان براؤن، لوجوائے، اور سینیٹر شرمن .... — سیاہ فاموں کا ساتھ دینے کا خطرہ مول لینے پر تیار ہیں۔

امریکہ کے ان مختصر تجربات کا ایک اثر اس پر یہ ہوا کہ ابراہم لنکن کے نمایاں اقوال و افعال اس کے ذہن پر نقش ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء کے اعلانِ آزادی سے بھی پہلے بطورِ صحافی اور مناظرہ باز اس کی تحریروں پر لنکن کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور تھا۔ ۱۹۱۸ء کے بعد اس کا اندازِ فکر روسو، ژورے، مارکس اور لینن کے زیادہ قریب نظر آتا ہے۔ پھر بھی اس کے ذہن میں جمہوری انداز میں اخلاقی پہلو سے غور کرنے کی طرف رجحان، ایک خاص قسم کی کٹر 'مساوات پر ایمان'، نسلی امتیاز کے خلاف ایک خاص انداز کی برہمی، یہ سب باتیں بدستور قائم رہیں، جن کا لہجہ ہمیں نسلی غلامی کے مخالف اور حامی امریکیوں کے درمیان ۱۸۶۰ء کی آویزش کی یاد دلاتا ہے۔

۱۹۱۵-۱۸ء تک ہو نے یقیناً برطانوی فیبینز اور پرودھوں اور گیسدے کو پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اگر لینن اور کاٹسکی کی تحریروں سے نہیں تو مارکس کی تحریروں سے تو وہ تقریباً بالکل ناواقف تھا۔ ایک ایسے غیر سفید فام شخص کے لئے جو بذات خود نوآبادیاتی نظام کے ہاتھوں سبک ہو چکا تھا اور جس نے اب یہ بھی مشاہدہ کر لیا تھا کہ مقامی باشندوں کے لئے افریقی بندرگاہوں میں اور ان کے ارد گرد حالات ویسے ہی خراب ہیں، یہ بات ایک ڈرامائی الہام کی طرح نازل ہوئی ہو گی کہ لنکن ایک سفید فام رہنما ہونے کے باوجود نسلی امتیاز کا مخالف تھا — یہ جاننا ممکن نہیں ہے کہ اسے امریکی صدر کے بارے میں معلومات شروع شروع میں کہاں سے حاصل ہوئیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ دوسرے درجے کی کوئی کتاب یا سطحی فیچر بھی ذہن کو غور و فکر کی اہم اور نئی سمتوں پر ڈال سکتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہو نے لنکن کو 'نسلی امتیاز کا پورا پورا مخالف' سمجھا اور ان دنوں اس کے نزدیک اس مخالفت کا مطلب تھا: مکمل طور پر نوآبادیاتی نظام کی مخالفت — یہ بات حیران کن معلوم ہوتی ہے کہ مارکسزم اور لیننزم کی دریافت بھی اس کے ذہن سے محکوم لوگوں کی آزادی

کے اس قدیم پیش گو کے ساتھ تعلق کو ختم نہ کر سکی - ۲، ستمبر ۱۹۴۵ء کا اعلان اس شخصیت سے ہو کی وفاداری کا ثبوت ہے -

لیکن اس تاریخ سے بہت پہلے اس نے ترقی پسندانہ امریکی نظریے سے اپنی وابستگی کا کھلم کھلا اقرار کیا تھا - ہنوئی کے سرکاری مؤرخین کے خیال کے مطابق[1] جس واقعے سے ویتنام کی انقلابی جدوجہد کا آغاز ہوا وہ ہو کا یہ فیصلہ تھا کہ جنوری ۱۹۱۹ء میں ورسائی امن کانفرنس کے روبرو اپیل کی جائے - اس طرح کی اپیل کے لئے کلیمانسو اور لائڈ جارج سے توقعات نہیں ہو سکتی تھیں جیسا کہ عربوں کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کی نظر میں فتح کے بعد وسیع المشربی کی پالیسی اختیار نہیں کی جا سکتی - ویتنامیوں کی اپیل صرف وڈرو ولسن کے روبرو تھی، جو چودہ نکات کا مصنف تھا -

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہو تے امریکی طرز کی جمہوریت سے کنارہ کشی اس لئے کی ہو کہ جیفرسن اور لنکن کے اس جانشین نے ہو کے آٹھ نکاتی پروگرام کے بارے میں خاموشی اختیار کی - دو برس کے بعد جب ہو اور زیادہ مایوس ہوا، جس کا موقعہ فرانسیسی سوشلسٹوں نے مہیا کر دیا تھا، تو وہ تیسری انٹرنیشنل میں شامل ہو گیا -

ایشیائی انقلاب کے مسائل کے ماہرین میں سے ایک نہایت باخبر ماہر انزیکا کولوتی پشل نے ایک خط میں مجھے یہ بتایا کہ ہو کے لنکن ازم کا، جو ممکن ہے فرانسیسی انقلابیوں سے طویل روابط اور ماسکو میں (۱۹۲۳ - ۲۵ء) مارکس اور لینن کے مطالعے سے کمزور پڑ گیا ہو، تھوڑی ہی مدت کے بعد کینٹن میں (۱۹۲۵ - ۲۶ء) تھانھ نیاں کے قیام کے وقت غالباً احیاء ہوا ہو گا - کوئی شخص یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ 'نوجوان انقلابیوں کی ایسوسی ایشن' کی پالیسی کے بارے میں جاری کردہ بیانات لنکن سے متاثر تھے یا نہیں - البتہ یہ واضح ہے کہ ویتنام کا یہ رہنما اس وقت کے مقبولِ عام چینی احیاء کے عظیم ہیرو سن یات سین سے ضرور متاثر ہوا - مسز کولوتی پشل مزید لکھتی ہے کہ اس چینی صدر نے اپنے

---

[1] 'ویتنامی مزدور پارٹی کی عظیم تواریخ' صفحہ ۹

سان من چوا (' عوام کے تین اصول') میں ابراہم لنکن کا بہت ذکر کیا ہے۔ گویا یہ ہو اور اس کے امریکی ممدوح کے درمیان ایک اور رابطہ ہے۔ اور یہ رابطہ اتنا مضبوط تھا کہ بورودن، لی لی سان اور ویتنامی انقلابی تحریک کے اندر بائیں بازو کے ہو تنگ مو جیسے حامیوں کے زیرِ اثر آنے تک ۱۹۴۵ء تک قائم رہ سکتا تھا۔

۱۹۴۴-۴۵ء کے فیصلہ کن دور سے پہلے بھی ہو چی منھ کی زندگی اور تحریروں میں کہیں کہیں امریکی جمہوریت کی سیاسی روایات کے بارے میں، ان کی خوبیوں اور خامیوں سمیت، اکثر دل چسپی کا اظہار نظر آتا ہے، جو کسی ایسے پس منظر کے شخص کے لئے یکسر غیر معمولی بات ہے۔ مثلاً ۱۹۴۲ء میں قید کے دوران میں لکھی ہوئی ایک نظم کا عنوان ہے، ' ولکی کے لئے سرکاری استقبال کا انتظام کیا جا رہا ہے'۔ (وینڈل ولکی، جو ۱۹۴۰ء کے صدارتی انتخاب میں روزہ ویلٹ کا ریپبلکن مدِ مقابل تھا، ۱۹۴۲ء میں ایک مشن پر چین بھیجا گیا۔)

"میں تمھاری طرح چین کا دوست ہوں
اور ہوں راہِ چنکنگ پر گامزن
تم تو کمرے میں آرام سے بیٹھے ہو
میں ہوں اور قید خانے کے رنج و محن"

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک ویتنامی لیڈر' اپنے راستے سے ہٹ کر، ایک غیر ملکی سیاست دان کے سفر میں دل چسپی لے اور اتنی ہی عجیب یہ کہ اسے چین کا دوست قرار دے۔ کیا وہ کسی برطانوی سرکاری شخصیت کے بارے میں ایسی بات کہہ سکتا تھا؟ ظاہر ہے اس زمانے تک اسے امریکیوں سے کسی قدر قربت کا احساس ضرور تھا۔

لیکن اب ہم اس زمانے تک آ گئے ہیں جب ہو نے مبہم ذہنی لگاؤ کو ترک کر کے ٹھوس سیاسی تعلقات قائم کئے ہیں۔ ستمبر ۱۹۴۴ء تک وہ جیل سے باہر آ چکا تھا اور پاک بو میں اپنے غار میں واپس پہنچ گیا تھا، جہاں گیاپ اور وہ مل کر 'مسلح پروپیگنڈہ دستے'

---

۱ 'قید خانے کی نوٹ بک'۔ صفحہ ۳۱۔

تیار کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ یہو چو میں چانگ فاکوئی کے مددگار کی حیثیت سے اس نے امریکی ایجنٹوں سے رابطہ قائم کر رکھا تھا، جنھوں نے غالباً اس کی کچھ مدد کی اور شاید اسلحہ اور گولہ بارود بھی مہیا کیا۔

۱۹۴۴ء کے موسم خزاں میں اس کے کچھ ذاتی تعلقات استوار ہوئے۔ ریاست ہائے متحدہ کی ہوائی فوج کے ایک پائلٹ لیفٹیننٹ شا کو جہاز کے انجن میں خرابی کی وجہ سے پیراشوٹ کے ذریعے کاؤ بانگ کے صوبے میں ایسے مقام پر اترنا پڑا جو ویت منھ کے تسلط میں تھا۔ ویت منھ کے حامیوں نے اسے پکڑ لیا اور لوک ہائی میں واقع فام وان دونگ کی کمانڈ پوسٹ میں لے گئے۔ وو آنھ بیان کرتا ہے کہ مستقبل کے اس وزیراعظم نے کس طرح چچا ہو سے شا کے انٹرویو کا بندوبست کیا۔ (انٹرویو کا لفظ متاثر کرتا ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ہو وہاں کن حالات میں رہ رہا تھا۔) 'وہ بہت خوش ہوا۔ اس کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا گیا اور چچا ہو اس سے اتنی اچھی طرح پیش آیا کہ ان باتوں نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے تسلیم کیا کہ پکڑے جانے سے پہلے اسے ویت منھ کے بارے میں جو بری باتیں بتائی گئی تھیں ان کی حیثیت افترا پردازی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھی.....'[1] خواہ اس کہانی میں کچھ پروپیگنڈا بھی شامل ہو پھر بھی یہ بڑی اہم ہے۔ گویا ۱۹۴۴ء کی فضا میں اس بات کا امکان تھا کہ اس نوع کے لوگ اور اس قسم کی پالیسی، جس کا لیفٹیننٹ شا کو سامنا تھا، ایک امریکی کے دل کو جیت سکے۔

بعد ازاں ان تعلقات میں اضافہ ہوا اور اس کی ابتدا امریکیوں نے کی۔ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ جب تک کوئی شخص جنگ کے بعد جنوبی ایشیا میں امریکہ کی پالیسی کی نوعیت کو ذہن میں نہ لائے اس وقت تک ہو اور ریاستہائے متحدہ کے درمیان یہ عجیب و غریب تعلق، جو ۱۹۴۵ء کے پورے سال کے دوران قائم رہا، ناقابلِ فہم معلوم ہوتا ہے۔ یہ پالیسی ایک لفظ میں بیان کی جا سکتی ہے: نوآبادیاتی نظام کی مخالفت۔ اور اس کا مقصد محض ایک تھا: فرانسیسیوں کو ہند چینی میں دوبارہ گھس جانے سے روکنا۔ نظریاتی اساس کے علاوہ روزویلٹ کے ذہن میں اس

1۔ 'ناکام امن کی تاریخ' میں (صفحہ ۹۵) ژاں سینتنی نے ایک تار کا حوالہ دیا ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

بات کی یاد بھی تازہ تھی کہ یہ فرانسیسی نوآبادی جولائی ۱۹۴۰ء میں محوریوں کے قبضے میں آنے کے بعد اگلے تین برس تک جاپان کے حربوں کے لئے کس طرح زقند تختے کا کام دیتی رہی تھی[1]۔

واشنگٹن کو اس علاقے میں اپنے لئے اتحادیوں کی تلاش تھی، اگرچہ زیادہ تر اس اُمید پر کہ جاپانی مدافعت کو کچلا جا سکے لیکن اس توقع پر بھی کہ یہ ہندچینی میں نئے نظام کے قیام کا ابتدائیہ ہوں گے — ایسا نیا نظام جس کی بنیاد یا تو بین الاقوامی حفاظت کی پالیسی پر ہو یا تمام علاقے کو چین کے ساتھ ملانے کی پالیسی پر (جو اسی طریقے سے ہانگ کانگ کو بھی دوبارہ قبضے میں کرے گا۔) اس سلسلے میں امریکیوں کا پہلا کام اپنے جاسوسوں کو منظم کرنا اور پھیلانا تھا۔ اس کی اور زیادہ ضرورت اس وجہ سے پیش آ گئی تھی کہ ۹ مارچ ۱۹۴۵ء کے جاپانی قبضہ نے فرانسیسیوں کو تمام طاقت سے محروم کر دیا تھا اور ان لوگوں کو باہر نکال دیا تھا جو اتحادیوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ چنانچہ گورڈن، بوکے اور دولانگلاد کے نظام کو ختم کر دیا گیا۔

اس موقعے پر امریکہ نے ہندچینی میں فرانس کی موجودگی کے بارے میں شدید دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ واشنگٹن سے اس مضمون کے سخت احکام آئے کہ جاپانیوں سے بچنے کی کوشش میں شمال کی طرف پسپا ہونے والے فرانسیسی فوجیوں کو ہوائی جہازوں کے ذریعے ہرگز مدد نہ دی جائے۔ حالانکہ واشنگٹن اور چنگ کنگ دونوں سرکاری طور پر فرانس کی اتحادی حکومتیں تھیں۔ برنارڈفال، جنرل کلیر شنولٹ کی رائے کا اقتباس پیش کرتا ہے، جو فلائنگ ٹائیگرز، کو تشکیل دینے والا اور اس وقت جنوبی چین میں ۱۴۔ ایر فورس کا کمانڈر تھا۔ جنرل کہتا ہے کہ فرانسیسیوں کو جنگل میں قتل ہونے کے لئے چھوڑ دینے کے خیال سے مجھے بہت نفرت ہوئی[2]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جو او۔ ایس۔ ایس کے افسر ہنوئی میں اپنے کاغذات میں چھوڑ گئے تھے: "فرانسیسیوں کو کسی حالت میں بھی ہندچینی میں واپس نہیں آنا چاہیے"

1۔ ۱۹۴۴ء میں یونیورسٹی آف کولمبیا میں پروفیسر نتھینیل پیفر نے ہندچینی پر امریکی بحری فوج کے ان افسروں کے لئے جنھیں ملک کو 'آزاد' کرانے کے کام پر مامور کیا گیا تھا کچھ لیکچر دیئے۔

2۔ قلمی یادداشتیں — صفحہ ۳۴۲

اس پس منظر کے باعث جنوبی چین میں مقیم امریکی نمائندوں نے ہوچی منھ کے ساتھ رابطہ قائم کیا، جس کے مقاصد ــــ جاپان کی شکست اور فرانسیسی نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ــــ واشنگٹن کی حکمتِ عملی کے عین مطابق تھے۔

ویت منھ سے باقاعدہ رابطہ قائم کرنے والا پہلا ادارہ او۔ ایس۔ ایس۔ تھا (آفس آف سٹریٹیجک سروسز) جو موجودہ زمانے کے سی۔ آئی۔ اے کا پیش رو تھا۔ نیم فوجی نوعیت کا یہ ادارہ جنرل ولیم ڈونوان کی سربراہی میں تھا، جس نے اگست ۱۹۴۵ء میں چین جاتے ہوئے فرانسیسی مشن کے لیڈر ژاں سینتنی سے طویل گفتگو کی جسے خصوصی ہدایات تھیں کہ شمالی ہند چینی میں فرانس کی حیثیت کو بحال کرنے کی کوشش کرے۔ ان دونوں کے درمیان یہ تبادلہ خیال، جو بعد میں سینتنی کو خواہ کتنا ہی پرتپاک کیوں نہ نظر آتا ہو، ڈونوان کے موقف میں کوئی تبدیلی نہ لا سکا۔ فرانس کو نکال باہر کرنے کی ہدایات پر عمل کرنے میں اُسے کوئی قباحت نظر نہ آتی تھی اور اس کے ماتحت ــــ کرنل پال ہیلی ول (جس کے ہو اور گیاپ سے اس تمام عرصے میں براہِ راست روابط رہے)، میجر رابرٹ بکلی، لیفٹیننٹ فیلان اور جارج شیلڈن، جو بعد میں سائیگان میں امریکہ کا وائس کونسل مقرر ہوا ــــ ان احکام پر مستعدی سے عمل کر رہے تھے۔

ہیلی ول نے (جو جنگ کے بعد میامی میں دوبارہ وکالت کرنے لگا تھا) ۲۰ر جنوری ۱۹۶۶ء کو ہوچی منھ کے متعلق ایک ٹیلی ویژن پروگرام میں ٹوئنٹیتھ سنچری فاکس کو انٹرویو دیتے ہوئے جنوبی چین میں ہو کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا حال بتایا ('ایک مسحور کن شخصیت، جس میں مزاح کی حس بدرجہ اُتم پائی جاتی ہے') لیکن وہ اس بات پر قائم رہا کہ ویت منھ کو او۔ ایس۔ ایس نے جو مدد دی تھی وہ نہ ہونے کے برابر تھی اور یہ اس شرط پر دی گئی تھی کہ اسے فرانسیسیوں کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔

او۔ ایس۔ ایس کی حد تک یہ بات درست ہے۔ اس نے ویت منھ کو چند ریوالور، کچھ ہلکے ہتھیار اور تھوڑی سی رقم مہیا کی تھی اور بس۔ لیکن ایک اور امریکی تنظیم نے ــــ امریکی شعبہ مبارزت (جنوبی کمانڈ) جو کومنتانگ کی فوج سے منسلک تھا لیکن براہِ راست چنگ کنگ میں امریکی کمانڈر ان چیف جنرل ویڈمیر کے حکم کے ماتحت کام کرتا تھا ــــ ایسا کام سرانجام

دیا جو نفسیاتی طور پہ زیادہ نمایاں نہ تھا لیکن حقیقت میں بہت دور رس نتائج کا حامل تھا۔

جنرل گالاگھر کے ماتحت اس تنظیم نے اگست ۱۹۴۵ء کے شروع میں ٹانکن میں اپنا جال بچھایا۔ جنرل گالاگھر کے ایک نائب میجر ارشمیدس پٹی نے اوائل اگست سے اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اواخر تک اس سلسلے میں بہت اہم کام کیا۔ اس عرصے میں ویت منہ برسراقتدار آئے، جمہوریہ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا اور انقلابی اور فرانس دشمن پروپیگنڈا نشر ہونے لگا۔ یہ کہنا تو صحیح نہیں کہ گالاگھر، پٹی اور کپتان فارس اور بعض دوسروں کی مدد کے بغیر ویتنام کا مستقبل بالکل ہی مختلف ہوتا لیکن اس امداد کے بغیر ویت منہ کا اتنی جلدی برسراقتدار آنا یقیناً بہت مشکل ہوتا اور نئے لیڈروں میں اس حد تک اعتماد بھی نہ ہوتا۔

اس زمانے میں ہنوئی کے ہر حصے میں انگریزی زبان میں لکھے ہوئے پوسٹر نظر آتے تھے۔ ہنوئی ویتنام کا شہر تھا، ماضی قریب میں فرانس کی نو آبادی کا صدر مقام رہا تھا، اس پہ چینی فوج مسلط تھی اور اس کی عنانِ حکومت ایک ماسکو پرست جماعت کے ہاتھ میں تھی لیکن ان سب باتوں کے باوجود نمایاں نعرے ("ویتنام ویتنامیوں کے لئے" ۔ "آزادی یا موت") چینی، فرانسیسی یا روسی کی بجائے انگریزی میں لکھے ہوتے تھے۔

اس زمانے میں امریکی اور برطانوی نمائندوں کے رویے میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ دراصل ہنوئی میں ہونے والے واقعات برطانوی اور امریکی جنرل ہیڈکواٹرز کے درمیان جو کانڈی (سیلون) میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور چنگ کنگ میں جنرل ویڈیمیر کے تحت کام کر رہے تھے، اثر و رسوخ کے حصول کے لئے کشمکش کے پس منظر میں رونما ہو رہے تھے۔ واشنگٹن کے اس موقف کی، کہ کوئی بین الاقوامی ادارہ فرانسیسی نوآبادیاتی نظام کی جگہ لے لے یا ویتنام کو چیانگ کائی شیک کے گروہ کی حفاظت میں دے دیا جائے چرچل اور بعد میں اس کے لیبر جانشینوں نے منظم مخالفت کی۔ برطانیہ نے اچھی طرح جان لیا تھا کہ ہند چینی میں فرانسیسی حکومت کا خاتمہ ایسی مثال قائم کر دے گا جس سے اس علاقے میں ان کے مفادات کو ضرب لگے گی۔ لندن کے اس نقطہ نظر کی تصدیق روزویلٹ اور چرچل کی خط و کتابت اور جنگ کے آخری ایام اور جنگ کے فوراً بعد کے زمانے کی کانفرنسوں میں ایڈن اور بیون

کے رویوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

سترھویں خط متوازی کے جنوب میں جنرل گالاگھر اور اس کے ہندوستانی گورکھے فوجیوں نے فرانسیسی افواج کی واپسی کو آسان بنا دیا۔ اسی اقدام کی وجہ سے ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو ویت منھ نے برطانوی حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس دوران میں شمال میں ٹریو روسن (کونسل جنرل) اور کمانڈر سمپسن جونز، سینٹنی اور فرانسیسیوں کے ساتھ گالاگھر اور پیٹی کے مقابلے میں زیادہ ہمدردانہ رویہ اختیار کئے ہوئے تھے۔

ہو اور ویت منھ کے اس کے دیگر ساتھیوں نے بھی موخر الذکر کے ساتھ بہتر سلوک کیا۔ اگست کے آخر تک ''ویت نام اور امریکہ کی دوستی کی انجمن'' تشکیل ہو چکی تھی۔ حالانکہ واشنگٹن نے اس نئی جمہوریہ کو تسلیم نہیں کیا تھا پھر بھی اس انجمن نے اکتوبر کے شروع میں ایک جلسے کا انتظام کیا، جس میں ویتنام کے بہت سے لیڈروں نے بھی شرکت کی۔ اس جلسے میں وو نگوین گیاپ، سابق حکمران باؤ دائی (اب اس کا نام 'شہری ونھ تھوئی' تھا) اور فوج کا سیاسی کامیسار تا کوانگ بو نے جنرل گالاگھر اور میجر پیٹی کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر شرکت کی۔ برنارڈ فال اس عجیب وغریب سیاسی واقعے کی تفصیل یوں بیان کرتا ہے: ''گالاگھر نے ایک تقریر کی جس میں اس نے ویتنام کے طلبہ سے وعدہ کیا کہ اگر وہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ جائیں تو مخلوط تعلیم حاصل کرنے والے ان کا شاندار استقبال کریں گے۔ اس تقریر کا خاتمہ — جو ہنوئی کے ویت منھ ریڈیو سے نشر ہوئی — ایک مختصر گیت سے ہوا۔''[1]

اس زمانے کی نفسیاتی فضا کو پھر سے ذہن میں لانا اور اس خیر سگالی کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کرنا، جو جمہوریہ ویتنام کے بانی اپنے امریکی اتحادیوں کے لئے ظاہر کر رہے تھے، بہت مشکل ہے۔ بعض لوگوں کو یہ سوچا سمجھا منصوبہ معلوم ہو گا جس کا مقصد محض یہ تھا کہ لوگوں میں اعتماد پیدا کیا جائے کہ — اگرچہ ویتنام کو چینی حملوں نے تہ و بالا کر رکھا ہے اور یہ دنیا سے

---

1. 'لا پولیٹیک یو۔ ایس۔ او ویتنام'۔ پولیٹیک ایتر انجیر، پیرس، جولائی ۱۹۵۵ء

کٹ چکا ہے اور اسے فرانس کی قوت کا بھی سامنا ہے ـــــ تاہم اس کے طاقتور اتحادی موجود ہیں ۔

مجھے یقین ہے کہ ہو کی ذات کی حد تک معاملہ اس سے کچھ زیادہ تھا۔ اعلانِ آزادی کی ابتدائی سطور میں زیادہ مفہوم ڈھونڈنا تو غلط ہو گا لیکن ہو چی منھ اگر ۱۷۷۶ء کے باغیوں کے ساتھ مضبوط تاریخی رشتہ محسوس نہ کرتا تو وہ اتنے سنجیدہ موقع پر فلاڈلفیا کانفرنس کے الفاظ استعمال نہ کرتا۔

لیکن ماہ عروسی جلد ہی ختم ہو گیا۔ ۱۹۴۵ء کے آخر خزاں تک گالاگھر اور پٹی ہنوئی میں اتنے نمایاں نہ رہے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ۲۵ر اکتوبر کو کارٹر ونسنٹ نے، جو سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں ایشیائی امور کا سربراہ تھا، ایک بیان میں یہ کہا:۔ 'امریکہ ہند چینی میں فرانسیسی فرمانروائی کا لحاظ رکھے گا'۔ روزویلٹ کا زمانہ آخر ختم ہو گیا تھا۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا تھا کہ امریکہ اپنی پالیسی کا رخ بدل رہا ہے اور اس حقیقت کو ہنوئی میں فوراً محسوس کر لیا گیا۔ خوش فہمیاں دور ہو گئیں۔ لیکن بعض امریکی حضرات اب بھی روزویلٹ کے نظریے کی روح کے وفادار اور نوآبادیاتی نظام کے دشمن رہے اور انھوں نے اتنی ہمت سے کام لیا کہ عوامی جمہوریہ کے 'سرخوں' سے تعلقات استوار رکھے۔

مصنفین، ماہرینِ عمرانیات اور صحافیوں کے ایک گروہ نے ہو اور اس کے ساتھیوں سے دوستی کی فضا قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ مثلاً ہیرولڈ آئزکس نے اتنے ہی حوصلے سے ویتنامیوں کی حمایت کی جس طرح اوون لیٹی مور نے چینی انقلاب کی کی تھی، اگرچہ اس کی کوششوں پر ردِ عمل اتنا شدید نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اسے اتنے خراب حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ہارپرز، نیوز ویک اور نیویارک ہیرلڈ میں چھپنے والے اس کے مضامین ویتنامی عوام سے ہمدردی کے لئے اتنے ہی قابلِ ذکر ہیں جتنے فرانس دشمن جذبات کے لئے۔ (ہنوئی اور پیرس میں ۱۹۶۲ء سے 'دوبارہ دوستانہ تعلقات کا آغاز' ہوا اور ویتنام کے لبرل دانشوروں نے جس ثابت قدمی سے فرانس کے ساتھ روابط استوار کئے ان کی وجہ سے ہیرولڈ آئزکس سے زیادہ کسی کو دکھ نہیں پہنچا ہو گا۔)

ویتنام کے اس انقلاب اور امریکہ کے درمیان تعلقات ایک دو سال تک اور بھی باقی رہے۔ ۱۹۴۸ء میں بھی 'ویتنام اور امریکہ کی دوستی کی انجمن' نے نیویارک میں ایک دعوت کا اہتمام کیا، جس کا انتظام میجر رابرٹ بکلی نے کیا تھا، جو ۱۹۴۵ء کے آخر تک او۔ ایس۔ ایس میں بہت مستعد رہا تھا۔ لیکن اب امریکہ کی پالیسی کمیونسٹ دشمن حکمتِ عملی کے مطالبات، باؤ دائی کی حمایت کے دباؤ (جس کی سربراہی فرانس میں امریکہ کا ایک سابق سفیر ولیم بلٹ کر رہا تھا) اور فرانسیسی حکومت کے انتباہوں اور تادیب کے سامنے متزلزل ہو رہی تھی۔ ۱۹۴۹ء کے اختتام پر فرانس کی وفاداریوں کو اٹلانٹک پیکٹ کی حدود کے اندر رکھنے کے لئے سیکرٹری آف سٹیٹ ڈین ایچسن نے صدر ٹرومین کو اس بات پر راضی کر لیا کہ ہندچینی میں روز ویلٹ کی روایات کو بالکل ترک کر دیا جائے اور فرانس کی جنگی کوششوں کی اس علاقے میں حمایت کی جائے۔ چین میں ماؤ کی فتح اور کوریا کی جنگ نے ۱۹۵۰ء میں اس نئے رجحان پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

اس کے بعد ویت منھ نے پیرس اور واشنگٹن دونوں کو رسوا کیا، خصوصاً صدر ہو کی تقاریر، پیغامات اور انٹرویوز نے۔ جولائی ۱۹۵۰ء میں اس نے لیونگر کو بتایا[1] "...... امریکی مداخلت بنیادی طور پر جارحانہ اور غیر جمہوری ہے اور حقیقتاً اس میں کوئی خوبی نہیں ہے"۔ (اصل متن میں ہو نے 'مائی' کا لفظ استعمال کیا ہے — جو ویتنامی زبان میں 'خوبی' کہنے کا ایک انداز ہے، لیکن جس کا مطلب 'امریکی' بھی ہے۔)

جنوری ۱۹۵۲ء میں وہ ایک قدم اور آگے بڑھا۔ عوام کے نام ایک پیغام میں اس نے فرانسیسی نوآبادیاتیوں کی مذمت کی لیکن اس بات پر اصرار کیا کہ فرانسیسی محض 'اپنے امریکی آقاؤں کے احکام پر اور ان کی امداد سے سب کچھ کر رہے ہیں ..... انھیں کے اشارے پر وہ چل رہے ہیں'۔ امریکیوں میں سے بھی اس نے 'چند سینیٹ کے ممبروں، جاسوسوں، جرنیلوں، تاجروں، بنک کاروں اور ایک بشپ کو' بطورِ خاص ملزم قرار دیا[2]۔ ستمبر ۱۹۴۵ء کے بعد یقیناً بہت تبدیلیاں آئی تھیں۔

---

[1] "منتخب مضامین"، جلد دوم صفحہ ۱۹۰

[2] " " " صفحہ ۲۹۹

جلد ہی مداخلت کرنے والے سامراجی بن گئے اور بدی میں شرکت کرنے والے جنگ باز۔ دراصل میدان جنگ میں ویت منھ کا مسلّمہ دشمن — فرانس — کچھ عرصے کے بعد دشمن نمبر دو کی حیثیت اختیار کر گیا۔ مثال کے طور پر جب جنیوا کانفرنس کا آغاز ہوا تو ہو نے اعلان کیا کہ میری حکومت کا مقصد اب "امریکی سامراجیوں کی پالیسی کو ناکام بنانا ہے"۔ عارضی صلح سے چند دن پہلے — یعنی جب ویت منھ فرانسیسیوں کے ساتھ ابھی مصروف جنگ تھی — اس نے ایک سیاسی رپورٹ شائع کی، جس میں اعلان کیا کہ "امریکی سامراج ساری دنیا کا سب سے بڑا دشمن ہے"۔[۱] گویا فرانس سے جنگ کے خاتمے سے پہلے ہی حالات نے پورا دائرہ مکمل کر لیا تھا۔

دیم کی حکومت کے قیام کے وقت سے امریکہ کے متعلق ہو کے تلخ بیانات پر بحث جو لنکن سے شاگردانہ عقیدت رکھتا تھا اور ووڈرو ولسن اور روز ویلٹ کا مداح تھا، بہت وقت طلب امر ہے۔ لیکن یہ حقیقت اور بھی دل چسپی کی حامل ہے کہ اس کے باوجود کہ اس کے ملک پر شدید ہوائی حملے جاری ہیں وہ امریکہ کے لوگوں کی خصوصیات اور نظریات کو اب بھی قریب سے جانتا ہے۔

۲۱ مئی ۱۹۶۴ء کو امریکی رسالے "مائی نار یٹی آف ون" نے اس کے نام سے "امریکی دوستوں کے نام ایک پُر زور اپیل" شائع کی۔ اور ۵ اگست ۱۹۶۴ء کو شمالی ویتنام کی بندرگاہوں کی تنصیبات پر بمباری کے بعد بھی اس نے یہ اعلان کیا کہ "مجھے یقین ہے کہ دنیا کے تمام امن پسند عوام، جن میں امریکہ کے عوام بھی شامل ہیں، ہماری مدد کریں گے"۔[۲]

نومبر اور دسمبر میں اس نے دو برطانوی اخبار نویسوں جیمز کیمرون اور فیلکس گرین کو یکے بعد دیگرے انٹرویو دیے۔ اس نے دونوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ امریکی پالیسی کے بارے میں ہنوئی کی مخالفت میں اسی وقت کمی واقع ہو جائیگی جب واشنگٹن جنگ ختم کرنے کا ارادہ کرے گا۔ اور پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔[۳]

---

[۱] "منتخب مضامین" جلد دوم، صفحہ ۴۶۴

[۲] "لوموند"، ۱۰ اگست ۱۹۶۴ء

[۳] ایسوسی ایٹڈ پریس، ۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

وہم ان کے لئے سرخ قالین بچھا دیں گے ؟ کیا کوئی شخص ۱۹۴۲ء میں جرمنوں کے متعلق جوزف سٹالن سے اس قسم کی رائے کی توقع کر سکتا تھا ؟

ہنوئی کے دورے کے بعد واشنگٹن کا دورہ کریں یا پیرس یا پراگ میں امریکہ کے کسی سفارتی نمائندے سے گفتگو کرنے کے بعد ویتنام کے کسی سفارتی نمائندے سے گفتگو کریں تو یہ افسوسناک احساس ہوتا ہے کہ سوچ اور زبان کی حدبندیوں کا کوئی علاج نہیں کیا جا سکتا اور مسئلے کے بارے میں دونوں کے نقطۂ نظر کا ملاپ نہیں ہو سکتا۔ جاپانیوں سے امریکہ کے تعلقات میں گذشتہ سو برس سے سفارتی نمائندوں کے تبادلے، سائینسی تحقیق اور صنعتی مہارت کی وجہ سے ایک رابطہ قائم ہے اور چینیوں کے سلسلے میں ماضی کے مشنریوں، پرل بک، اور برکلے، کولمبیا یا ہارورڈ یونیورسٹیوں میں رہنے والے بہت سے عالموں (ماہرین عمرانیات، لسانیات، تاریخ) کا حوالہ دیا جا سکتا ہے اور کسی حد تک اطمینان کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ویتنام کے لوگوں کے ساتھ ان کا کسی بنیاد پر اشتراک نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ہو کے ذہن میں، جو گذشتہ پندرہ برس سے امریکہ کے خلاف مصروف جنگ ہے، ابراہم لنکن کا بہت بڑا بھوت چھپا بیٹھا ہے۔ یہ بھوت ڈین رسک کی سیاسی حماقتوں اور جنرل ویسٹ مورلینڈ کے بمباروں کی وجہ سے تقریباً نکل چکا ہے۔ لیکن لینن اور سن یاٹ سین کے جانشینوں کے مسلسل جھگڑے اس بھوت کو دوبارہ ابھار سکتے ہیں۔

۱۵- آخری معرکہ

'آج صورت یہ ہے کہ ٹڈا ہاتھی سے نبرد آزما ہے۔ لیکن کل ہاتھی کی انتڑیاں معدے سے باہر پڑی ہوں گی......'

خروشیف کی طرح ہوچی منہ بھی نزاعی نوعیت کے مقولے پسند کرتا ہے۔ لیکن وہ انھیں زیادہ چابک دستی سے اور زیادہ سوچ سمجھ کر استعمال کرتا ہے۔ اس نے یہ بات ۱۹۵۱ء میں فرانسیسیوں کے خلاف جنگ کے دَوران میں کہی تھی۔ اس کے بعد بھی اسے یہ مقولہ دہرانے کا موقعہ ملا۔ ہاتھی اور بھی بڑا ہو گیا ہے اور ٹڈا بھی۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہو کے لئے جنگ میں کبھی کوئی وقفہ نہیں آیا۔ پچھلے باب میں ہیں نے ہو کی جانب سے ۱۹۵۰ء میں ہی امریکی مداخلت کی مذمّت اور ہو کے اس بیان کی طرف اشارہ کیا تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ فرانسیسی فوج کے واشنگٹن کا آلۂ کار بن جانے کی وجہ سے ۱۹۵۴ء تک امریکہ ویتنام کا سب سے بڑا دشمن بن گیا ہے۔ اور جینوا کانفرنس کے دوران میں' اس نے ماندے فرانس اور اس کی کابینہ کی امن قائم کرنے کی کوششوں کا امریکی حکومت کے

معاندانہ اقدام کے ساتھ موازنہ کیا۔

در اصل اس کے نزدیک ــــ جیسا کہ صورتِ حال کا بغور مطالعہ کرنے والے بہت سے لوگوں کے نزدیک ــــ جد وجہد میں 'نوعی' تبدیلی جینیوا کے بعد امریکیوں کے فرانسیسی جارحیت کی جگہ لے لینے کے سادہ عمل کے نتیجے میں واقع نہیں ہوئی بلکہ یہ تبدیلی ۱۹۵۰ء میں واقع ہوئی جب کوریا کی جنگ کے ساتھ ساتھ فرانس کی نوآبادیاتی معرکہ آرائی کمیونسٹوں کے خلاف فرانسیسی امریکی جنگ میں بدل گئی۔

جینیوا کی بات چیت کے سلسلے میں ڈلس کا علیحدگی کا انداز، منیلا پیکٹ پر دستخط، (جس کی وجہ سے سیٹو معرضِ وجود میں آیا) 'جنوبی ویتنام کو سرمایہ داری نظام کی حمایت میں اور کمیونزم کے خلاف نمائش گاہ بنانا ......' ان میں سے کسی چیز نے بھی ہو اور اس کے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہوگی کہ وہ ۲۱ر جولائی ۱۹۵۴ء کے معاہدوں سے امیدیں وابستہ کریں۔ لیکن ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۶ء کے درمیان، یعنی معاہدوں کی کھلی خلاف ورزی دونوں حصوں کو دوبارہ متحد کرنے کی خاطر رائے شماری سے انکار سے پہلے ہونے جو بیانات دیئے' ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہو کو یہ اُمید تھی کہ پوری طرح نہیں تو بہت حد تک ان معاہدوں کی پابندی کی جائے گی۔

اسی اُمیدِ واثق کی بنا پر کہ جنوبی ویتنام کے عوام کو جلد ہی حقِ خود اختیاری مل جائیگا۔ ہو نے جینیوا کانفرنس کے بعد اعلان کیا:۔

"جنوب میں رہنے والے ہمارے ہموطنوں نے وطن کی خاطر اس جنگ کا آغاز کیا تھا اور انہوں نے اپنے ضمیر کی اعلیٰ سطح کا مظاہرہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ پورے ملک کے مفادات کو مقامی مفادات پر اور مستقل مفادات کو فوری مفادات پر ترجیح دیں گے اور ــــ باقی عوام کے شانہ بشانہ ــــ امن کو مستحکم کرنے، اتحاد حاصل کرنے اور پورے ملک میں آزادی اور جمہوریت کی خاطر اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر وقف کر دیں گے۔ ورکرز پارٹی آف ویتنام (لاؤ دونگ)' میں اور میری حکومت جنوب میں اپنے ہموطنوں کی کوششوں کا بغور مطالعہ کر رہے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔[1]"

---

[1] 'ہماری امن کی پالیسی' ہنوئی ۱۹۵۵ء، صفحہ ۷۔

کچھ لوگ دلیل دیں گے کہ ہو کا بیان لفظوں کی شعبدہ بازی ہے اور خالی خولی پروپگنڈا۔ تاہم اگر وہ محض اپنی فرشتہ صفت امن پسندی ثابت کرنا چاہتا تو اس بات پر زور دیتا کہ شمالی ویتنام پوری فرض شناسی سے معاہدوں کی پابندی کر رہا ہے اور دوسرے متعلقہ فریقوں اور تنظیموں کی تادیب کرتا۔ اس بیان کے نو ماہ بعد بی۔بی۔سی۔ کے لئے انٹرویو کے دوران میں جب کرسٹوفر مے ہیو نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ انٹرنیشنل کنٹرول کمشن[1] کے کام سے مطمئن ہیں تو اس نے اثبات میں جواب دیا۔ حالانکہ بالکل اسی وقت دیم کی پولیس سائیگان میں کمشن کے دفاتر کو لوٹنے اور جلانے میں مصروف تھی۔

یہ صحیح ہے کہ ہنوئی کی حکومت نے اسی ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان مسلح فوج کا پندرھواں حصہ، جو جنیوا کے معاہدوں کے تحت غیر فوجی علاقے کے شمال میں بھیج دیا جانا چاہیے تھا، اب بھی جنوب میں رہنے دیا تھا۔ لیکن کمیونسٹوں سے بے عیب طرزِ عمل کی کون توقع کر سکتا تھا جبکہ ان کے خلاف —— اس وقت کے انتظار میں جب جوابی حملہ ممکن ہو —— پہلے ہی بہت پُر پیچ سازشیں کی جا رہی تھیں؟۔

۱۹۵۵ء کے دوران میں مندرجہ ذیل واقعات ہو اور اس کے ساتھیوں کے محلِ نظر تھے:۔ اوّل، ۱۵ فروری کو اور اس کے بعد پیرس نے امن کی شرائط کی معنوی یہاں تک کہ لفظی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی تمام ذمے داریاں پوری طرح واشنگٹن کے حوالے کر دیں۔ ان شرائط کے تحت دونوں میں سے کسی علاقے میں بھی 'نیا' سامان یا غیر ملکی عملے کے اشخاص نہیں بھیجے جا سکتے تھے۔ دوم، جنیوا معاہدوں کے غیر جانبداری کے مفہوم کے خلاف جنوبی ویتنام پوری طرح امریکی حکمت عملی کے مدار میں شامل ہو گیا۔ سوم، دیم باؤ دائی کے غیر مقلد حواریوں پہ فتح پانے کے بعد جنوبی علاقے پہ قابض ہو گیا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ قابض رہے گا۔

یہ بھی ظاہر تھا کہ سائیگان کی حکومت —— جو انٹرنیشنل کنٹرول کمشن کا پوری مستعدی سے بائیکاٹ کر رہی تھی۔ ۱۹۵۴ء کے معاہدوں کی حکم عدولی کر رہی تھی (جن کے بغیر وہ دین بین فو

---

[1] جو ہندوستان (چیئرمین)، پولینڈ اور کینیڈا کے مندوبین پہ مشتمل تھا۔

کے واقعہ کے چند ہفتوں بعد تک یقیناً قائم نہ رہ سکتی) ، شمال میں ہو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی مذمت کر رہی ہے — اور ملک کے دونوں حصوں کو دوبارہ متحد کرنے سے متعلق دفعات پر عمل نہ کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے ۔ اور ڈلس، دیم کی پالیسی کی غیر مشروط حمایت کر رہا ہے۔ ہونے ان حالات کا مقابلہ کرنے کی پوری کوشش کی اور فام وان دونگ کو یہ ہدایات دے کر نئی دہلی بھیجا کہ متحدہ ویتنام کا معاملہ نہرو اور عالمی رائے عامہ کے سامنے پیش کرے۔ ہندوستان کے وزیر اعظم نے معاہدوں پر عمل کی پُر زور حمایت کی لیکن سائیگان نے کوئی دھیان نہ دیا۔

اپریل ۱۹۵۶ء میں پیرس نے دونوں علاقوں کو دوبارہ متحد کرنے کی مقررہ تاریخ (۲۰ جولائی) سے تین ماہ پیشتر ہی اپنی فوجیں واپس بلا کر صورتِ حال کو مزید سنگین بنا دیا۔ اب — ویت منھ کے ساتھ — جینیوا معاہدوں کے اصل متن کے واحد دستخط کنندہ کی حیثیت میں فرانس واحد طاقت تھی جو غیر مشروط طور پر ان کی پابند تھی اور اسی لئے ان کی ضامن تھی۔ یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ ۱۹۵۶ء کے اوائل میں جنوبی ویتنام میں فرانس کی جتنی تھوڑی بہت افواج باقی رہ گئی تھیں وہ دیم کو کس طرح مجبور کر سکتی تھیں کہ وہ اس رائے شماری پر رضامند ہو جائے جو اس کی خواہشات کے منافی تھی، لیکن یہ برائے نام دباؤ بھی ہٹا کہ فرانسیسی حکومت نے اسے کھلی چھٹی دے دی کہ استصواب کو غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دے ۔ اس طرح وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوا، جس سے اسے بہت اطمینان ہوا اور بہت سے تجربہ کار مبصروں کو — جن میں امریکی بھی شامل تھے — شدید خطرے کا احساس ہوا۔ یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ سخت ردِ عمل کا خطرہ مول لئے بغیر دین بین فو کے فاتحوں کو اس طرح دغا دی جا سکتی ہے ۔

جولائی ۱۹۵۶ء میں ہو کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنے عوام پر واضح کرے کہ موعودہ رائے شماری کیوں نہیں ہو رہی ہے ۔ اس نے ایک "طویل، سخت اور مشکل جدوجہد" کی پیشین گوئی کی ۔ اس پر زیادہ قنوطی ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا تھا، خاص طور پر اس لئے کہ نہ ماسکو اور نہ پیکنگ — 'پیپلز ڈیلی' میں دو سخت اداریوں کے باوجود — کسی نے ہنوئی کے حقوق کی حمایت میں اپنی حیثیت کو مشتبہ نہ بنانا چاہا ۔ بلگانن اور خروشیف اس وقت کرنل ناصر کے حقوق کی حمایت کرنے میں زیادہ مصروف تھے ......

جنوری ۱۹۵۷ء تک شمالی ویتنام کی قومی اسمبلی کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ "اتحاد کے لئے جدوجہد کرنے سے پیشتر، شمال میں سوشلزم کو مستحکم کرنا ہوگا" ____ جو، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، زرعی اصلاحات کی ناکامی کے نتیجے میں ابھی ابھی سخت بحران سے گذرا تھا، اور خود تنقیدی کے دور میں (نومبر ۱۹۵۶ء) ختم ہُوا تھا۔ ہو نے اس زمانے میں سیکرٹری کی حیثیت سے پارٹی کی باگ ڈور سنبھالی ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام کو اپنے جچا کی جوڑ توڑ کرنے اور عوام سے سیدھے سادے اور بے لاگ الفاظ میں مخاطب ہونے کی صلاحیت کی اتنی سخت ضرورت کبھی نہیں پڑی تھی۔ بہت سی باتوں کے سلسلے میں تکلیف دہ صفائی پیش کرنی تھی۔

لیکن اس سے ہنوئی کے حوصلے پست نہیں ہوئے اور اس نے اتحاد کے لئے جدوجہد پوری تندہی سے دوبارہ شروع کر دی اور صدارتی دوروں (ہو کا سب سے اہم دورہ فروری ۱۹۵۸ء میں نئی دہلی کا دورہ تھا) اور سفارتی یادداشتوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ سائیگان کو اس کام پر آمادہ کرنے کی متواتر کوششوں میں سے، جو فوری طور پر مسترد کر دی جائیں، چند ایک خصوصی اہمیت کی حامل ہیں:۔ مارچ اور مئی ۱۹۵۸ء میں ہنوئی نے "تجارتی لین دین دوبارہ قائم کرنے" کی تجاویز پیش کیں۔ ظاہر ہے کہ ان سے لوگوں کی نقل و حرکت سے متعلق قواعد میں آسانیاں پیدا ہو جائیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ زیادہ لوگ جنوب سے شمال کی نسبت شمال سے جنوب کی طرف جانے کے خواہش مند تھے، دیم کے انکار پر حیرانی ہوتی ہے۔ ایسے تجربے کی تجویز کو مسترد کر دینے کا، جس میں کھلم کھلا جنوبی ویتنام کا مفاد مضمر تھا، مطلب یہ تھا کہ دیم درحقیقت اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتا تھا۔

ایسی مسلسل اور مہمل ضد کا ایک ہی نتیجہ ہو سکتا تھا یعنی یہ کہ ہنوئی کی پالیسی میں سختی آ جائے۔ ۱۴ مئی ۱۹۵۹ء کو لاؤ دونگ کی مرکزی کمیٹی کی پندرھویں نشست میں اس بات کے حق میں رائے دی گئی کہ ملک کو آزاد کرانے کے لئے "مشترکہ اور علیحدہ علیحدہ" لڑائی لڑی جائے۔ "مشترکہ اور علیحدہ علیحدہ" کا مفہوم یہ تھا کہ جنوب میں لڑائی پہلے ہی جاری تھی اور یہ کہ دیم کی آمریت کے سرگرم مخالفین اب مسلح ہو کر میدان میں اتر آئے تھے۔ طاس ۱۹۵۸ء میں ہی مائیکل ہکی نے ایک ویتنامی گاؤں[1]

---

[1] "ویتنام میں گاؤں"، ییل یونیورسٹی پریس، صفحہ ۱۰۔

کی زندگی کے ایک بہت عمدہ جائزے میں لکھا تھا کہ ایک تنظیم، جو کسانوں میں 'برٹش فرنٹ' کے نام سے مشہور ہے، آدمی بھرتی کر رہی ہے اور انہیں بغاوت پر اکسا رہی ہے۔ اور جارج واشنگٹن یونیورسٹی کے ہیرالڈ ہنٹن نے ایک رپورٹ میں، جو اس نے فروری ۱۹۶۷ء کو شکاگو میں ہونے والے ایک سیمینار کے لئے تیار کی، لکھا کہ دیم کے خلاف بغاوت ۱۹۵۷ء میں شروع ہو چکی تھی۔

ستمبر ۱۹۶۰ء میں، یعنی ان واقعات کے دو یا تین سال بعد اور مرکزی کمیٹی کے فیصلے کے سولہ ماہ بعد ہی، لاؤ دونگ کی تیسری کانگریس نے اپنی ایک قطعی تجویز میں جنوب کے گوریلوں کے لئے ہنوئی کی اعلانیہ حمایت کا اظہار کیا۔ اور درحقیقت سائیگان اور واشنگٹن کے سرکاری ذرائع بھی یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار تھے کہ پچھلے سال شمال سے لوگوں کی معمولی تعداد ہی جنوب میں داخل ہوئی تھی — سرکاری اعداد و شمار[1] کے مطابق تین سو۔

محتاط رویہ اختیار کرنے کے فیصلے کی بنا پر ہنوئی حکومت پر کافی نکتہ چینی کی گئی۔ کچھ تو نکتہ چینی لاؤ دونگ کے اندر زیادہ جنگجو عناصر نے کی مثلاً ہوانگ کوک ویت، لو دوک تھو اور انگوین چی تھانھ۔ کچھ جنوب کے ان باشندوں نے جنھیں ۱۹۵۴ء کے معاہدوں کے تحت شمال میں اکٹھا کیا گیا اور جو نام بو میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنے کے لئے بے قرار تھے۔ کچھ ان عزیزوں اور رشتہ داروں نے، جو شمال سے مدد کی توقع کرتے کرتے تنگ آ گئے تھے۔

لیکن — اور ہو کو ایسی یاد دہانی کی کوئی ضرورت نہیں تھی — ایک انقلابی لیڈر کے لئے احتیاط سے زیادہ کوئی اور چیز اتنی مہنگی نہیں ہوتی اور اسی لئے انقلاب کے لئے اس سے بیش قیمت کوئی چیز نہیں۔ جو شخص موقعہ کا انتظار کرتا ہے وہ ہمیشہ 'مناسب لمحے' کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے۔ حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر عوام کے جذبات کو لگام دی، جو دو وجوہات کی بنا پر خطرناک تھے:۔ یہ جذبات شمالی ویتنام پر، جو پوری طرح محفوظ نہیں تھا، امریکی حملے کا محرک ثابت ہوں گے اور ارضِ ویتنام کے اس حصے کے دفاعی

---

[1] یہ اعداد و شمار جنوبی ویتنام کے وزیر خارجہ تران وان دو نے ایک پریس کانفرنس میں دیئے۔

انتظامات کو کمزور کر دیں گے جو سوشلسٹ حکومت کے ماتحت تھا۔ ممکن ہے اس کی شہرت اسی اندازِ فکر کی بنا پر ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۴ء کے درمیان مقابلتاً ماند پڑ گئی ہو۔

تاہم ہو کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ انقلابی پیش قدمیوں کے راستے میں رکاوٹ ڈالنا چاہتا تھا بالکل غلط ہوگا۔ ممکن ہے اس نے ایک دفعہ اور ـــــ جیسا کہ اپریل ۱۹۴۵ء فروری ۱۹۴۶ء اور جون ۱۹۵۴ء میں ـــ کم خطرات مول لینے کی حمایت میں اثر و رسوخ استعمال کیا ہو۔ لیکن ستمبر ۱۹۶۰ء میں ایک نئے پارٹی سیکرٹری کے تقرر میں اس کا دخل تھا۔ وہ لو دوان تھا، جو جنوب میں گوریلوں کو مدد دینے کی پالیسی کا حامی تھا۔ منطقی عمل اپنی راہ پر گامزن رہتا ہے، ہو اس میں دخل نہیں دیتا اور اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ ایسا کردار جو بعد ازاں بدل بھی سکتا ہے۔

ہنوئی کے گورنمنٹ ہاؤس میں واقع اپنے وسیع و عریض دفتر میں وزیر اعظم ـــــ فام وان ڈونگ ـــــ مجھے سمجھا رہے تھے کہ فرانس، جس کا اب بھی جنوب کے دانشوروں کے حلقے میں بہت اثر و رسوخ تھا، کس طرح سیاسی تصفیے کی تلاش میں مدد کر سکتا ہے "ہمیں عوام کا اعتماد حاصل ہے، آپ کو متوسط طبقے کا اعتماد حاصل ہے۔ اگر ہم جنوب میں نمائندہ حکومت قائم کرنے کے لئے متحد ہو کر کام کر سکیں ......" یہ نومبر ۱۹۶۱ء کی بات ہے۔ معمول کے مطابق ڈونگ صدر کی جانب سے بات کر رہا تھا۔ بلکہ اس کے بولنے کا انداز اور لہجہ بھی صدر ہی کا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مجھے اس کے الفاظ پر شبہ ہو رہا ہو؟

دروازہ چند انچ ہی کھلا اور وہ کمرے میں داخل ہوا۔ آج سے پندرہ سال پہلے کی طرح اس کے قدموں کی چاپ سلک کی سرسراہٹ کی مانند مدھم تھی۔ وہ مسکرایا اور ہمیں بیٹھے رہنے کے لئے اشارہ کیا۔ "وزیر اعظم ہماری پالیسی کی وضاحت میری نسبت بہتر کر سکتے ہیں۔ میں صرف دوست کی حیثیت سے آیا ہوں، بیتے دنوں کے متعلق گپ شپ کرنے کے لئے۔ پیرس کا کیا حال ہے؟" وہ دل کھول کر ہنسا اور اسی سگریٹ کے ساتھ جو وہ پی رہا تھا ایک نیا سگریٹ

فلپ داویلر، "اتحاد کے لئے جدوجہد" چائنا کوارٹرلی، مارچ ۱۹۶۲ء

سلگایا۔ (اس نے تسلیم کیا کہ میں اب بھی امریکی سگریٹ پیتا ہوں — اور کوئی مجھ پر انھیں چرانے کا الزام نہیں لگا سکتا......)

وہ بدل گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک میں، جس کا ہر ملاقاتی پر نمایاں اثر ہوتا تھا، کچھ کمی واقع ہو گئی تھی اور اب اس کے چہرے کو راہبانہ حد تک دبلا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس کے بال سفید ہو چکے تھے جن کی وجہ سے اس کی داڑھی اتنی چھدری معلوم نہیں ہوتی تھی۔ مٹی کے رنگ کے چوغے کے اندر جسم اتنا ہی لاغر تھا لیکن اس کی گالیں بھر گئی تھیں اور ان میں کچھ گلابی رنگ آ گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ کچھ مصنوعی سا معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اس کے اسلوبِ بیان میں اب بھی شرارت کا نمایاں اشارہ ملتا تھا اور اس کی روکھی پھیکی ہنسی رہی سہی کمی پوری کر دیتی۔ وہ اس بوڑھے عالم کی مانند معلوم ہوتا تھا جس کی دانائی نے افلاس کی خوبیاں دریافت کرنے میں اس کی رہنمائی کی ہو۔ اسے اپنے اوپر متانت اور سنجیدگی طاری نہ کرنے کا عجیب و غریب ملکہ حاصل ہے — اور یہی ملکہ شاید عوام کے دلوں میں گھر کر جانے کے فن کی روح ہے، جو اس نے پچاس سال پہلے اس زمانے میں سیکھا تھا جب وہ سرمایہ داری نظام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے طریقے بھی سیکھ رہا تھا۔

مجھے افسر شاہی کے ایک بوڑھے رکن کا ایک قول یاد آ گیا جو اس نے فرانس کے خلاف جنگ کے دوران پال موس کو بتایا تھا: "یاؤ دائی موٹا تازہ ہے، ہو چی منھ پتلا دُبلا۔ بحران کے دور میں پتلے دبلے آدمی پر بھروسہ کرنا چاہیئے"۔ آج ہو کا جسم پہلے کی نسبت زیادہ گداز ہے۔ لیکن تاریخ افسر شاہی کی دانائی کا مرکب نہیں ہوتی۔ اور صدر کے جسم کے زاویوں میں اگرچہ کچھ کمی آ گئی ہے لیکن اس کا مخصوص نپا تُلا پن اس پارٹی کی شکل میں محفوظ ہے، جس کی بنیاد اس نے رکھی تھی۔

میرے دورے کے وقت وہ اور وزیر اعظم پانچ سال سے یہ بات جانتے تھے کہ اس حکومت کا، جسے امریکی سائیگان میں ستونوں کے سہارے کھڑا کر رہے ہیں، ملک کو پُر امن طریقے سے متحد کرنے کی خاطر رائے شماری کرانے کا بالکل کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لیکن میں جتنی دیر ان کے پاس رہا انھوں نے ملک کو بتدریج متحد کرنے کے لئے جنوب میں مناسب

طریقے سے قائم شدہ حکومت کے ساتھ بات چیت کرنے کی ضرورت کے علاوہ کوئی بات نہیں کی۔ اور میرے ساتھ یہ گفتگو ان مسلسل خطوط کے بالکل مطابق تھی، جو دونگ نے سائیگان بھیجے تھے۔ چند ماہ بعد ۱۹۶۲ کے موسم گرما میں ہنوئی نے ایک دفعہ اور پیش قدمی کی اور دیم کو رائے دی کہ جب تک ملک کو متحد کرنا ممکن نہیں اس وقت تک اور کچھ نہیں تو انسانی رشتے قائم کرنے کی خاطر ہی بات چیت شروع کر دی جائے۔ لیکن یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی۔

ہنوئی کی جانب سے عندیہ معلوم کرنے کی ان کوششوں کے جواب میں جنوب میں کمیونسٹوں کا شکاری کتوں کی طرح تعاقب کیا گیا اور شمالی حصے کو مکمل طور پر جنوبی حصے سے علیحدہ کر دیا گیا ــــ اس شمالی حصے کو، جس کی معاشیات کو فرانسیسی نوآبادیاتی راج کے تحت اس طرح منظم کیا گیا تھا کہ وہ صنعت کے میدان میں جنوبی حصے کی معاشیات کے لئے تکملہ کا کام دے۔ اور جنوب کی ذمہ داری پورے ویتنام کے لئے خوراک مہیا کرنا تھی۔ سائیگان کے چاول کی سپلائی روک لینے کی وجہ سے شمال سخت قسم کی راشننگ عائد کرنے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ دراصل سائیگان اور واشنگٹن کے سرکاری حلقوں نے ہی، جنھوں نے ویت منھ کے خلاف اس زمانے میں جنگ کرنے سے انکار کر دیا تھا جب کہ یہ خطرناک ثابت ہوتی اور جنھوں نے بعد ازاں جنیوا کے معاہدوں کی تحقیر کی، اب خود ان معاہدوں سے حقیقی فائدہ اٹھانے لگے۔ انھوں نے ان دفعات کو تو رد کر دیا جو ان کے لئے تکلیف دہ تھیں مگر ان دفعات سے پورا فائدہ اٹھایا جن کے ذریعے وہ شمالی ویتنام کو خوراک بند کر کے اطاعت پر مجبور کر سکتے تھے۔

واشنگٹن نے ہنوئی کے خلاف 'استعمار پسندی' کے الزامات لگانا شروع کر دیئے۔ (ایک سو سال قبل، لندن اور پیرس کے اخبارات کے 'ینکیوں' کے خلاف اسی قسم کے الزامات سے پُر ہوتے تھے، جن میں بدقسمت جنوبی ریاستوں کے خلاف جارحیت کا الزام لگایا جاتا تھا۔) نتیجہ یہ ہوا کہ مرنے اور مجروح ہونے والے امریکی 'ماہرین' کی تعداد میں، جنھیں 'جارحیت' کا خاتمہ کرنے کے لئے ویتنام بھیجا جاتا تھا، روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ اور بالآخر دیم کو امریکہ کا ناکام، بدسلیقہ اور نامناسب حد تک خود مختار اتحادی ہونے

کی پاداش میں جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ چند ہفتے پہلے ہو نے ویت نام کا دورہ کرنے والے ایک ہندوستانی سفارتی رکن مسٹر گوبردھن کو کہا تھا: ’ہو سکتا ہے ڈیم بھی سفارت کا ماہر ہو، اپنے ڈھنگ کا۔‘

ہوا یہ کہ ڈیم کی موت نے —— اور تقریباً اسی وقت صدر کینیڈی کی موت نے —— ان لوگوں کے لئے، جو جنگ کو تیز تر کر دینے کے حامی تھے اور جو چاہتے تھے کہ ویتنامی کمیونسٹوں کا تعاقب بڑے پیمانے پر تعزیزی مہم کی شکل اختیار کرے، آسانیاں پیدا کر دیں۔ ۱۹۶۴ء کے اوائل میں امریکہ کے جنگی عزائم نے ایک زیادہ قطعی صورت اختیار کرلی: ویتنام میں امریکی مداخلت نے ان تمام کم ترقی یافتہ ممالک کے لئے، ایک مستقل مثال اور ایک محکم سبق مہیا کیا جو کسی ایسی علاقائی حکومت پر اعتراض کرنے کا خیال رکھتے ہوں جس کی ضمانت امریکہ دے —— اب ویتنامی کسانوں کو برازیل کے بورژوا طبقے، مراقش کے شاہ پسندوں اور منیلا کی حکمران ٹولی کے ذہنی سکون کی خاطر روز افزوں تعداد میں جانوں کی قربانیاں دینی تھیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہو اور اس کے ساتھی اپنے چھوٹے سے علاقے کی ترقی اور اپنی حکومت کے لئے زیادہ احتیاط اور اعتدال سے کام لے سکتے تھے اور بنیادی آزادیوں کا احترام کر سکتے تھے لیکن جس طور ملک کو متحد کرنے کے لئے جینیوا میں کئے ہوئے وعدوں کے سلسلے میں انہیں دھوکا دیا گیا، عام حقوق سے محروم کیا گیا، مستقل افلاس اور مصائب کی سزا دی گئی، جنوب میں ان کے دوستوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، ان کا تعاقب کیا گیا، انھیں قید کیا گیا، جلاوطن کیا گیا، گولی کا نشانہ بنایا گیا، جس طور امریکیوں نے ۱۹۵۴ء کے معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، جن کے تحت ہر قسم کی اور بیرونی مداخلت ممنوع قرار دی گئی تھی، اپنی افواج کی تعداد میں اضافہ کیا، . . . جس طور سے یہ سب کچھ کیا گیا۔ کیا کوئی شخص ہو سے یہ توقع رکھ سکتا تھا کہ وہ اس جدوجہد میں شمالی ویت نام کو پابند نہ کرے۔

۱۹۶۴ء کے اوائل تک شمال کے کوئی تین چار ہزار سپاہی نیشنل لبریشن فرنٹ کے تقریباً ایک سو بیس ہزار گوریلوں کے دوش بدوش لڑ رہے تھے۔ ان کے خلاف جنرل کھانہ

(جسے تھوڑی ہی دیر بعد اس کے محافظوں نے کمان سے علیحدہ کر دیا) کے پانچ لاکھ سپاہی اور ان کے پچاس ہزار امریکی 'مشیر' نبرد آزما تھے۔ کیا اب بھی جنگ کو محدود کرنے یا روکنے کا کوئی امکان تھا؟ صدر جانسن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ نومبر میں دوبارہ منتخب ہونے کی صورت میں جنگ کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ آئندہ مہینوں کے دوران میں ہو گی —— جو دوبارہ اپنے ملک کا مسلمہ لیڈر بن چکا تھا —— تھوڑے وقفے کے بعد کئی دفعہ رائے لی گئی۔

مئی ۱۹۶۴ء کے آخر میں فرانسیسی ٹیلی ویژن کے لئے ایک انٹرویو میں اس سے پوچھا گیا کہ کیا جنرل دی گال کے لئے ریفری کے فرائض انجام دینا ممکن ہوگا۔ ہو نے کہا "ریفری؟ ہم فٹ بال کی ٹیمیں نہیں ہیں۔" لیکن کئی ذرائع سے معلوم ہوگیا کہ اس کا خیال تھا کہ جنرل دی گال کی تجاویز —— امریکہ کی جنگ سے علیحدگی، جنوب مشرقی ایشیا کو غیر جانبدار علاقہ قرار دینا —— اس قابل ہیں کہ ان کا بغور جائزہ لیا جائے۔" کچھ عرصے کے بعد اوتھاں اور دیگر لوگوں کی اس کوشش کے سلسلے میں کہ گفت و شنید کے ذریعے معاملات طے ہوں ہو کا ردِ عمل بہت حوصلہ افزا تھا۔ اس بات کے باوجود کہ خلیج ٹانکن کے ۲ اور ۴ اگست کے دو واقعات سے جنگ کا دائرہ وسیع کرنے کے عمل کا آغاز ہو چکا تھا۔

اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے پہلی کوشش پیرس، قاہرہ اور ماسکو کا دورہ کرنے کے بعد اگست ۱۹۶۴ء میں کی۔ وہاں سے واپس آکر اس نے واشنگٹن میں جانسن اور ڈین رسک سے ملاقات کی۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ بات چیت غیر سرکاری اور نیم سرکاری سطح پر رابطہ قائم کرنے کے بعد ہی شروع ہو سکے گی۔ ان کے جواب کسی لحاظ سے بھی حوصلہ شکن نہیں تھے۔ ستمبر کے اوائل میں اس نے ماسکو کے ذریعے ہو کو ایک پیغام بھیجا جس میں پوچھا گیا تھا کہ کیا ایسی گفت و شنید کی تجویز اسے منظور ہو گی۔ ہو نے جواب دیا کہ میں اپنا سفیر امریکی حکومت کے نمائندے کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے بھیجنے کو تیار ہوں۔ اوتھاں نے یہ خط ایڈلائی سٹیونسن کو بھیج دیا، جو ان دنوں اقوامِ متحدہ میں امریکہ کا سفیر تھا۔ لیکن واشنگٹن نے اس معاملے کی پیروی کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔

جنوری ۱۹۶۵ء میں سیکرٹری جنرل نے سٹیونسن سے امریکی ردِ عمل دریافت کیا۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ امریکہ نے کینیڈا سے درخواست کی تھی کہ ہنوئی کا عندیہ دریافت کرنے کی کوشش کرے اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ہوچی منھ بات چیت کرنے کی حقیقی خواہش نہیں رکھتا، تو اسے بہت حیرانی ہوئی۔

اوتھاں نے بہت شائستگی سے اس نکتے کی وضاحت کی کہ اگر ہو اس رابطے کو بالکل غیر سرکاری سطح پر رکھنا چاہتا ہے تو وہ تیسرے فریق کی شرکت کا استقبال نہیں کرے گا۔ چاہے یہ تیسرا فریق اوٹاوا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ اسے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہنوئی میں کینیڈا کے سفیروں نے ویت نامی صدر کے ساتھ براہِ راست گفتگو نہیں کی تھی۔

سٹیونسن نے کسی کی منظوری لئے بغیر سیکرٹری جنرل سے پوچھا کہ یہ رابطہ کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے۔ اوتھاں نے تجویز پیش کی کہ رنگون میں دونوں سفیروں کے درمیان رابطہ بہترین بات ہوگی۔ اس کے بعد سٹیونسن نے ۱۶ر جنوری کو اس سے پوچھا کہ کیا برما اس سکیم پر رضامند ہوگا۔ اڑتالیس گھنٹے کے اندر اوتھاں نے ایک امید افزا جواب بھجوا دیا، جو سٹیونسن نے واشنگٹن روانہ کر دیا۔ دس دن کے بعد امریکی حکومت نے یہ تجویز اس بنا پر نامنظور کر دی کہ اس سے سائیگان کی حکومت کے ٹوٹ جانے کا خدشہ ہے۔ (لوگوں کا یہ خیال بھی ہو سکتا ہے کہ بہرحال وہ کوئی ایسی حکومت بھی نہ تھی جسے حکومت کہا جائے)

فروری ۱۹۶۵ء کے اوائل میں نوم پنھ میں 'انڈو چائینیز پیپلز کانفرنس' کا آغاز ہوا۔ اس کا انتظام پرنس سہانوک نے کیا تھا[1]۔ شمالی ویتنام کے ایک مندوب ہوانگ کوک ویت نے (جس کا شمار ہنوئی میں اعتدال پسندوں میں نہیں ہوتا) ایک غیر ملکی صحافی کے سوال کے جواب میں کہا:- 'واشنگٹن کے ساتھ بات چیت؟ کیوں نہیں؟' اس کے فوراً ہی بعد شمال پر ہوائی حملے شروع ہو گئے۔ ان کے متعلق فیصلہ ستمبر میں ہو چکا تھا، یا کم از کم

---

[1] کمبوڈیا اور شمالی ویتنام کی نمائندگی ان ممالک کی حکومتوں نے کی، لاؤس کی پیتھٹ لاؤ نے اور جنوبی ویتنام کی این۔ ایل۔ ایف اور دوسری کئی غیر جانبدار جماعتوں نے۔

ایک ذمہ دار امریکی ترجمان کے ساتھ گفتگو سے میں نے اندازہ یہی لگایا تھا۔ اس کا مقصد سائیگان کے "حکام" کی حوصلہ افزائی تھا۔ چند ماہ بعد کسی کو یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ "حکام" کون تھے....

اس طرح ۷ فروری ۱۹۶۵ء کو جنگ کا دائرہ وسیع کرنے کے عمل کا آغاز ہو گیا تھا۔ کچھ لوگوں کے نزدیک جنگ کا دائرہ وسیع کرنے کی پالیسی نہ تو انتقامی کاروائی تھی اور نہ ہی ایسی حکمتِ عملی جس کا مطلب شمالی ویتنام سے شکست کا اعتراف کرانا تھا (کیا کوئی سنجیدگی سے سوچ بھی سکتا تھا کہ دین بین فو کے فاتحوں کو شکست دی جا سکتی ہے؟) بلکہ یہ ایک چیز تھی جس کے بدلے دوسری چیز کا لین دین کیا جا سکے۔ پہلے امریکہ کے پاس ترُپ کے پتے کافی نہیں تھے۔ اب وہ شمالی ویتنام کی افواج کی واپسی کے بدلے میں بمباری روکنے کی پیش کش کر سکتا تھا۔ ہنوئی نے بات چیت شروع کرنے کے لئے جب ضروری شرط یہ عائد کی کہ بمباری روکی جائے تو وہ دراصل ان کی چال میں آ گئے۔

اس مرحلہ پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے، جس کا کوئی جواب نہیں۔ ایک ایسے ملک کو پے در پے ضربیں لگا کر، جس کے پاس اپنی حفاظت کے لئے کوئی حقیقی ہوائی فوج نہیں ہے، جنگ کا دائرہ وسیع کرنے کا امریکی فیصلہ حیران کن حد تک ایسی بزدلی پر مبنی تھا جو امریکی عوام کے کردار کے خلاف ہے۔ تمام دنیا نے ہتھیاروں کے سلسلے میں دونوں پارٹیوں کے درمیان مکمل عدمِ مساوات کو تسلیم کیا۔ ان حالات میں ہو اور اس کے وزیروں نے سترھویں خطِ متوازی کے نیچے فوجی مداخلت کے الزام سے مستقل انکار کیوں کیا؟

امریکہ کی نئی حکمتِ عملی نے جینیوا کے معاہدوں کی بنیادی شرائط کی اتنی کھلم کھلا خلاف ورزی کی تھی کہ ہنوئی کو مداخلت کرنے کا ہر حق پہنچتا تھا۔ اس کے علاوہ شمال کی باقاعدہ فوج کے دستے ۱۹۶۲ء[1] میں ہی جنگ کے علاقے میں پائے جا چکے تھے۔ ۱۹۶۶ء کے آخر تک ان کی تعداد پچاس ہزار کے لگ بھگ ہو گی —— امریکی ہوائی حملوں کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ دو سال کے

---

[1] چاہے وہ انہی دستوں پر مشتمل ہوں جو جنوب ہی میں وجود میں آئے تھے لیکن ۱۹۵۴ء میں شمال کو بھیج دیئے گئے تھے۔

عرصے میں شمال سے جنوب میں داخلہ بہت بڑھ گیا۔ اس دلیل میں کہ ہنوئی امریکیوں کو کوئی عذر مہیا نہیں کرنا چاہتا تھا کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ کیا امریکی ضرب لگانے سے پیشتر عذر تلاش کرتے رہے ہیں؟ اس میں اور دوسرے معاملوں میں راست گوئی ہو اور اس کے پیروکاروں کی شہرت کو فائدہ ہی پہنچا سکتی تھی۔

اپریل ۱۹۶۵ء میں ایک دوسرے کے چند گھنٹے پہلے یا بعد دونوں فریقوں نے اپنی اپنی پوزیشن کا اعلان کر دیا۔ ۷ر اپریل کو صدر جانسن نے بالٹی مور میں جونز ہاپکنز یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے اصرار کیا کہ امریکی 'غیر مشروط مذاکرات ..... کے لئے اب بھی تیار ہیں'۔ آٹھ کو (دراصل اسی دن، لیکن بین الاقوامی خطِ تاریخ کے دوسری طرف) وزیر اعظم فام وان دونگ نے بات چیت کے لئے ہنوئی کی چار شرائط کا اعلان کیا۔ یہ مشہور چار نکات ہیں:۔ خود مختاری، عدم مداخلت، دوبارہ اتحاد اور این۔ ایل۔ ایف کے پروگرام کے مطابق جنوب میں سیاسی تصفیہ۔

پہلے تو واشنگٹن نے ان 'چار نکات' کو نظر انداز کیا۔ چند ہفتوں کے بعد حکام ان کا جائزہ لینے پر رضامند ہو گئے۔ ماسکو میں سابقہ اور آئندہ ہونے والے سفیر اور 'روسی معاملات' کے ماہر مسٹر ٹامپسن نے فیصلہ صادر کیا کہ فام وان دونگ کے بیان کی کوئی اہمیت نہیں۔ جب امریکہ کے کینیڈین اور فرانسیسی اتحادیوں نے رائے دی کہ بمباری میں وقفہ دینے سے ہنوئی کے رویے میں اعتدال کا امکان ہے تو امریکہ نے مئی کے دوسرے پندرھواڑے میں چار دن کے لئے بمباری بند کر دی۔ جس پر — صدر ہو کی جانب سے — پیرس میں شمالی ویتنام کے نمائندے مائی وان بو نے کے دورے جا کر وضاحت کی کہ 'چار نکات' کو عام اصول گردانا چاہیے۔ اگر انھیں اس حیثیت میں منظور کر لیا جائے تو گفتگو شروع ہو سکتی ہے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ واشنگٹن اس اقدام کی پوری اہمیت کا جائزہ لے سکے بمباری دوبارہ شروع کر دی گئی۔ ہو کے اعتماد میں کچھ اور شگاف پڑ گئے۔

ہو کے اعتماد کو ان باتوں سے سہارا نہیں مل سکتا تھا یوں کہ آئندہ جون اور جولائی میں دانانگ میں کثیر تعداد میں امریکی بحری سپاہی جہازوں سے اترے اور وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ عنقریب ہی جنوبی ویتنام کی فوجی طاقت کے ڈھیر ہو جانے کا امکان تھا اور اس طرح جنگ کا

دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا۔ واشنگٹن دوسرے ڈین بین فو کو ٹال چکا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا ویتنام میں جنگ کا فطری اور ناگزیر نتیجہ یہ نہیں ہے کہ اس کا دائرہ وسیع ہو جائے؟

۱۴ اگست کو فلپ ڈیویلر کے سوالنامے کے جواب میں، جو ہند چینی کی پہلی جنگ کے پس منظر کی تاریخ کا مصنف ہے، ہو نے بتایا کہ یہ ضروری ہے:

"کہ امریکی حکومت اس بات کا واضح ثبوت مہیا کرے کہ وہ ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام کے "چار نکات" کو منظور کرتی ہے، جو ویتنام سے متعلق ۱۹۵۴ء کے جنیوا کے معاہدوں کی کلیدی سیاسی اور فوجی دفعات کے مطابق ہیں، کہ وہ ڈیموکریٹک ری پبلک آف ویتنام کے علاقے پر ہوائی حملے فوری طور پر بند کر دے کہ وہ ہمارے ملک کے جنوبی حصے پر جارحانہ جنگ کو "فوراً" ختم کر دے، اور یہ کہ وہ اپنی تمام افواج اور امریکی اسلحہ واپس لے جائے۔ باعزت امن کا نمونہ یہ ہے۔ اس کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے[1]۔"

اس زمانے کے کسی سیاسی مبصر نے اس بیان کی اصل اہم بات پر دھیان نہیں دیا:۔ کہ لفظ 'فوری' شمال پر ہوائی حملوں کو روکنے اور جنوب میں 'جارحانہ جنگ' بند کرنے کے مطالبوں کے ساتھ لگایا گیا ہے اور امریکی افواج کی واپسی کے ساتھ نہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہو شمالی ویتنام پر بمباری کے خاتمے اور جنگ کے دائرے میں کمی کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا، نہ کہ امریکی افواج کی فوری واپسی کا۔ (بات چیت شروع کرنے کے لئے ضروری شرط کے طور پر یہ مطالبہ پہلے ہی بہت مقبول ہو رہا تھا)۔

اس نکتے پر پوری طرح غور کرنے میں امریکی مبصروں کی ناکامی کی وجہ سے ہنگری کے وزیر جانوس پیٹر کے بیانات ہنگامہ خیز اہمیت رکھتے ہیں، جس نے اکتوبر میں ہنوئی کے دورے سے واپس آ کر اصرار کیا کہ شمالی ویتنام کے جن جن سرکاری افسروں سے اس نے گفتگو کی ان میں سے کسی نے بھی اس قسم کی شرط کا ذکر نہیں کیا۔ اور اس امر نے پروفیسر جورجیو لاپیرا کے، جو فلورنس کے میئر رہ چکے تھے اور جن کے غیر کمیونسٹ دنیا میں ہو تک "رسائی" حاصل کرنے کے امکانات

---

[1] "لوموند" ۱۵ اگست ۱۹۶۵ء

سب سے زیادہ روشن تھے، شمالی ویتنام کے دورے کی رپورٹوں کے سلسلے میں عوام کا ردعمل اور بھی شدید کر دیا۔ (ہم بہت آسانی سے صدر کو مارکسٹ لاپیرا اور پروفیسر کو عیسائی ہوچی منھ کہہ سکتے ہیں۔)

جیسا کہ توقع کی جا سکتی تھی، اصول پرستی کے ان دو ماہر ترجمانوں کے درمیان اس ملاقات کا نتیجہ باہمی "انکشاف" کی صورت میں برآمد ہوا۔ ۱۱ر نومبر کو ہو نے اعلان کیا کہ میں امن قائم کرنے کی خاطر "کسی آدمی سے بھی ملاقات کرنے کے لئے کسی جگہ بھی جانے کو تیار ہوں"[1]

لاپیرا نے یہ بیان اٹلی کے وزیرِ خارجہ آمنتو مے فانفانی تک پہنچایا، جو ان دنوں اقوامِ متحدہ کی اسمبلی کا صدر تھا۔ فانفانی نے صدر جانسن کو ایک خط لکھا، جس میں بتایا کہ ہو اور دونگ ان شرائط پر بات چیت کرنے کے لئے تیار ہیں:۔

ا۔ پورے ویتنام (شمال اور جنوب میں) میں زمین، سمندر اور ہوا میں جنگ بندی۔ یہ جنگ بندی ہر قسم کی جنگی نقل و حرکت پہ لاگو ہوگی اور مزید امریکی افواج کا داخلہ ممنوع ہوگا۔

ب۔ ایک اعلان کہ بات چیت کے لئے ۱۹۵۴ء کے جینیوا کے معاہدوں کو بنیاد کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ اعلان ان چار نکات پر مشتمل ہوگا جو انہوں نے تیار کئے ہیں اور جو دراصل جینیوا کے معاہدوں کے متن کی وضاحت کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن جن کا خلاصہ ایک نکتے میں پیش کیا جائے گا:۔ جینیوا کے معاہدوں کا اطلاق۔

فانفانی نے مزید بتایا کہ گفتگو کے دوران لاپیرا کو یہ باور کرا دیا گیا تھا کہ ہنوئی امریکی افواج کے ویتنام سے اخراج پر اصرار کئے بغیر بات چیت شروع کرنے کے لئے تیار ہے۔

لیکن ڈین رسک کو اس میں کوئی قابلِ غور بات نظر نہ آئی۔ اس نے کہا کہ اس کے اپنے 'ذرائع اطلاع' ہیں ـــــ اور ان ذرائع کے مطابق ہوچی منھ امن کا مخالف ہے۔ اس نے بالالتزام مسز فانفانی کی رپورٹ کو مشتہر کیا اور جب تفصیلات سامنے آئیں تو قدرتی

---

[1] پروفیسر لاپیرا نے ایک خط میں مجھے لکھا:۔ "ہوچی منھ ٹھنڈے دل کا آدمی ہے۔ وہ ویتنام میں، ایشیا میں اور میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے ٹھنڈے دل سے غور کر سکتا ہے"۔

طور پر ہنوئی نے ان کی تردید کی - ہو قطعی طور پر امریکیوں کو نہیں تو کم از کم ان لوگوں کو پہچاننے لگا تھا، جو ۱۹۶۵ء میں ان پر حکومت کر رہے تھے ......

چند دن بعد انگریز صحافی فیلکس گرین اسی آبائی نام کے (ناولسٹ کا ایک رشتے دار) کے ساتھ ایک انٹرویو میں ہو نے امریکی حکام کے متعلق صریحی طور پر تلخ لہجہ اختیار کیا :-

"وہ کہتے ہیں کہ ہم اس جنگ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں - وہ اس قسم کی بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ آپ نے ہمارا ملک دیکھا ہے - آپ نے ان مصائب کو بھی دیکھا ہے، جن کا ہمارے عوام ہوائی حملوں کی وجہ سے شکار ہوئے ہیں - اس خوفناک جنگ کو جاری رکھنے کی خواہش کون کر سکتا ہے؟ انہوں نے سوائے لڑنے کے ہمارے لئے کوئی چارۂ کار نہیں چھوڑا- ہم اپنی خود مختاری سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گے۔"

گرین نے اس مضمون کی ایک چینی ضرب المثل دہرائی کہ دشمن کے بھاگ جانے کے لئے ہمیشہ ایک دروازہ کھلا چھوڑ دینا چاہیئے - ہو نے کہا - میں جانتا ہوں یہ امریکہ کی لاج رکھنے کا پرانا مسئلہ ہے ...... لیکن آپ جانتے ہیں، دروازہ کھلا ہے - وہ کسی وقت بھی جا سکتے ہیں ...... وہ جس وقت بھی فیصلہ کر لیں ہم ان کی ہر ممکن مدد کریں گے - ہم تو انھیں بہترین انداز میں الوداع کہنے کو تیار ہیں[1]"

اس دوران میں واشنگٹن نے کئی دوست حکومتوں اور ویٹ کن کی بات مان کر بمباری میں دوسرے وقفے کا اعلان کیا، جو ۲۵ر دسمبر سے شروع ہونا تھا - اس دفعہ یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ وقفہ اتنا طویل ہوگا کہ اس میں رابطہ قائم ہو سکے یا معلومات کا تبادلہ کیا جا سکے - ہر شخص جانتا تھا کہ جذبے کا یہ اظہار مادی غرض —— بموں کی حیران کن کمی —— یا کسی اور درپردہ مقصد کے بغیر نہیں تھا - لیکن یہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا اور ان کی امیدیں بندھیں - ہر شخص ہو کے زبانی ردِ عمل کا منتظر تھا - یہ ردِ عمل جنوری کے آخر میں ہوا اور ان لوگوں کی توقعات پر پورا نہ اترا، جو اس کی پہلی سفارتی پیش قدمیوں سے آشنا تھے -

---

[1] اسوسی ایٹیڈ پریس، ۲۰ر دسمبر ۱۹۶۵ء

اس نے بمباری میں وقفے کی گمراہ کن نوعیت کی مذمت کی۔ (در اصل دونوں فریقوں نے اس التوا کے دوران میں اپنی اپنی پوزیشن کو اور مضبوط کیا۔ اس ضمن میں امریکی سرگرمیوں کے متعلق اہم رپورٹ نیویارک ٹائمز میں جیمز ریسٹن نے دی ہے۔) اس کے علاوہ اس نے اصرار کیا کہ اگر امریکی بات چیت کرنا چاہتے ہیں تو انھیں گفت وشنید این۔ ایل۔ ایف کے ساتھ کرنا ہوگی، جو "جنوبی ویتنام کے عوام کی واحد حقیقی نمائندہ جماعت ہے"۔ دروازہ کھلا چھوڑنے کی بجائے ہو ایک اور جھنجھٹ کا اضافہ کر رہا تھا۔ "چار نکات" کی شکل میں امریکیوں کو این۔ ایل۔ ایف کے "پروگرام" کا سامنا تھا، لیکن یہ پروگرام بڑی حد تک مبہم تھا۔ یوں فرنٹ کو بیچ میں لاکر اور اس کی واحد نمائندہ حیثیت پر زور دے کر ہنوئی واشنگٹن کے لئے یہ بات مشکل بنا رہا تھا کہ وہ بات چیت کے ذریعے تصفیے کے اصولوں کو مانے۔

یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ واشنگٹن کو جھوٹا ثابت کرنے کی حد تک ہی سہی ہو نے موقعے سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ کچھ مبصروں کے نزدیک اس بات کی سب سے زیادہ دل لگنے والی وجہ نومبر ۱۹۶۵ء کے اواخر اور دسمبر کے شروع میں پیکنگ میں ماؤ کے ساتھ اس کی ملاقات ہے۔ خیال یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ گو ماؤ اپنے مہمان کو ترمیم پسندوں کے خلاف جہاد میں اپنے ساتھ نہیں ملا سکا تاہم اس نے امریکیوں کے خلاف سخت رویّہ اختیار کرنے کے سلسلے میں اسے ہم خیال بنا لیا۔ یہ محض ایک نظریہ ہے لیکن زیادہ تسلی بخش نہیں۔ ویتنام میں عوامی جمہوریہ چین کو "ویٹو کا حق" نہیں ہے۔ ماؤ ہنوئی میں جنگ یا امن کے سلسلے میں احکام صادر نہیں کر سکتا۔ وہاں ویتنامی لڑ رہے ہیں نہ کہ چینی اور پیکنگ حکومت اعلانیہ تسلیم کرتی ہے کہ "معاملہ طے کرنے کے مجاز ویتنامی کامریڈ ہیں"۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب بھی انھیں اس موضوع پر بات کرنے کا موقع ملتا ہے، وہ اس حقیقت کو چھپاتے ہیں کہ وہ بات چیت کرنے کا "مشورہ" نہیں دیتے۔ اگر اس "مشورے" کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہو طریق عمل بدلنے کا فیصلہ کرے اور سیاسی تصفیہ حاصل کرنے کی کوشش کرے تو پھر بھی اسے جنوبی ویتنام کے نیشنل لبریشن فرنٹ کے لیڈروں کو اس بات کا قائل کرنا ہوگا۔ اور شاید مسئلے کی اصلی جڑ یہی ہے۔

اس سلسلے میں لاتعداد قیاس آرائیاں کی جاسکتی ہیں کہ ہنوئی کے ساتھ تعلقات میں این۔ ایل۔ ایف

کو کس حد تک حقیقی خود مختاری حاصل ہے - یہ اپنی مرضی سے معرضِ وجود میں آیا اور اسے شمالی ویتنام سے پہلے اصولی حمایت، پھر مدد اور آخر میں براہِ راست مداخلت اور شاید کسی حد تک سخت گیر سرپرستی حاصل ہوئی - اس سلسلے میں شاید سب سے اچھا خلاصہ یہ ہے :- تدبر کے لحاظ سے خود مختار اور حکمت عملی کے لحاظ سے ماتحت' مختصراً اس بات کو بہتر طور پر اسی طرح کہا جا سکتا ہے - بہر صورت فرنٹ اپنے ردعمل، اپنی تشکیل، اور اپنی آرزوؤں کے اعتبار سے مخصوص طور پر جنوبی ہے ـــــ گو جہاں تک آرزوؤں کا تعلق ہے وہ ویتنام کی قومی صورتِ حال میں پورے طور رچی بسی ہیں -

اس سلسلے میں قابلِ لحاظ بات یہ ہے ـــــ کیونکہ پورے ویتنام کے عوام ہم عصر تاریخ کے احساس سے سرشار ہیں اور اس سے سیکھے ہوئے سبق کو بہت پُرجوش انداز میں ذہن نشین رکھتے ہیں ـــــ کہ اگر ہنوئی کے پاس ۱۹۵۴ء کے بعد سے اپنے مغربی حریف پر بھروسہ نہ کرنے کا کچھ جواز تھا تو بھی جنوبی ویتنام کے شک و شبہات اِن تجربات کی بنا پر اور بھی تازہ تھے جو شمال کی نسبت تعداد میں زیادہ، زیادہ تلخ اور زیادہ خصوصی تھے - ۱۹۴۶ء میں فرانس اور ویت منھ کے درمیان معاہدے سے جنوب کے گوریلوں کو بڑی حد تک نقصان پہنچا تھا - ہو نے استصواب رائے کے لئے بہت کوشش کی تھی، جس کے نتیجے میں جنوب کے عوام ڈیموکریٹک ری پبلک کے ساتھ مل جاتے - لیکن وہ فرانسیسی فوج کے سخت گیر اختیار میں رہے -
جینوا کے معاہدوں پر دستخط ہو جانے کے بعد وہ موعودہ رائے شماری کے نہ ہونے کی وجہ سے بھر گھاٹے میں رہے - اور جب ان میں سے زیادہ بغاوت پسند عنصر نے مسلح بغاوت کی تو انھیں شمال کی اعانت کے لئے کئی ماہ انتظار کرنا پڑا - اس لئے جنوبی ویتنام کے لوگوں کے دلوں میں ایک خاص تعصب پایا جاتا ہے، جو مسئلے کے سیاسی حل' (فوجی حل سے جدا) میں رکاوٹ بنتا ہے[1] - یہ تعصب ۱۹۶۵ء کے آخر میں ظاہر ہوا جب سفارتی سطح پر رابطہ قائم ہونے کی اُمید آخرِ کار بندھ رہی تھی ـــــ مسٹر رسک کے باوجود، جو سچائی کو ہمیشہ کے لئے امریکی

[1] جنوری ۱۹۶۷ء میں نیشنل لبریشن فرنٹ کی سنٹرل کمیٹی کے ایک رکن نے مجھے بتایا کہ اگر ہنوئی بات چیت شروع کرنے کے لئے صرف شمالی ویتنام پر ہوائی حملوں کے روکنے پر رضامند ہو بھی جائے تو این - ایل - ایف اس سے مطمئن نہیں ہوگا۔

عوام سے نہیں چھپا سکتا تھا ــــــ صاف ظاہر ہے کہ ہنوئی اور واشنگٹن کے درمیان براہِ راست بات چیت کے امکان کو بھانپ کر این - ایل - ایف کے لیڈروں نے اصرار کیا ہوگا کہ ہو ان کی پوزیشن کی پوری طرح وضاحت کرے - اغلب یہی ہے کہ جنوری ۱۹۶۶ء کے آخر میں اس کے روکھے اور منفی بیان کی وجہ یہی تھی -

واشنگٹن میں، اور اس سے بھی زیادہ سائیگان میں، اس بیان سے وہ ٹولا بہت خوش ہوا، جو ہوائی حملوں کو دوبارہ شروع کرنے اور تیز تر کر دینے کے لئے محض بہانے کا انتظار کر رہا تھا۔ ۳۱ جنوری تک شمالی ویت نام ایک دفعہ اور بمباری کے سائے میں رُبنا[1] دیکھ رہا تھا - تاہم اس سے سفارتی سرگرمیوں میں کمی بالکل واقع نہیں ہوئی - واشنگٹن بلاشبہ جنگ کر رہا تھا لیکن امریکہ کے اتحادی بھی تھے - شاید ان کے ذریعے کچھ حاصل ہو سکے؟

۲۴ جنوری کو ہو نے جنرل دی گال کو ایک خط بھیجا - اس خط میں یہ بتانے کے بعد کہ واشنگٹن اور سائیگان کے ۱۹۵۴ء کے معاہدوں کو توڑنے کے نتیجے میں لڑائی کس طرح شروع ہوئی، اس نے درخواست کی کہ فرانس "جنیوا کے معاہدوں کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری طرح قبول کرے"۔ اور جنرل "ویتنام اور ہند چینی میں امریکہ کی مزید مداخلت بر وقت روکنے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے"۔[2]

جنرل نے اس بات کی (خواہ وہ کتنے ہی شستہ الفاظ میں کہی گئی ہو) کہ اس کے ملک نے اپنی ذمے داریوں کا احترام نہیں کیا، کوئی پرواہ نہیں کی ــــــ لیکن اس نے بہت کامیابی سے اپنے جذبات پر قابو پایا اور ۸ فروری کو جواب دیا کہ فرانس کی رائے میں امن جنیوا کے معاہدوں پر عمل درآمد کر کے جس میں ویتنام کی خود مختاری کی ضمانت (ایک طرف تو) یہ ہوگی کہ کوئی بیرونی طاقت کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کرے گی اور (دوسری طرف) ویتنامی حکام غیر جانبداری کی پالیسی پر کاربند ہوں گے ......؛ دوبارہ قائم کیا جانا چاہیے - اس کے

---

[1] یہ ایک بہت عمدہ فلم کا نام ہے، جو ۱۹۶۶ء میں روجر پک اور ولفریڈ برشیت نے ہنوئی میں بنائی -

[2] "لوموند" یکم فروری ۱۹۶۶ء

علاوہ اس نے آخر میں کہا کہ "ہم (مسئلے کے) فوجی حل کو خارج از بحث قرار دیتے ہیں اور (ایسے حل) کی تلاش میں جنگ کو وسعت دینے کے ہی نہیں اسے طوالت دینے کے بھی مخالف ہیں"۔

دی گال نے اپنے خط کا خاتمہ اس یقین دہانی سے کیا کہ فرانس جنگ کو جلد ختم کرنے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنے کو تیار ہے اور تصفیے کے امکان کی صورت میں تندہی سے اپنا کردار ادا کرنے کا خواہاں ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ہنوئی حکومت کے ساتھ ایسے روابط رکھنے کے لئے تیار ہے جو فائدہ مند ثابت ہوسکیں۔

یہ خط وکتابت "فرانسیسی قصے" کا خاتمہ ثابت نہیں ہوئی۔ نوم پنھ کی فوری مداخلت سے پہلے بھی اعلیٰ مرتبے کا ایک ملاقاتی ہنوئی پہنچا۔ پیکنگ کے دَورے کے اختتام پر جہاں ویتنامیوں کے ساتھ اس کی مانی ہوئی دوستی اور دی گال کے ساتھ قربت کے باوجود چینی حکام اس کے ساتھ نمایاں سرد مہری سے پیش آئے، سینتنی چوتھے مشن پر شمالی ویتنام پہنچا تھا۔ ۷ر جولائی ۱۹۶۶ء کو صدر ہو نے آج سے دس سال پہلے ہنگری کے تارکانِ وطن کے سلسلے میں جھگڑے کے بعد پہلی دفعہ اس کا خیر مقدم کیا۔

ہو نے اپنا پرانا طریقہ اختیار کیا اور "بغیر اطلاع کے"، اس کمرے میں داخل ہوگیا جہاں سینتنی فام وان دونگ اور وزیر خارجہ انگوین دوئی ترنھ سے گفتگو میں مشغول تھا۔ وہ مہمان سے بغل گیر ہُوا اور پر مسرت انداز میں دو ویل اور بیاترز میں بیتے ہوئے دنوں کی یادیں تازہ کیں۔ آخر میں اس نے آنکھ جھپک کر اس سے کہا:۔ "کل آؤ اور ملو۔ ہم دونوں ہی ہوں گے ......!" پھر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے دونوں ساتھی کافی حیران ہوئے۔ شمالی ویتنام میں سفارتی سطح پر خلوت کی ملاقاتیں نہیں ہوتیں۔

اور اس جوڑے کے درمیان دو غیر سرکاری ملاقاتیں ہوئیں۔ تاہم ہو نے کوئی نئی تجاویز پیش نہیں کیں۔ جب سینتنی نے اس بات پر زور دینے کی کوشش کی کہ ویتنامی عوام کے مصائب کے پیشِ نظر بات چیت شروع کرنے کی غرض سے ان کے لیڈروں کا ہر اقدام حق بجانب سمجھا جائے گا تو یہ بات اس پر واضح کر دی گئی کہ کوئی ویتنامی ـــــ ہو کا تو ذکر ہی نہیں ـــــ "خود مختاری اور عزت کے مسئلہ پر" کوئی سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ ہو کے نزدیک

دانانگ سے کام اتھ تک اتنے وسیع پیمانے پر امریکی فوجی کاروائی کا مقصد صرف یہ ہو سکتا تھا کہ امریکی مستقل اڈے قائم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ جن کے لئے مفلسی قدرتی حالت ہے، وہ لوگ جو ایک ایک پیسہ گنتے ہیں، اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص عارضی اڈوں کے لئے کروڑوں ڈالر بھی خرچ کر سکتا ہے (حالانکہ ہمارے لئے یہ خیال بعید از قیاس نہیں ہے)۔

سینتنی کے دورے کے اختتام پر دی گال اور ہوچی منہ کے درمیان مزید خط وکتابت شائع ہوئی۔ اس سفارشی خط کے جواب میں، جو اس کا مہمان اپنے ساتھ لایا تھا، ہو نے لکھا:۔

"ایک پرانے دوست کی حیثیت میں ہم موسیو سینتنی کی آمد کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ہمیشہ کریں گے۔ ہم نے موسیو سینتنی کے ساتھ اس مسئلے پر گفتگو کی ہے، جو ہمارے لئے اہم ترین ہے۔ ہم نے ان پر واضح کر دیا ہے کہ امریکی جارحیت کے پیشِ نظر ہمارے عوام اس وقت تک لڑنے کا تہیہ کر چکے ہیں جب تک آخری فتح حاصل نہ ہو جائے، اس کے لئے چاہے کتنی بھی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں۔ ہم شکر گذار ہیں کہ فرانس ویتنام کے سلسلے میں، ۱۹۵۴ء کے جنیوا کے معاہدوں کے دستخط کنندہ کی حیثیت میں، ان معاہدوں پر صحیح عملدرآمد کی بنیاد پر اس علاقے میں دوبارہ امن قائم کرنے کے لئے مستعدی سے کوشش کر رہا ہے۔"

ان سب باتوں میں خاص طور پر نئی بات کوئی نہیں تھی۔ لیکن سینتنی کے دورے نے کم از کم اس بات کی توثیق کر دی تھی (ا) کہ ہنوئی مغربی دنیا کے لئے ایک دروازہ کھلا رکھنے کے لئے حقیقی طور پر فرانس کی مدد کا خواہاں ہے، اور (ب) کہ بات چیت شروع کرنے کے لئے امریکی افواج کے اخراج پر مشہور اصرار بالکل فریب ہے۔ اگر امریکی لڑائی بند کر دینے کی واضح حامی بھر لیں تو سفارتی گاڑی کے پہیے حرکت میں آ سکتے ہیں۔ اسی بنا پر سینتنی سے تبادلہ خیال کے بعد دی گال نے چھ ہفتے کے بعد نوم پنہ میں یہ خیال پیش کیا:۔ ایک مقررہ تاریخ تک امریکی افواج کا اخراج۔

اس دوران میں امن قائم کرنے کی ایک اور پیش قدمی اس کے حامیوں کے لئے ناامیدی میں ختم ہو گئی تھی۔ جون میں کینیڈا کے ایک سفارتی رکن چیسٹر رونگ کو، جو ایشیائی معاملات

کے معمر ماہر ہیں اور جنھوں نے اپنی تمام تر پیشہ ورانہ زندگی وہیں گذاری ہے، ان کے وزیر اعظم لیسٹر پیرسن نے، جنھوں نے شروع ہی سے جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے، ہنوئی بھیجا۔ (انٹرنیشنل کنٹرول کمشن کا رکن ہونے کی حیثیت میں کینیڈا کو ہنوئی میں ایک خاص مقام حاصل ہے، جس کی بنا پر وہ سرکاری افسروں سے رابطہ قائم رکھ سکتا ہے اور وہاں کے عام تاثر کا اندازہ لگا سکتا ہے۔)

لیکن مسٹر رونگ کو ہو سے ملنے کی اجازت نہ دی گئی اور یہ بات اس پر سختی سے واضح کر دی گئی کہ جب تک شمال پر جوابی حملے مستقل اور غیر مشروط طور پر بند نہیں ہوتے بات چیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا یہی وہ دھتکار تھی جس کا ان دنوں امریکی اخبارات میں ذکر کیا گیا (جن میں نیویارک ٹائمز بھی شامل ہے، جس کا ہانگ کانگ میں بہت ہی لائق نامہ نگار سیمور ٹاپنگ چیسٹر رونگ کا داماد ہے)؟ بمباری کی موقوفی کو بات چیت شروع کرنے کے لئے ضروری شرط قرار دے کر ہو اپنے آپ کو امریکی پیش قدمی کے سامنے غیر محفوظ پوزیشن میں ڈال رہا تھا۔ واشنگٹن جب چاہے ہنوئی کی بات مان کر ہوائی حملے بند کر دے۔ لیکن صدر جانسن نے درحقیقت ہنوئی اور ہائی فانگ کے تیل کے ذخیروں پر ۲۹ جون کے ہوائی حملوں کی منظوری دے کر اس کے عین برخلاف حرکت کی۔ رونگ کے مشن جیسے مشنوں کو رد کر دینے میں شمالی ویتنام کے حکام کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا تھا۔

۱۹۶۶ء کا موسم گرما ہو اور اس کے ہموطنوں کے لئے نفسیاتی لحاظ سے بلندیوں کا زمانہ تھا۔ لوگوں کا عام موڈ انتہا پسندانہ اور بہادرانہ تھا اور ــــ ہمیشہ کی طرح ــــ مثال صدر نے خود قائم کی۔ ۱۷ جولائی کو اس نے تقریباً تمام وسائل بروئے کار لانے کا حکم جاری کیا حالانکہ یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ ملک عملاً بہت عرصے سے انہی حالات سے گذر رہا تھا۔ اس کے بعد سے ہنوئی کے اخبارات اور ریڈیو نے 'جارحیت کا مقابلہ کرنے' کی پالیسی کا خلاصہ ہو کے نثریئے کے الفاظ میں ہی پیش کیا۔ ہمت کا مظاہرہ کرکے۔ امریکی ہوائی جہاز کو نیچے گرا کر، پیداوار کا ریکارڈ توڑ کر، جنگل میں سکول کھول کر: ۔۔۔۔ ان مختلف طریقوں سے لوگوں نے 'صدر ہو کی ۱۷ جولائی کی اپیل کو لبیک کہا'۔

وطن دوستی کے جذبے کا موڈ، جو امریکی ہوائی فوج کے حملوں سے مرنے اور زخمی ہونے والے شہریوں کی تعداد میں روز افزوں اضافے کا ناگزیر نتیجہ تھا، امریکی قیدیوں کے خلاف انتقامی کارروائی کی صورت میں تقریباً المناک زیادتیوں کی حد تک پہنچ گیا۔ پہلے تو قیدیوں کو غضب ناک مجمعوں کے سامنے پیش کیا گیا، پھر جنگی جرائم کے سلسلے میں ان پر مقدمات چلانے کے متعلق باتیں ہونے لگیں۔ امریکی رائے عامہ، جو اس وقت تک تذبذب کی حالت میں تھی، چچا سام کی اتنی زیادہ توہین پر شعلے کی طرح بھڑک اٹھی۔ جنگ کا دائرہ وسیع کرنے کی حمایت میں جذبات بہت شدید تھے اور اس سلسلے میں بہت دلائل دیئے جا رہے تھے کہ اس کی بہترین شکل کیا ہو...... ۲۴ر جولائی کو سی۔ بی۔ ایس ٹیلیویژن کے ایک تار کے جواب میں، جس میں پوچھا گیا تھا کہ قیدی ہوابازوں پر مقدمہ چلانے کا منصوبہ تکمیل کے کس مرحلے میں ہے، ہو نے اعلان کیا کہ کارروائی ملتوی کر دی گئی ہے۔ ہر ایک نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک دفعہ اور اس نے ٹھیک وقت پر بریکیں لگا دی تھیں۔ کیونکہ اگر رسک، کیبرٹ لاج اور اسی قبیل کے دوسرے لوگوں کی جنگی سرگرمیاں امریکی عوام کے جنگجویانہ انداز کی وجہ سے شدت اختیار کر گئیں تو سب سے زیادہ نقصان ویتنام ہی کو ہوگا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہنوئی کا فیصلہ ذاتی مفاد پر مبنی تھا۔ لیکن اس حقیقت سے کہ یہ فیصلہ جون کے آخر میں ہنوئی اور ہائی فانگ پر حملوں کے فوراً بعد کیا گیا۔ 'صاف ظاہر تھا کہ جنگ کو وسعت پکڑنے سے روکنے کے تمام امکانات ختم نہیں ہوئے تھے'[1] کیا یہ اس بات کے ثبوت کے طور پر کہ ہنوئی بات چیت کا سنجیدگی سے خواہاں ہے یقیناً ایسا 'اشارہ' تھا، جس کا مطالبہ ڈین رسک اتنے عرصے سے کر رہا تھا؟ چند ہفتے بعد میں نے امریکی انتظامیہ کے کئی سرکردہ اراکین سے یہ سوال کیا۔ مجھے یقین دلایا گیا کہ ہو کے رویّے میں اس تبدیلی کی وجہ واشنگٹن کے ردِّعمل اور مخالف رائے عامہ کا خوف ہے۔

لیکن اگر اندازِ فکر یہی ہے تو آخر ہو ایسا کون سا کام کرے جسے اس کے مخالفین کمزوری

---

[1] 'لوموند' ۲۶ جولائی ۱۹۶۶ء۔

پر محمول نہ کریں۔؟ اس کی اعتدال پسندی کی ایسی توضیح سے اس کے لئے ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے :۔ انتہاپسندی ایک متعصب انسان کا استقلال اور آخری فتح میں اعتقاد۔

فروری ۱۹۶۷ء میں آخر وہ کیا کہ سکتا تھا جبکہ این۔ایل۔ایف کی عارضی صلح میں توسیع کی تجویز کے باوجود واشنگٹن نے چار ہی دن کے بعد بمباری دوبارہ شروع کر دی ــ جس وقفے میں دونوں فریقوں نے حسبِ معمول اپنی اپنی پوزیشن کو مستحکم کیا۔

ان مخالفوں کے سامنے آخر وہ کر بھی کیا سکتا ہے، جو اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے تاریخ کی سب سے زیادہ فضول، ظالمانہ، اور نابرابر جنگ میں اپنے قومی نشان کی بے حرمتی کرنے کو تیار ہوں، اور یہ نہ چاہتے ہوں کہ ان کی حکمتِ عملی میں کوئی ایسی انقلابی تبدیلی آئے جس کے تحت چین اور تیسری دنیا کے ساتھ جو ابھی ارتقا کی راہ میں ہے مثبت بقائے باہمی کے وجود سے پہلے، وہ 'دولت مند' سوشلسٹ دنیا کے ساتھ بڑے پیمانے پر تعاون کر سکیں۔

وہ صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسٹر، کرسمس اور قمری نئے سال کے موقعوں پر عارضی صلح پر رضامند ہو کر دروازہ ذرا سا کھلا رہنے دے اور ثابت قدم رہے۔ اوتھاں، ویٹیکن، وارسا اور پیرس کے وسیلے سے خط و کتابت کے ذرائع برقرار رکھے اور ڈٹا رہے۔ جب تک امریکی عوام کی حقیقت پسندی اور انصاف کا جذبہ بد دیانت، نا اہل اور شدتِ جذبات سے بے قابو لوگوں، ڈین رسکوں، کیبٹ لاجوں اور کارڈنل سپیل مانوں کا خاتمہ نہیں کر دیتا، ڈٹا رہے، جب تک روس کی مہیا کی ہوئی زمین سے ہوا میں مار کرنے والی میزائیلیں امریکی ہوائی فوج کا اتنا بھاری نقصان نہیں کر دیتیں کہ میکنامارا کے کمپیوٹر بھی جذبات کا اظہار کرنے لگیں، ڈٹا رہے۔

ہو کے آخری معرکے کی نوعیت کچھ اس قسم کی ہے۔ تاریخ نے اس نکتہ رس اور پُرپیچ شخصیت' اس پکے معاملہ فہم اور طوفانوں کا مقابلہ کرنے والے انسان کو چٹان میں بدل دیا ہے ــــ ہنوئی کی چٹان، جس پر دولت اور مشین کی طاقت گولہ باری کی مہر مار کر رہی ہے۔ کیا اسے کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا چاہیے تھا کہ ویتنام ہمیشہ کے لئے تقسیم ہو جائے اور شمال بھوکوں مرے اور جنوب میں اس کے عزیز قتل ہوں؟

وہ اپنے مقاصد اور اعمال میں کتنا ہی ثابت قدم کیوں نہ ہو، چند سوال اس کے ذہن میں ضرور آتے ہوں گے۔ کیا یہ خطرہ لاحق نہیں ہے کہ اگر یہ جنگ اسی طرح طول پکڑتی گئی تو امریکہ اور چین کے درمیان لڑائی ہو سکتی ہے، جو ویتنام کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور اس کی علیحدہ حیثیت کو تباہ کر دے گی؟ یا پھر چین ایسی مداخلت کر سکتا ہے جیسی اس نے کوریا میں کی تھی؟ یہ درست ہے کہ ویتنامی سوشلسٹ اس عظیم انقلاب کا بہت احترام کرتے ہیں، جو اُن کی سرحدوں کے اس پار برپا ہے لیکن اس قسم کی مداخلت ویتنامیوں کے وطن دوستی کے جذبے کے پوری طرح مطابق نہیں ہے، جس کا ہو نشان ہے اور جسے ہو زندگی بخشتا ہے۔

اور اس میں ہو کے عوام کے مصائب کا جائزہ شامل نہیں ہے۔ ہو کے نزدیک ویتنامی عوام کو تاریخ کی سائنسی ضروریات پر خوشی سے قربان کر دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس شخص کے دل میں، جس نے ہمیشہ بچوں کے لئے پُر خلوص محبت کا اظہار کیا ہے، جارحیت کی ان اقسام کے بارے میں جن کی بدولت ذمہ دار امریکی کیتھولک لوگوں کی ایک جماعت کے اندازے کے مطابق تقریباً دس لاکھ نوجوان ویتنامی مر چکے ہیں یا اپاہج ہو گئے ہیں، غصے کے علاوہ کوئی اور ہی جذبہ کارفرما ہے۔

اگر موضوع کو اس کے انقلابی پس منظر میں بھی دیکھا جائے تو کسی شخص کو اس حقیقت پر افسوس نہیں کرنا چاہیے کہ ہو اس قسم کا لیڈر نہیں ہے جو سیاسی جائزے میں ایک پوری نسل کی تکالیف کو برائے نام عنصر خیال کرے۔ اور ایک ایسے شخص کے خلاف مصلحت پرستی کا الزام لگانا، جو پچاس سال سے اپنے ملک کی خاطر لڑ رہا ہو، یقیناً لغو بات ہے۔

جس دن امریکیوں نے اس بات کا اظہار کیا — ہمیشہ کے لئے بمباری بند کر کے، این۔ ایل۔ ایف کو ایک سیاسی اور فوجی حقیقت کے طور پر تسلیم کر کے، جنگ کا دائرہ محدود کر کے اور اپنی افواج کو ویتنام سے نکالنے کی واضح یقین دہانی کر کے — کہ وہ ویتنام میں واقعی امن قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہو اور اس کے ساتھی یقیناً آگے بڑھ کر ان کا استقبال کریں گے۔ وہ تو ۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۴ء میں بھی سیاسی حل کے امکانات تلاش کرنے کے

مشتاق تھے۔

جب یہ کام ہو جائے تو امید کی جا سکتی ہے کہ تور کانگریس، دین بین فو اور سالہا سال تک اَن تھک مزاحمت کے اس آزمودہ کار سپاہی کو 'انقلاب کے چند سبقوں' کے لئے معاف کر دیا جائے گا۔

واشنگٹن کے ایک دورے کے دوران میں ستمبر ۱۹۶۶ء میں مجھے ایک انتہائی ذہین امریکی سے گفتگو کا موقعہ ملا، ایک ایسے شخص سے جس کا ایشیا اور اس کے مسائل، خاص طور پہ ہندچینی کے مسائل سے متعلق علم بہت وسیع تھا۔ فطری طور پہ اور چند فرائضِ منصبی کی نوعیت کے باعث وہ ان مسائل کے سلسلے میں سمجھوتا کرنے کا حامی تھا۔ ہم ہو کے متعلق باتیں کر رہے تھے اور ——— جہاں تک میرا خیال ہے ——— ہمارے خیالات تقریباً ایک جیسے تھے۔ دفعتاً اس مہذب اور حساس انسان کو طاقت، امریکہ کی دیو پیکر طاقت، کا نشہ چڑھ گیا۔

"میں ہوچی منھ کا اتنا ہی مداح ہوں، جتنے تم ہو۔ وہ بہت دلآویز اور پرکشش شخصیت ہے۔ لیکن اس کا اپنے تحت پورے ویتنام کو متحد کرنے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ نہیں ہونے دیں گے۔ ہم جنوبی ویتنام کو اس کے اختیار میں دے دینا برداشت نہیں کریں گے...... جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے مجھے افسوس ہے، لیکن یہ کبھی نہیں ہو گا......"

کون جانتا ہے؟ چچا ہو اس وقت بوڑھا آدمی ہے اور کئی سال کی انقلابی جد و جہد کے باعث تھک بھی چکا ہے۔ لیکن اگر کنگ، عرف انگوین تات تھانھ، عرف با، عرف انگوین اے کوک، عرف وونگ، عرف لن، عرف ہوچی منھ، اس وقت تک زندہ نہیں رہنا[1] جب تک ویتنام چین کی سرحد سے لے کر کیپ کاموتک دوبارہ متحد اور خود مختار نہیں ہو جاتا تو دوسرے ——— اس کے نائب، جنھیں اس نے صرف اسی مقصد کے لئے ڈھالا ہے اور جنھوں نے خود بہت سخت جنگ لڑی ہے ——— اس کی فتح مندی دیکھنے تک زندہ رہیں گے۔

---

[1] ہوچی منھ کا انتقال ۳ ستمبر ۱۹۶۹ء

سلسلۂ واقعات

۱۸۸۳ـــــــ فرانسیسی نوآبادیاتی نظام کا استحکام۔

۱۸۸۵ـــــــ علما کی بغاوت۔

۱۸۹۰ـــــــ انگوین تات تھانھ کی پیدائش۔

۱۹۰۱ـــــــ فان بواچو کی ناکام بغاوت۔

۱۹۱۱ـــــــ لاتوش تریول جہاز کے عملے کے رکن کی حیثیت سے ہوکی دیت نام سے روانگی۔

۱۹۱۵ـــــــ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سیر۔

۱۹۱۷ـــــــ پیرس میں قیام اور انگوین اے کوک کا نام اختیار کرنا۔

۱۹۱۹ـــــــ ورسیلز امن کانفرنس میں عرضداشت پیش کرنا۔

۱۹۲۰ـــــــ تور کانگریس میں تقریر۔

۱۹۲۲ـــــــ لاپاریا کا اجرا اور اس کی ادارت۔

۱۹۲۳ـــــــ ماسکو کو روانگی۔

۱۹۲۴ـــــــ انٹرنیشنل کی پانچویں کانگریس میں شرکت۔

۱۹۲۵ـــــــ میخائل بورڈن کے ساتھ چین کو روانگی۔

۱۹۲۶ـــــــ تھانھ نیان یا نوجوان انقلابیوں کی ایسوسی ایشن کی تنظیم۔

۱۹۲۸ـــــــ سیام میں سکونت اختیار کرنا۔

۱۹۳۰ـــــــ ہندچینی کمیونسٹ پارٹی کا قیام۔

۱۹۳۱ـــــــ ہانگ کانگ میں گرفتاری۔

۱۹۳۳ـــــــ روس میں رہائش کے لئے روانہ ہونا۔

۱۹۳۵ـــــــ انٹرنیشنل کی ساتویں کانگریس میں شرکت۔

۱۹۳۶ـــــــ ہندچینی کمیونسٹ پارٹی کو فرانس کی پاپولر فرنٹ گورنمنٹ کا قانوناً اور برسرِعام کام کرنے کی اجازت دینا۔

۱۹۳۹ ——— آئی۔سی۔پی کا دوبارہ زیر زمین جانا۔
۱۹۴۱ ——— پاک بو (شمالی ویت نام) میں ویت منھ کا قیام۔
۱۹۴۲ ——— انگوین اے کوک کا ہوچی منھ نام اختیار کرنا۔
۱۹۴۳ ——— شمالی ویت نام میں احتجاجی کارروائیوں کی ابتدا۔
۱۹۴۴ ——— توجو کی قومیتوں سے سمجھوتا۔
۱۹۴۵ ——— جاپانیوں کا نوآبادیاتی نظام کا تختہ الٹنا۔ ہیروشیما کے بعد جاپانیوں کا ہتھیار ڈالنا۔
ویت منھ کا عبوری حکومت قائم کرنا۔ ہوچی منھ کا اعلانِ آزادی۔
آئی۔سی۔پی کا خاتمہ۔
۱۹۴۶ ——— فرانس کے ساتھ مذاکرت کے دوران میں ہو کی پیرس میں آمد۔
معاہدوں کی خلاف ورزی کے بعد ناچاقی کی ابتدا۔
۱۹۵۰ ——— لاؤسون اور کاؤ بانگ میں فرانسیسیوں کی شکست۔
نوآزاد جمہوریہ چین کا ہنوئی حکومت کو تسلیم کرنا۔
۱۹۵۱ ——— لاؤ دونگ کی بنیاد، آئی۔سی۔پی کی ایک نئی شکل۔
۱۹۵۳ ——— فرانس کے ساتھ مذاکرات کے لئے ہو کی رضامندی کا اعلان۔
۱۹۵۴ ——— ڈین بین فو کا معرکہ۔ جینوا کانفرنس کے بعد جنگ بندی۔
۱۹۵۶ء کے استصواب رائے تک کے لئے ویت نام کا دو حصوں میں منقسم ہونا۔
ہو کی ہنوئی میں واپسی۔
۱۹۵۶ ——— باردیگر اتحاد کے لئے سائیگان حکومت کا استصواب رائے سے انکار۔
شمالی ویت نام میں زرعی اصلاحات کی ناکامی۔
۱۹۵۷ ——— ہو لاؤ دونگ کو تسلیم کرتا ہے۔
۱۹۵۸ ——— جنوب میں دیم حکومت کے خلاف گوریلوں کی مزاحمت۔
۱۹۵۹ ——— لاؤ دونگ کی جانب سے جنوب کے گوریلوں کی مدد کا فیصلہ۔
۱۹۶۰ ——— لاؤ دونگ کی تیسری کانگریس میں ہو کی صدارت۔

پارٹی کے سکریٹری کی حیثیت سے لودواں کا تقرر۔

ماسکو میں اکیاسی کمیونسٹ پارٹیوں کی کانفرنس میں ہو کی شرکت۔

جنوبی ویت نام محاذ آزادی کا قیام۔

۱۹۶۲ ——— امریکہ کی مداخلت کا براہِ راست جنگ کی صورت اختیار کرنا۔

۱۹۶۳ ——— انگو دین ڈیم کا قتل اور ڈیم کے اقتدار کا خاتمہ۔

۱۹۶۴ ——— امریکی فضائیہ کی شمالی ویت نام کے ہوائی اور بحری اڈوں پر بمباری۔

لنڈن بی جانسن کا دوبارہ صدر منتخب ہونا۔

اوتھاں کے سفارتی اقدامات کی ہنوئی میں منظوری اور اُس سے واشنگٹن کا مسترد کرنا۔

۱۹۶۵ ——— شمالی ویت نام پر مسلسل حملے۔

جنوب میں امریکی افواج کی کثیر تعداد میں آمد۔

۱۹۶۶ ——— ہنوئی میں سینیتنی اور رونگ کی سفارتی مشن پر آمد۔

امریکہ سے مذاکرات شروع کرنے سے پہلے بمباری بند کرنے اور قومی محاذِ آزادی

کو تسلیم کرنے پر ہو کا اصرار۔

۱۹۶۷ ——— جنگی کارروائیاں جاری رہتی ہیں۔

ہنوئی اور قومی محاذ آزادی اپنے سابقہ فیصلوں پر قائم رہتے ہیں۔

۱۹ مئی کو ہو کی ستترھویں سالگرہ۔